آیت:15

﴿ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴾

اَللّٰهُ (ء ل ہ): آیت بسم اللہ دیکھیں۔	يَسْتَهْزِئُ (ھ ز ء): البقرۃ آیت 14 دیکھیں۔

م د د

(ن) مَدَدًا مدد دینا۔

مَدًّا دراز کرنا، مہلت دینا، پھیلانا، کسی چیز کو لمبائی میں کھینچنا اور بڑھانا۔ اسی سے عرصۂ دراز کو مدت کہتے ہیں۔ ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ﴾ (25/الفرقان:45) ''کیا آپ ﷺ نے دیکھا نہیں اپنے رب (کی قدرت) کو کہ اس نے کیسے دراز کیا سائے کو۔'' ﴿ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴾ (19/مریم:79) ''ہم لکھ لیں گے جو وہ کہتا ہے اور ہم دراز کریں گے اس کے لئے عذاب جیسا کہ دراز کرنے کا حق ہے۔'' جب آنکھوں کے لیے اس کا استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے نظر اٹھا کر کسی کی طرف دیکھنا۔ ﴿ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ ﴾ (15/الحجر:88) ''مت ڈال اپنی آنکھیں اُن چیزوں پر جو برتنے کو دیں ہم نے اُن میں سے کئی طرح کے لوگوں کو۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ لَا تَمُدَّنَّ فعل نہی کا صیغہ ہے اور یاد کرلیں کہ نّ ثقیلہ کا استعمال فعل نفی اور فعل نہی میں سے، فعل نہی کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔

مَدَدٌ مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ مدد۔ ﴿ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴾ (18/الکہف:109) ''اور اگر ہم لے آئیں اس کے جیسا بطور مدد کے۔''

مُدَّةٌ اسم ذات ہے۔ معین عرصہ۔ مدت۔ ﴿ فَاَتِمُّوْۤا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ﴾ (9/التوبۃ:4) ''تو تم لوگ پورا کرو ان سے کیا ہوا وعدہ ان کی مدت تک۔''

مِدَادٌ اسم ذات ہے۔ سیاہی۔ روشنائی۔ ﴿ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ ﴾ (18/الکہف:109) ''اگر ہوتا سمندر سیاہی میرے رب کے فرمانوں کے لئے تو ختم ہو جاتا سمندر قبل اس کے کہ ختم ہوتے میرے رب کے فرمان۔''

مَمْدُوْدٌ اسم المفعول ہے۔ دراز کیا ہوا۔ بڑھایا ہوا۔ کثیر۔ ﴿ وَجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ﴾ (74/المدثر:12) ''اور میں نے بنایا اس کے لے بڑھایا ہوا مال (یعنی کثرت سے مال دیا)۔''

(افعال) اِمْدَادًا مدد کرنا۔ بوقت ضرورت دینا۔ حسب خواہش دینا۔ وقتاً فوقتاً دینا۔ ﴿ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ﴾ (26/الشعراء:133) ''اس نے مدد کی تمہاری چوپایوں سے اور بیٹوں سے۔'' ﴿ وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴾ (52/الطور:22) ''اور ہم ان کو ہر طرح کے پھل اور گوشت جس چیز کو بھی اُن کا جی چاہے گا، خوب دیے چلے جائیں گے۔'' (ترجمہ تفہیم القرآن)

مُمِدٌّ اسم الفاعل ہے۔ مدد کرنے والا۔ ﴿ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ ﴾ (8/الانفال:9) ''کہ میں مدد کرنے والا ہوں تمہاری ایک ہزار فرشتوں سے۔''

(تفعیل) تَمْدِيْدًا کسی چیز کو پھیلانا۔

مُّمَدَّدَۃٌ اسم المفعول ہے۔ پھیلایا ہوا۔﴿ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴾(104/الھمزۃ:9)"پھیلائے ہوئے ستونوں میں (یعنی بڑے بڑے لمبے ستونوں میں)۔"

ط	غ	ی

(ف) طُغْیَانًا نافرمانی میں حد سے گزرنا۔ سرکشی کرنا۔ طَغَی الْمَاءُ کا مطلب ہے پانی میں طغیانی آجانا یعنی پانی کا بلند ہوکر اپنے کناروں سے باہر آجانا۔﴿ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴾(20/طٰہٰ:24)"آپؐ جائیں فرعون کی طرف بیشک اس نے سرکشی کی۔"﴿ كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ﴾(96/العلق:6)"بیشک انسان سرکشی کرتا ہے۔"

طَاغٍ ج: طَاغُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ واحد مذکر۔ سرکشی کرنے والا۔ حد سے گزرنے والا۔﴿ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴾(51/الذریات:53)"بلکہ وہ لوگ سرکشی کرنے والی قوم ہیں۔"

طَاغِیَۃٌ اسم الفاعل ہے۔ واحد مؤنث۔ سرکشی کرنے والی۔ حد سے گزرنے والی۔﴿ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ﴾(69/الحاقۃ:5)"سو ثمود تو ایک زور کی آواز سے ہلاک کردیئے گئے۔"

لَا تَطْغَ فعل نہی ہے۔ تو سرکشی مت کر۔ حد سے تجاوز مت کر۔﴿ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ﴾(55/الرحمٰن:8)"کہ تم لوگ حد سے تجاوز مت کرو ترازو میں یعنی تول میں۔"

طُغْیَانٌ اسم ذات بھی ہے۔ حد سے بہت زیادہ تجاوز۔ بہت زیادہ سرکشی۔﴿ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴾(10/یونس:11)"تو ہم چھوڑ دیتے ہیں ان لوگوں کو جو امید نہیں رکھتے ہماری ملاقات کی کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔"

طَغْوٰی طُغْیَانٌ سے اسم ہے۔ سرکشی، نافرمانی۔﴿ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ﴾(91/الشمس:11)"قوم ثمود نے اپنی سرکشی کی بنا پر تکذیب کی۔"

طَاغُوْتٌ سرکشی کا ذریعہ۔ واحد، جمع، مذکر، مؤنث سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ﴾(16/النحل:36)"اور ہم نے بھیجا ہے ہر امت میں ایک رسول کہ تم لوگ عبادت کرو اللہ کی اور تم لوگ بچو سرکشی کے ذریعوں سے۔" امام راغبؒ لفظ 'طاغوت' کی وضاحت کرتے ہوئے مفردات القرآن میں فرماتے ہیں: "طاغوت سے مراد ہر وہ شخص ہے جو حدود شکن ہو (یعنی حدود اللہ کو توڑنے والا ہو) اور ہر وہ چیز جس کی اللہ کے سوا پرستش کی جائے اسے طاغوت کہا جاتا ہے۔" صاحبؒ مترادفات القرآن اسی لفظ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں "طاغوت ہر وہ چیز ہے جس کی اللہ کے سوا غلامی اختیار کی جائے خواہ یہ کوئی نظام ہو یا کوئی شخصیت۔" (مترادفات القرآن۔ ۵۸۷)۔ مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: "طاغوت کا صحیح ترجمہ مشکل ہی ہے۔ اُردو میں اس کے لیے قریب ترین لفظ شیطان کا ہوسکتا ہے۔ اپنے عام و وسیع معنی میں عربی میں اس کا اطلاق ہر معبود باطل اور ہر سرکش پر ہوتا ہے۔" (تفسیر ماجدیؒ، ص:۱۳۸)۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ ہر وہ شخص جو اللہ کی نافرمانی میں حد سے گزرنے والا ہو وہ طاغوت ہے۔ اس اعتبار سے اس کا اطلاق کاہن اور غیب جاننے کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے پر ہوتا ہے جو اپنے جھوٹے دعوؤں سے لوگوں کو فریب دیتے ہیں۔ اس کا اطلاق ساحر پر بھی ہوتا ہے۔ اس کا اطلاق شیطان پر بھی ہوتا ہے کیونکہ اس نے سب سے پہلے اللہ کے احکام کی نافرمانی کی۔ اور وہ سب سے بڑا سرکش ہے۔ اس کا اطلاق بتوں اور تمام معبودان باطل پر بھی ہوتا ہے کیونکہ اِن کے ذریعے سے لوگ گمراہ ہوتے ہیں۔ اس کا اطلاق ہر اس شخص پر بھی ہوتا

ہے جو کسی گمراہ مذہب، غلط نظریے اور کسی بُرے عمل کا بانی اور کرتا دھرتا ہو۔ گویا تمام سرکشی کے ذرائع، طاغوت ہیں۔'' کسی کو طاغی (سرکش) کہنے کی بجائے اگر طاغوت (سرکشی) کہا جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ انتہا درجے کا سرکش ہے۔ مثال کے طور پر کسی کو حسین کے بجائے اگر یہ کہا جائے کہ وہ حسن ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ خوبصورتی میں درجۂ کمال کو پہنچا ہوا ہے۔'' (تفہیم القرآن، ج۴،ص: ۳۶۵)۔ مولانا مودودیؒ نے اس لفظ کی بہت خوبصورت تشریح کی ہے فرماتے ہیں: ''طاغوت لغت کے اعتبار سے ہر اُس شخص کو کہا جائے گا جو اپنی جائز حد سے تجاوز کر گیا ہو۔ قرآن کی اصطلاح میں طاغوت سے مراد وہ بندہ ہے جو بندگی کی حد سے تجاوز کر کے خود آقائی و خداوندی کا دم بھرے اور خدا کے بندوں سے اپنی بندگی کرائے۔ خدا کے مقابلے میں ایک بندے کی سرکشی کے تین مرتبے ہیں۔ پہلا مرتبہ یہ ہے کہ بندہ اُصولاً اس کی فرمانبرداری ہی کو حق مانے، مگر عملاً اس کے احکام کی خلاف ورزی کرے۔ اس کا نام فسق ہے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ اس کی فرمانبرداری سے اُصولاً منحرف ہو کر یا تو خود مختار بن جائے یا اس کے سوا کسی اور کی بندگی کرنے لگے۔ یہ کفر ہے۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ مالک سے باغی ہو کر اس کے ملک اور اس کی رعیت میں خود اپنا حکم چلانے لگے۔ اس آخری مرتبے پر جو بندہ پہنچ جائے، اسی کا نام طاغوت ہے اور کوئی شخص صحیح معنوں میں اللہ کا مومن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ وہ اس طاغوت کا منکر نہ ہو۔'' (تفہیم القرآن، ج۱،ص: ۱۹۶)۔ اب قرآن مجید کی یہ آیت پڑھیے: ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ط﴾ (4/النساء:60) ''اے نبیؐ! آپؐ نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اس کتاب پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور ان کتابوں پر جو تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں، مگر چاہتے یہ ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کے لیے طاغوت کی طرف رجوع کریں، حالانکہ انہیں طاغوت کا انکار کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔'' اس آیت مبارکہ سے آپ کو طاغوت کی ایک اور قسم بھی معلوم ہوگئی یعنی وہ بھی طاغوت ہے جو احکام الٰہی کے خلاف اپنے وضع کردہ قوانین کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلے کرے۔ مولانا مودودیؒ اس آیت یعنی النساء 60 کے تحت فرماتے ہیں: ''یہاں صریح طور پر ''طاغوت'' سے مراد وہ حاکم ہے جو قانون الٰہی کے سوا کسی دوسرے قانون کے مطابق فیصلہ کرتا ہو، اور وہ نظام عدالت ہے جو نہ تو اللہ کے اقتدارِ اعلیٰ کا مطیع ہو اور نہ اللہ کی کتاب کو آخری سند مانتا ہو۔'' مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اسی آیت میں طاغوت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''(طاغوت سے) یہاں مراد ہر غیر اللہ کی حکومت واقتدار ہے۔'' طاغوت کے لفظ کی مندرجہ بالا وضاحت کے بعد اب قرآن مجید کی یہ آیت پڑھیے: ﴿ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤلَا انْفِصَامَ لَهَا ط﴾ (2/البقرۃ:256) ''اب جو کوئی طاغوت کا اِنکار کر کے اللہ پر ایمان لے آئے تو، اُس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا، جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔''

(افعال) اِطْغَاءً سرکشی پر اکسانا، ابھارنا، آمادہ کرنا۔ ﴿ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴾ (50/قٓ:27) ''اے ہمارے رب میں نے سرکشی پر نہیں اکسایا اس کو بلکہ وہ تھا دور کی گمراہی میں۔''

ع	م	ھ

(ف۔س) عَمَهًا فقدان بصیرت کی وجہ سے بھٹکنا۔ دل کا اندھا ہونا۔ حیران ہونا۔ حیرانگی کی وجہ سے تردّد میں پڑھنا۔ حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''عمہ اُس کیفیت کو کہتے ہیں کہ انسان کو راستہ سجھائی نہ دے اور وہ اِدھر اُدھر اندھوں کی طرح ٹٹولتا اور ہاتھ پاؤں مارتا پھرے۔ وحی الٰہی کی روشنی سے محرومی کے بعد انسان کی واقعی یہی حالت ہو جاتی ہے۔'' (تفسیر ماجدیؒ،ص۱۱)۔ آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب لفظ اَللّٰہُ مبتداء اور یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ جملہ فعلیہ اس کی خبر ہے۔ 'وٗ' عطف کا ہے اور یَمُدُّھُمْ جملہ فعلیہ عطف ہے یَسْتَھْزِئُ پر۔ فِیْ طُغْیَانِھِمْ، یَمُدُّھُمْ کا متعلق فعل ہے۔ جملہ فعلیہ یَعْمَھُوْنَ حال ہے یَمُدُّھُمْ میں ھُمْ ضمیر کا۔

ترجمہ
البقرۃ:15

اَللّٰہُ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ	وَ	یَمُدُّھُمْ
اللہ مذاق کرتا ہے اُن سے یعنی اللہ سزا دے رہا ہے اُنہیں اس مذاق کی	اور	وہ ڈھیل دیتا ہے ان کو

فِیْ طُغْیَانِھِمْ	یَعْمَھُوْنَ ﴿۱۵﴾
ان کی سرکشی میں	اور حالت یہ ہے کہ عقل کے اندھے ہیں

نوٹ:1 **آیت مبارکہ کے تراجم اور قاعدۂ مشاکلت:** آیت زیر مطالعہ میں یَسْتَھْزِئُ کا ترجمہ ہمارے بعض بزرگوں نے تو اس لفظ کا ظاہری معنی (ہنسی، مذاق) لے کر کیا ہے اور بعض بزرگوں نے اس کا ترجمہ عربی کے ایک خاص اسلوب کی مناسبت سے کیا ہے جو اس آیت مبارکہ میں استعمال ہوا ہے۔ جن بزرگوں نے اس کا لفظی ترجمہ کیا ہے وہ یوں ترجمہ کرتے ہیں: ''اللہ ہنسی کرتا ہے اُن سے۔'' (شیخ الہندؒ)، ''اللہ بھی ان سے مذاق کرتا ہے۔'' (احسن البیان)، ''اللہ ان سے مذاق کرتا ہے۔'' (تفہیم القرآن) اور جن بزرگوں نے اس خاص اسلوب کی مناسبت سے ترجمہ کیا ہے وہ یوں ترجمہ کرتے ہیں: ''اللہ سزا دے رہا ہے انہیں اس مذاق کی'' (ضیاء القرآن)۔ معلوم ہوا کہ ہمارے بزرگوں نے دونوں طرح سے اس آیت مبارکہ کا ترجمہ کیا ہے۔ یہاں یہ بھی ضروری ہے کہ اس خاص اسلوب کی وضاحت کر دی جائے کیونکہ جن بزرگوں نے اس لفظ کا ظاہری ترجمہ کیا ہے انہوں نے بھی حاشیے میں اس اسلوب کی طرف اشارہ کیا ہے مثلاً ترجمہ شیخ الہندؒ کے حاشیے میں لکھا ہے ''تمسخر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس تمسخر کا بدلہ اور سزا اُن کو دے گا۔'' اور اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس اسلوب کی دوسری آیات پڑھتے وقت سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔ چنانچہ اس اسلوب کو ''مشاکلت'' کہتے ہیں۔ اس کی سادہ الفاظ میں وضاحت کرتے ہوئے صاحبؒ ضیاء القرآن اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں: ''اہل عرب میں یہ عام محاورہ ہے کہ جب کوئی کام کسی فعل کی سزا دینے کے لیے کیا جائے تو اس کی تعبیر بھی اسی لفظ سے کر دیتے ہیں جس لفظ سے اس فعل کی تعبیر کی گئی ہو جس پر سزا یا عتاب کیا جا رہا ہے مثلاً ﴿وَ جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُھَا﴾ یعنی بُرے فعل کی جزاء بھی اسی طرح بُری ہوا کرتی ہے۔ حالانکہ سزا جو عدل و انصاف کا عین تقاضا ہوتا ہے بُری نہیں ہوتی۔ یا ﴿نَسُوا اللّٰہَ فَنَسِیَھُمْ﴾ اُنہوں نے خدا کو بھلا دیا اور خدا نے اُن کو بھلا دیا۔ حالانکہ خدا کی ذات بھول سے پاک ہے لیکن ان کے بھلانے پر جو سزا دی گئی اُس کو بھلانے سے تعبیر کیا گیا۔ اِسی طرح اِستہزاء پر منافقین کو جو سزا دی گئی اُس کو بھی استہزاء سے بیان کر دیا۔ کیونکہ یہ استعمال محاورۂ عرب کے عین مطابق تھا۔ اس لیے کفار جو قرآن پر اعتراض کرنے کے لیے کسی ادنیٰ سے بہانے کے متلاشی رہتے تھے اِس استعمال پر کوئی اعتراض نہ کر سکے۔'' اسی طرح حضرتؒ سورہ آل عمران کی آیت 54 ﴿وَ مَکَرُوْا وَ مَکَرَ اللّٰہُ ؕ﴾ کے تحت فرماتے ہیں: ''عربی میں کسی برے اور ناپسندیدہ فعل پر جو سزا دی جاتی ہے اسے اسی لفظ سے تعبیر کر دیتے ہیں اگرچہ وہ سزا کتنی مناسب اور قرین انصاف کیوں نہ ہو۔ مثلاً ﴿وَ جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُھَا﴾ یعنی برائی کا بدلہ برائی ہے اسی طرح حالانکہ برائی کی سزا برائی نہیں ہوتی بلکہ عین انصاف ہوا کرتی ہے یا مثلاً ﴿فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْہِ﴾ یعنی جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کر لو۔ حالانکہ زیادتی اور تعدّی کی روک تھام کرنا زیادتی اور ظلم نہیں بلکہ دین اور اخلاق کے تمام ضابطے اس کے درست ہونے کی تائید کرتے ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی (آل عمران۔54) حضرت مسیحؑ کے قتل کرنے کی جو مکارانہ سازش ان یہودیوں نے کر رکھی تھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو ناکام بنانے کی جو تدبیر کی گئی اُسے مکر سے تعبیر فرما دیا اور اس میں کوئی نقص نہیں۔'' حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ البقرہ کی آیت 193 ﴿فَاِنِ انْتَھَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ﴾ کے تحت لکھتے ہیں: ''عُدْوَانَ، اس کے لفظی معنی زیادتی کے ہیں۔ یہاں سزا اور سزائے قتل کے معنی میں ہے۔ عربی اسلوب بیان میں ایک دستور یہ بھی ہے کہ جزاء عمل کے موقع پر بعینہٖ وہی لفظ بول دیا جاتا ہے جو خود اس عمل کے لیے ہوتا ہے۔ مثلاً مکر کے مقابلہ میں مکر ہی کا لفظ، کید کی سزا کے موقع پر لفظ کید کا استعمال، استہزاء کے معاوضہ میں لفظ استہزاء وقس علیٰ ہذا۔ اس صنعت کا نام مشاکلت ہے اور قرآن مجید نے عربی بلاغت کی دوسری صنعتوں کی طرح اس کا بھی بار بار استعمال کیا ہے، چنانچہ یہاں سزائے عدوان کے موقع پر

خودلفظ عدوان کا لانا اسی طرز پر ہے۔'' اور اسی طرح سورہ آل عمران کی آیت 54 ﴿ وَ مَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهُ ؕ ﴾ کے تحت فرماتے ہیں: ''عربی زبان میں ایک قاعدہ مشاکلت کا ہے۔ یعنی کسی فعل کی سزا یا جواب کو بھی بجنسہٖ اسی فعل کے لفظ سے ادا کیا جاتا ہے اور اس طرز ادا میں مطلق کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا۔ مثلاً کسی نے زید پر حملہ کیا، اور زید نے اس کا جواب دیا۔ تو عربی محاورہ میں یوں کہیں گے کہ اس نے زید پر حملہ کیا اور زید نے اس پر حملہ کیا حالانکہ زید کا ''حملہ'' مطلق نہ ہو گا۔ بلکہ صرف سزائے حملہ ہوگی یا زیادہ سے زیادہ ''جوابی حملہ'' یا کوئی مجھے ٹھگ لے اور میں اس سے انتقام لوں تو عربی میں پیرایہ ادا یہ ہوگا کہ اس نے مجھے ٹھگا۔ اور میں نے بھی اسے ٹھگ لیا۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ میری طرف سے ٹھگنے کی سزا ہی ملے گی۔ اس اصل کو ذہن نشین کر لینے کے بعد قرآن مجید کی اس قسم کی آیتوں سے کہ (۱) ﴿ وَ مَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهُ ؕ ﴾ انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے بھی ''مکر'' کیا۔ (۲) ﴿ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ۙ۝ وَّ اَكِيْدُ كَيْدًا ۝ ﴾ وہ ''کید'' سے کام لیتے ہیں اور میں بھی ''کید'' سے کام لیتا ہوں۔ (۳) ﴿ وَ جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ﴾ ''برائی'' کی سزا ویسی ہی ایک ''برائی'' ہے۔ (۴) ﴿ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ ﴾ وہ کہتے ہیں کہ ہم تو محض ہنسی کرتے ہیں۔ اللہ ان سے ''ہنسی'' کرتا ہے۔ (۵) ﴿ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ ﴾ جو تم پر زیادتی کرتا ہے، تم اس پر ''زیادتی'' کرو۔ (اسی اسلوب کی النساء کی 142 آیت بھی ہے۔ ﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ﴾ (مرتب)۔ جو اشکال محض ترجمہ کی بنا پر پیدا ہوتا ہے وہ از خود ساقط ہو جاتا ہے۔ ان تمام مثالوں میں جوابی اور سزائی ''مکر'' نہ مکر ہے، نہ ''کید'' کید ہے۔ نہ ''سیئۃ'' سیئہ ہے، نہ ''استہزاء'' استہزاء، نہ ''زیادتی'' زیادتی ہے۔ بلکہ ہر موقع پر مراد صرف سزائے مکر، سزائے کید، سزائے سیئہ، سزائے استہزاء، اور سزائے اعتداء ہے۔ تو اس جوابی و تعزیری مکر اللہ پر کوئی سوال ہی نہیں عائد ہوتا۔ لیکن اس کے علاوہ عربی میں مکر میں کوئی ذم کا پہلو لازمی طور پر ہے بھی نہیں۔ مکر محمود بھی ہو سکتا ہے۔ اور مکر مذموم بھی۔ اصل معنی صرف خفیہ تدبیر، گہری تدبیر یا انگریزی میں Plan کے ہیں۔ پس جس کسی ہندی نے اردو کے مکر و فریب پر قیاس کر کے مکر اللہ پر حرف گیری کی ہے، اس نے خود اپنی جہالت کا پردہ فاش کیا ہے۔'' (تفسیر ماجدیؒ۔ 169)

نوٹ:2 آیت زیرِ مطالعہ کی ترکیب میں بتایا گیا ہے کہ فِيْ طُغْيَانِهِمْ، يَمُدُّهُمْ سے متعلق ہے۔ اس کو يَعْمَهُوْنَ سے متعلق ماننے کی گنجائش بھی ہے۔ اس سے معنی میں جو باریک فرق پڑتا ہے اُسے پہلے سمجھ لیں۔ فِيْ طُغْيَانِهِمْ کو اگر يَمُدُّهُمْ کے ساتھ مانیں تو مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کی سرکشی میں ڈھیل دیتا ہے تاکہ وہ بھٹکتے رہیں۔ اور اگر اسے ہم يَعْمَهُوْنَ کے ساتھ مانیں تو مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ڈھیل دیتا ہے تاکہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔ لیکن حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں: ''جاننا چاہیے کہ آیت میں فی طُغْيَانِهِمْ فعل يَمُدُّهُمْ کے متعلق ہے مگر تراجم دہلویہ جدیدہ میں اس کو يَعْمَهُوْنَ کے متعلق کر دیا (جس سے معنی بگڑ کر معتزلہ کے موافق اور اہل سنت کے خلاف اور استعمال اہل عرب کے مخالف ہو گئے) جو غلط ہے اور جاننے والے اس کو خوب جانتے ہیں۔ (تفسیر عثمانیؒ، ص ۵)۔ اسی طرح کی سورۂ اعراف کی آیت 186 بھی ہے جس میں فرمایا: ﴿ وَ يَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ ﴾ (الاعراف:186) ''اور اللہ چھوڑے رکھتا ہے اُن کو اُن کی شرارت میں سرگرداں۔''

نوٹ:3 اندھے پن کے لیے قرآن مجید میں عَمِيَ (ع م ی) عَمِهَ (ع م ھ) اور اَكْمَهَ (ک م ھ) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اندھا پن بھی دو طرح کا ہے۔ ایک ظاہری آنکھوں کا اندھا پن ہے اور دوسرا دل یا بصیرت کا اندھا پن ہے۔ اس مناسبت سے ان تینوں الفاظ میں کچھ بنیادی فرق ہیں۔ عَمِيَ کا لفظ ظاہری آنکھوں اور بصیرت، دونوں قسم کے اندھے پن کے لیے بولا جاتا ہے۔ مثلاً ظاہری آنکھوں کے اندھے پن کے لیے فرمایا: ﴿ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ؕ ﴾ (عبس:2) ''اس بات پر کہ اُنؐ کے پاس نابینا آیا۔'' یا فرمایا ﴿ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ ﴾ (الرعد:16) ''آپؐ کہیے کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہو سکتا ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) اور بصیرت کے اندھے پن کے لیے فرمایا ﴿ وَ حَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَ صَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَ صَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ ﴾ (المائدۃ:71) ''اور گمان یہی کرتے رہے کہ وبال کچھ نہ پڑے گا سو اندھے اور بہرے ہو گئے پھر اللہ نے اُن پر رحمت سے توجہ فرمائی پھر بھی اُن میں کے بہت سے اندھے اور بہرے ہی رہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ حاشیے میں حضرتؒ فرماتے ہیں: ''عَمُوْا عَنِ الْهُدٰى وَ صَمُّوْا عَنْ سَمَاعِ الْحَقِّ'' یعنی ہدایت سے اندھے ہو گئے اور حق سننے سے بہرے ہو گئے۔'' یا فرمایا: ﴿ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِى الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ ﴾ (النمل:81) ''اور آپؐ اندھوں کو اُن کی گمراہی سے راستہ دکھانے والے نہیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ بلکہ الحج کی آیت 46 میں بصارت اور دل، دونوں کے لیے تَعْمٰى کا

لفظ استعمال ہوا ہے ﴿ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ﴾(الحج:46) ''اصل یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہو جایا کرتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہو جایا کرتے ہیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔قرآن مجید میں جہاں کہیں اَلْعَمٰی کی مذمت آئی ہے وہاں بصیرت کا اندھا پن مراد لیا گیا ہے، اور بصیرت کے اندھے پن سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص حق کو نہ پہنچانے اور شک اور شبہ میں مبتلا ہو جائے۔(واللہ اعلم)۔

عَمِهَ کا لفظ خاص دل یا بصیرت کے اندھے پن کے لیے استعمال ہوتا ہے۔اور بصیرت کی کمی کا لازمی نتیجہ حیرانی اور بھٹکنا ہے اس لیے یہ لفظ حیران ہونا اور بھٹکنا کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔آیت زیر مطالعہ۔

اَكْمَهَ کا لفظ پیدائشی اندھے پن کے لیے استعمال ہوتا ہے۔﴿ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ﴾(المائدۃ:110) ''اور تم مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے اچھا کر دیتے تھے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

آیت:16

﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۠ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴾

ش ر ی

(ض) شِرَاءً سوداگری کرنا۔خرید و فروخت کرنا۔''گو شِرَاءٌ کے معنی خریدنے اور بیچنے دونوں کے ہیں لیکن بیشتر اس کا استعمال بیچنے ہی کے لیے ہوتا ہے۔'' (لغات القرآن، ج۳،ص ۲۷۴)۔﴿ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴾ (2/البقرہ:102) ''اور کتنا برا ہے جو ان لوگوں نے سودا کیا اپنے آپ کا۔کاش وہ لوگ جانتے ہوتے۔''

(افتعال) اِشْتِرَاءً اشتراء کا لفظ لغات اضداد میں سے ہے یعنی یہ لفظ دو متضاد معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔چنانچہ اس کا مطلب خریدنا بھی ہے اور بیچنا بھی۔قرآن مجید میں عام طور پر خریدنے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے مثلاً آیت زیر مطالعہ میں خریدنے کے معنوں میں ہے یا فرمایا:﴿ وَقَالَ الَّذِي اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ ﴾(12/یوسف:21) ''اور کہا اُس نے جس نے خریدا اُس کو مصر سے۔'' اس کے علاوہ بیچنے کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے مثلاً﴿ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ﴾ (2/البقرۃ:90) ''بری ہے وہ چیز جس کے عوض میں انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔حاشیے میں حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں:''اشتراء لغات اضداد میں سے ہے۔خریدنے اور فروخت کرنے دونوں کے معنی میں آتا ہے۔یہاں بیچنے کے معنی میں ہے الاشتراء ھٰھنا بمعنی البیع (معالم) معناہ باعوا (بیضاوی)''۔ان معنوں کے علاوہ اشتراء کا لفظ ایک کام کے بدلے دوسرے کام کو اختیار کرنے اور ایک چیز کو دوسری چیز سے بدل لینے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

الضَّلٰلَةَ (ض ل ل): الفاتحہ آیت 7 دیکھیں۔ اَلْهُدٰى اور مُهْتَدِيْنَ (ھ د ی): الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔

ر ب ح

(س) رَبْحًا نفع بخش ہونا۔یہ فعل لازم ہے۔آیت زیر مطالعہ۔

ت ج ر

(ض)(ن) تِجَارَةً سوداگری کرنا۔

تِجَارَةٌ اسم ذات بھی ہے۔سوداگری۔سرمایہ۔بیوپار۔آیت زیر مطالعہ۔

كَانُوْا (ك و ن): البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔

ترکیب اُولٰٓئِكَ مبتداء ہے۔ اَلَّذِيْنَ موصول اور اِشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى، جملہ فعلیہ اس کا صلہ ہے۔ موصول اور صلہ مل کر پورا جملہ اُولٰٓئِكَ کی خبر ہے۔ رَبِحَتْ (واحد مونث غائب کا صیغہ) فعل اور تِجَارَتُهُمْ اس کا فاعل ہے، آیت مبارکہ کے اس حصے کا ترجمہ ''اُن کی تجارت نے اُن کو نفع نہ دیا۔'' کرنا غلط ہے کیونکہ اِس کی عربی یہ ہوتی فَمَا رَبِحَتْهُمْ تِجَارَتُهُمْ۔ یہ عربی جملہ غلط ہے کیونکہ رَبِحَتْ فعل لازم ہے اور اِس کے ساتھ مفعول هُمْ نہیں آ سکتا چنانچہ صحیح ترجمہ ہوگا اُن کی تجارت نفع بخش نہ ہوئی (واللہ اعلم)۔ 'ما' نافیہ ہے اور كَانُوْا میں شامل هُمْ کی ضمیر كَانَ کا اسم ہے اور مُهْتَدِيْنَ اس کی خبر ہے اس لئے حالت نصب میں ہے۔ اِشْتَرَوُا دراصل اِشْتَرَوْا ہے۔ آگے ملانے کے لئے واو پر ضمہ (پیش) آئی ہے۔

ترجمہ
البقرۃ:16

اُولٰٓئِكَ	الَّذِيْنَ	اشْتَرَوُا	الضَّلٰلَةَ	بِالْهُدٰى ۪	فَمَا رَبِحَتْ
یہ لوگ ہیں	جن لوگوں نے	خریدا	گمراہی کو	ہدایت کے بدلے	تو نفع بخش نہ ہوئی

تِّجَارَتُهُمْ	وَمَا كَانُوْا	مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۶﴾
ان کی تجارت	اور وہ لوگ نہیں تھے	ہدایت پانے والے

نوٹ:1 **صلہ اور اس کا استعمال:** عربی میں مفعول کے ساتھ صلہ کے استعمال کے متعلق ایک ابتدائی بات سمجھ لیں۔ آپ نے نوٹ کیا ہوگا کہ متعلق خبر اور متعلق فعل زیادہ تر مرکب جاری بن کر آتے ہیں۔ جیسے اَلرَّجُلُ جَالِسٌ فِي الْمَسْجِدِ۔ اس میں مرکب جاری فِي الْمَسْجِدِ متعلق خبر ہے۔ ضَرَبْتُ زَيْدًا بِالسَّوْطِ اس میں مرکب جاری بِالسَّوْطِ متعلق فعل ہے۔

اب نوٹ کریں کہ یہی حروف جارہ کبھی مفعول کے ساتھ آتے ہیں تو انہیں صلہ کہتے ہیں۔ جو مفعول صلہ کے بغیر آتے ہیں انہیں مفعول بنفسہٖ کہتے ہیں۔ مفعول پر صلہ آنے کی وجہ سے معنی میں کچھ فرق پڑتا ہے۔ اس بات کو اب چند مثالوں سے سمجھ لیں۔ سَئَلْتُ زَيْدًا۔ اس میں زَيْدًا مفعول ہے۔ اور بنفسہٖ آیا ہے۔ اس کا مطلب ہے میں نے زید سے پوچھا۔ سَئَلْتُ عَنْ زَيْدٍ۔ اب زید کے ساتھ عَنْ کا صلہ آیا ہے۔ اور اب مطلب ہوگا میں نے زید کے بارے میں پوچھا۔ قرآن مجید میں ہے۔ ﴿ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ ﴾ (2/البقرہ:186) اس میں جس سے پوچھا جا رہا ہے، اس کیلئے ضمیر مفعولی ''ک'' بنفسہٖ آئی ہے۔ اور جس کے بارے میں پوچھا جا رہا ہے اس کے لئے ضمیر مفعولی ''نِیْ'' ''عَنْ'' کے صلہ کے ساتھ آئی ہے۔ جبکہ عِبَادِيْ فاعل ہے۔ ترجمہ: ''اور جب میرے بندے آپ ﷺ سے میرے بارے میں پوچھیں۔''

غَفَرْتُ لِلْوَلَدِ كَذِبَهٗ۔ اس میں جس کو معافی دی جا رہی ہے وہ اَلْوَلَدَ ہے اور اس کے ساتھ لام کا صلہ آیا ہے اور جو غلطی معاف کی جا رہی ہے وہ كَذِبَهٗ ہے۔ اور یہ بنفسہٖ آیا ہے۔ اس کا مطلب ہے میں نے لڑکے کے لئے اس کا جھوٹ معاف کیا۔ قرآن مجید میں ہے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ﴾ (39/الزمر:53) اس میں جو غلطی معاف کی جا رہی ہے۔ وہ اَلذُّنُوْبَ ہے جو بنفسہٖ آئی ہے۔ جَمِيْعًا (کل کے کل) حرف تاکید ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔ دوسری جگہ ہے۔ ﴿ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ﴾ (61/الصّف:12) ''اس میں جس کو معافی دی جا رہی ہے اس کے لئے ضمیر مفعولی ''كُمْ'' کے ساتھ لام کا صلہ آیا ہے۔ اور جو غلطی معاف کی جا رہی ہے وہ ذُنُوْبَكُمْ ہے جو بنفسہٖ ہے۔ اس کا مطلب ہے وہ معاف کر دے گا تم لوگوں کے لئے تمہارے گناہ۔ ایک اور جگہ ہے۔ ﴿ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ ﴾ (71/نوح:4) ''اب مطلب ہو گیا کہ وہ معاف کر دے گا تمہارے لئے تمہارے گناہوں میں سے کچھ۔''

نوٹ:2 کوئی مفعول کب بنفسہٖ آتا ہے اور کب کس صلہ کے ساتھ آتا ہے۔ اس بات کا علم ہمیں ڈکشنری سے ہوتا ہے۔ فعل اِشْتَرٰى - يَشْتَرِيْ (افتعال) کے متعلق نوٹ کر لیں کہ خریدی جانے والی چیز کا ذکر اس میں بنفسہٖ آتا ہے۔ اور قیمت کے طور پر جو چیز دی جاتی اس پر بِ کا صلہ آتا ہے۔ آیت زیر مطالعہ میں اَلضَّلٰلَةَ بنفسہٖ آیا ہے۔ اس لئے یہ چیز ہے جو خریدی گئی یعنی حاصل کی گئی۔ جبکہ اَلْهُدٰى پر بِ کا صلہ آیا ہے۔ اس لئے یہ وہ قیمت ہے جو ادا کی گئی۔ (واللہ اعلم)

آیت:17

﴿ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَّا يُبْصِرُونَ ﴿١٧﴾ ﴾

م	ث	ل

(ن) مَثْلًا کسی کے جیسا ہونا۔ مانند ہونا۔

(ض) مُثْلَةً مثالی سزا دینا۔ قتل کے بعد ناک کان وغیرہ اعضاء کاٹ دینا۔

(ک) مَثُوْلًا فضیلت والا ہونا۔ کسی کے سامنے سیدھا کھڑا ہونا۔ ((مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَّمْثُلَ لَهُ الرِّجَالُ فَلْيَتَبَوَّءْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ)) (حدیث)۔ ''جو پسند کرتا ہے کہ کھڑے رہیں اس کے لئے لوگ، تو اسے چاہیے کہ وہ بنالے اپنا ٹھکانہ آگ میں۔''

مِثْلٌ اسم صفت ہے۔ مانند۔ مشابہ۔ ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ ﴾ (2/البقرہ:275) ''یہ اس لئے کہ ان لوگوں نے کہا کچھ نہیں سوائے اس کے کہ خرید وفروخت سود کی مانند ہے۔''

مَثَلٌ ج: اَمْثَالٌ۔ اسم ذات ہے۔ اس سے مراد ہے ایسی بات جو کسی دوسری بات سے ملتی جلتی ہو اور ان میں سے کسی ایک کے ذریعے دوسری کا مطلب واضح ہوجاتا ہو۔ مثل مندرجہ ذیل معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

(1) مثال یا مشابہت بیان کرنے کے لیے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ۭ ﴾ (22/الحج:73) ''اے لوگو ایک مثال دی جاتی ہے تو دھیان سے سنو اس کو۔'' ﴿ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٥﴾ ﴾ (14/ابراہیم:25) ''اور اللہ مثالیں دیتا ہے لوگوں کے لئے شاید وہ لوگ یاددہانی حاصل کریں۔''

(2) حالت، صفت یا کیفیت بیان کرنے کے لیے۔ مثلاً: ﴿ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ ﴾ (16/النحل:60) ''بری حالت ہے اُن لوگوں کی جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ''جو نہیں مانتے آخرت کو اُن کی بری مثال ہے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''اُن لوگوں کے لیے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے بری صفتیں ہیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ یا فرمایا: ﴿ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ ﴾ (47/محمد:15) ''جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا جاتا ہے اُس کی کیفیت یہ ہے کہ۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ''احوال اُس بہشت کا جس کا وعدہ ہوا ہے ڈرنے والوں سے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

(3) مَثَلٌ جب معرف باللام ہو تو اس سے ''عظیم الشان صفت'' یا ''شان'' مراد لی جاتی ہے۔ قرآن مجید میں ایسا صرف دو جگہ ہے اور دونوں جگہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوا ہے: ﴿ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ۭ ﴾ (16/النحل:60) ''اور اللہ کے لیے اعلیٰ صفات ثابت ہیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ﴿ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ ﴾ (30/الروم:27) ''اور اُس کی شان سب سے اُوپر ہے آسمان اور زمین میں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''اور آسمانوں اور زمین میں اُس کی شان سب سے اعلیٰ ہے'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

نوٹ: اللہ تعالیٰ کے لیے مَثَلٌ کا لفظ استعمال ہوسکتا ہے البتہ مِثْلٌ کا لفظ استعمال نہیں ہوتا۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''لفظ مَثَلٌ بفتح میم وثاء ہر ایسی چیز کے لیے بولا جاتا ہے جو دوسرے سے کچھ مماثلت اور مناسبت رکھتی ہو بالکل اس جیسی ہونا اس کے مفہوم میں داخل نہیں اسی لیے حق تعالیٰ کے لیے

مَثَلٌ ہونا تو قرآن میں کئی جگہ آیا ہے، ایک یہیں (یعنی سورۂ الروم آیت 27) دوسرے فرمایا ﴿مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ﴾ لیکن مِثْل اور مثال سے حق تعالیٰ کی ذات پاک اور وراء الوراء ہے۔'' (واللہ اعلم) (معارف القرآن، ج۶،ص۷۳۸)۔اسی طرح حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''مَثَلٌ (بفتحتین) جس کے معنی مثال کے ہیں، اور معنی میں شریک فی الوصف کے ہے اس کا اللہ کے لیے لانا جائز ہے۔اور اللہ کے مِثل (بہ کسرہ میم) کا بیان کرنا، جس کے معنی شریک فی النوع کے ہیں، ناجائز۔ (تفسیر ماجدیؒ ص، ۸۳۷)۔اسی لیے قرآن مجید میں فرمایا گیا ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ﴾ (42/الشوریٰ:11) ''اُس جیسی کوئی چیز نہیں۔'' اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''اب رہا یہ سوال کہ اگر یہاں مثل بمعنی مشابہ ہے تو پھر کاف تشبیہ کیوں لایا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں کو تاکید نفی کی غرض سے یک جا لایا گیا ہے یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں نہ تو مِثْل کا استعمال صحیح ہے اور نہ ہی کاف کا اس لیے یکبارگی دونوں کی نفی کر دی ہے۔'' (مفردات القرآن، ج۲،ص:۹۸۵)

مَثُلَةٌ ج: مَثُلَاتٌ۔مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔عبرتناک سزا۔ایسی سزا جو انسان کو سب کے سامنے رسوا کر دے اور جس سے دوسرے عبرت حاصل کریں۔ یہی معنی نَكَالٌ کے بھی ہیں۔ ﴿وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ﴾ (13/الرعد:6) ''اور گزر چکی ہیں ان سے پہلے عبرتناک سزائیں۔''

اَمْثَلُ مونث: مُثْلٰی۔اسم التفضیل ہے۔زیادہ فضیلت والا۔افضل واعلیٰ۔خوب روشن، خوب واضح۔ ﴿اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴾ (20/طٰہٰ:104) ''جب بولے گا اُن میں اچھی راہ روش والا تم نہیں رہے مگر ایک دن۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴾ (20/طٰہٰ:63) '' یہ دونوں چاہتے ہیں کہ نکال دیں تم لوگوں کو تمہاری زمین سے اپنے جادو سے اور لے جائیں تمہارے اعلیٰ طور طریقوں کو۔''

تِمْثَالٌ ج: تَمَاثِيْلُ۔اسم جامد ہے اور اسم ذات ہے۔تصویر۔کسی چیز کا مجسمہ۔مورتی۔تمثال کی وضاحت کرتے ہوئے صاحب تفہیم القرآن فرماتے ہیں: ''تمثال عربی زبان میں ہر اُس چیز کو کہتے ہیں جو کسی قدرتی شے کے مشابہ بنائی جائے، قطع نظر اس سے کہ وہ کوئی انسان ہو یا حیوان، کوئی درخت ہو یا پھول یا دریا یا کوئی دوسری بے جان چیز۔'' (تفہیم القرآن، ج۴،ص۱۸۰)۔ ﴿مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴾ (21/الانبیاء:52) '' کیا ہیں یہ مجسمے جن کیلئے تم لوگ اعتکاف کرتے ہو۔''

نوٹ: تَمْثَالٌ، ت کی زبر کے ساتھ مصدر ہے اور تِمْثَالٌ، ت کی زیر کے ساتھ تصویر کو کہا جاتا ہے۔(معارف القرآن)

(تفعّل) **تَمَثُّلًا** کسی کے جیسا ہو جانا۔کسی دوسرے کی صورت جیسا ہونا۔مشابہ ہو جانا۔کسی دوسرے کا سا کردار ادا کرنا۔ ﴿فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴾ (19/مریم:6) ''تو وہ اس کے لئے مکمل آدمی جیسا ہو گیا۔''

و	ق	د

(ض) **وُقُوْدًا** اور **وَقْدًا** آگ کا بھڑکنا۔چمکنا۔جلنا۔

وَقُوْدٌ اسم ذات ہے۔ایندھن، جس سے آگ جلائی جاتی ہے۔Fuel۔ ﴿فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ ۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴾ (2/البقرہ:24) ''تو بچو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔''

(افعال) **اِيْقَادًا** آگ کو بھڑکانا یا جلانا۔کسی چیز کو چمکانا۔ ﴿كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ﴾ (5/المائدہ:64) ''جب کبھی وہ لوگ بھڑکاتے ہیں آگ لڑائی کے لیے تو بجھا دیتا ہے اس کو اللہ۔''

يُوْقَدُ مضارع مجہول ہے۔جس کو بھڑکایا جاتا ہے یا جس کو جلایا جاتا ہے۔﴿ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ ﴾ (24/النور:35) ''گویا ایک چمک دار ستارہ ہے، چراغ روشن کیا جاتا ہے ایک نہایت مبارک درخت یعنی زیتون سے۔''

اَوْقِدْ فعل امر ہے۔تو جلا۔تو بھڑکا۔﴿ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ ﴾(28/القصص:38) ''تو اے ہامان میرے لیے مٹی کو آگ میں پکا۔''

مُوْقَدٌ اسم المفعول ہے۔واحد مذکر۔بھڑکایا ہوا۔

مُوْقَدَةٌ اسم المفعول ہے۔واحد مؤنث۔بھڑکائی ہوئی۔﴿ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۙ۝ ﴾(104/الھمزۃ:6) ''وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے۔''

(استفعال) اِسْتِيْقَادًا آگ جلانا۔سلگانا۔آیت زیرِ مطالعہ۔

ن و ر

(ن) نَوْرًا روشن ہونا۔

نُوْرٌ ج:اَنْوَارٌ۔اسم ذات ہے۔ پھیلنے والی روشنی جو اشیاء کو دیکھنے اور سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔نور۔امام راغبؒ فرماتے ہیں کہ نور کی دو قسمیں ہیں ایک ہے دنیاوی نور اور دوسرا ہے اُخروی نور۔ دنیاوی نور کی پھر دو قسمیں ہیں۔ایک وہ جس کا تعلق بصیرت سے ہے یعنی جو بصیرت سے دیکھا جاتا ہے جیسے عقل کا نور،علم کا نور،قرآن کا نور وغیرہ۔اور دوسرا وہ جس کا تعلق نظر سے ہے یعنی جو آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے جیسے ستاروں،سورج اور چاند کا نور۔ چنانچہ وہ نور جس کا تعلق بصیرت سے ہے اس کے متعلق فرمایا﴿ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ۝ ﴾(5/المائدۃ:15) ''بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی اور واضح کتاب آ چکی ہے۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔ حاشیے میں حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں:''نُوْرٌ سے اشارہ ہے رسالت محمدؐ کی جانب اور كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ سے قرآن مجید کی جانب۔'' یا فرمایا:﴿ اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ ۚ ﴾ (5/المآئدہ:44) ''بیشک ہم نے نازل کیا تورات کو اس میں ہدایت اور نور ہے۔'' یا فرمایا:﴿ اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ ﴾(6/الانعام:122) ''کیا جو شخص مردہ تھا پھر ہم نے اُس کو زندہ کر دیا اور ہم نے اُس کے لیے ایک نور بنا دیا کہ اُس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے وہ اُس کی طرح ہو سکتا ہے جو تاریکیوں میں پڑا ہے (اور) اُن سے نکلنے نہیں پاتا۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔حاشیے میں حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں:''نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ۔ضمیر اس نور کی طرف ہے اور نور سے مراد نورِ ایمان اور نورِ ہدایت ہے۔'' یا فرمایا:﴿ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ ﴾(39/الزمر:22) ''اب کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا اور وہ اپنے رب کی طرف سے ایک روشنی پر چل رہا ہے۔(اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس نے ان باتوں سے کوئی سبق نہ لیا؟)۔''(ترجمہ تفہیم القرآن)۔اور وہ نور جس کا تعلق ظاہری آنکھوں سے دیکھنے سے ہے اُس کے متعلق فرمایا:﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ ؕ ﴾(6/الانعام:1) ''تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے زمین اور آسمان بنائے،روشنی اور تاریکیاں پیدا کیں۔''(ترجمہ تفہیم القرآن) یا فرمایا:﴿ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا ﴾ (10/یونس:5) ''وہ اللہ وہی ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو روشن۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔ اور اُخروی نور کے متعلق فرمایا:﴿ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَ اغْفِرْ لَنَا ۚ ﴾

(66/التحریم:8)''اُن کا نور دوڑ رہا ہوگا اُن کے سامنے اور اُن کے داہنے اور وہ کہہ رہے ہوں گے اے ہمارے پروردگار تو پورا کردے ہمارے لیے ہمارے نور کو اور تو بخش دے ہمیں۔''

نَارٌ اسم ذات ہے۔آگ۔جہنم۔﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ﴾(2/البقرہ:39)''اور جن لوگوں نے انکار کیا اور جھٹلایا ہماری نشانیوں کو، وہ لوگ آگ والے ہیں۔''﴿ءَاَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ۝﴾ (56/الواقعہ:71)''اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ جس آگ کو تم سلگاتے ہو۔''

(افعال) اِنَارَۃً روشن ہونا، چمکنا(لازم)۔روشن کرنا۔روشنی دینا۔کسی چیز کو واضح کرنا۔(متعدی)۔درخت پر پھول آنا۔خوبصورت ہونا۔

مُنِيْرٌ اسم الفاعل ہے۔خود بھی روشن اور دوسروں کو روشن کرنے والا۔﴿وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝﴾ (33/الاحزاب:46)''اور اللہ کی طرف بلانے والا ہوتے ہوئے اس کی اجازت سے اور روشن کرنے والا چراغ ہوتے ہوئے۔''

ض و ء

(ن) ضِيَاءً ، ضَوْءً روشن ہونا۔

ضَوْءٌ ج:ضِيَاءٌ۔اسم ذات بھی ہے۔روشنی۔﴿مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ﴾(28/القصص:71) ''کون معبود ہے اللہ کے سوا جو لاتا ہے تم لوگوں کے لئے روشنیاں۔''

(افعال) اِضَائَۃً روشن ہونا۔روشن کرنا۔(لازم ومتعدی) ﴿يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ﴾(24/النور:35)''قریب ہے کہ اس کا تیل روشن ہوجائے۔''

ضِيَاءٌ اور نُوْرٌ کا فرق آگے نوٹ 2 میں دیکھیں۔

لَمَّا (1)حرفِ جازم ہے لَمْ کی طرح فعل مضارع پر داخل ہوتا ہے اور اس کو جزم دیتا ہے اور مضارع کو ماضی منفی کے معنی میں کر دیتا ہے جیسے ﴿وَ لَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ﴾(الحجرات:14)''ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔''

(2)حرف شرط ہے۔ماضی کے دو جملوں پر آتا ہے۔پہلا جملہ شرط اور دوسرا جزاء ہوتا ہے۔لَمَّا کی جزاء کا فعل ماضی ہونا بالاتفاق صحیح ہے بلکہ جمہور کے نزدیک شرط ہے جیسے ﴿فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ﴾(بنی اسرائیل:67)''جب اُس نے بچا کر تم کو خشکی تک پہنچا دیا تو تم نے روگردانی کی۔'' کبھی لَمَّا کی جزاء کے مقام پر ایسا جملہ اسمیہ واقع ہوتا ہے جس کا آغاز اِذَا فُجَائِیَّہ سے ہوتا ہے جیسے فرمایا:﴿فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ۝﴾(العنکبوت:65)''جب اُس نے ان کو بچا کر خشکی تک پہنچا دیا تو ایک دم وہ شرک کرنے لگے۔'' یا اس کے شروع میں فاء ہوتی ہے جیسے ﴿فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ﴾ (لقمان:32)''جب اس نے ان کو بچا کر خشکی تک پہنچا دیا تو ان میں سے کچھ لوگ سیدھی چال پر رہے۔'' اور کبھی لَمَّا کی جزاء پر فعل مضارع آتا ہے جیسے ﴿فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَ جَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ؕ﴾ (ھود:74)''جب ابراہیم کے دل سے خوف جاتا رہا اور خوشخبری پہنچ گئی تو ہمارے فرشتوں سے قوم لوط کے بارے میں جھگڑنے لگے۔

(3) کبھی لَمَّا استثنائیہ بھی آتا ہے،اِلَّا کا ہم معنی، جیسے فرمایا:﴿اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ؕ﴾(الطارق:4)''کوئی نفس نہیں مگر اس پر نگران (فرشتہ) مامور ہے۔''

(4) بعض لوگ قائل ہیں کہ لَمَّا مصدر ہے اصل میں لَمًّا تھا جس کی تنوین گرادی گئی۔اس کا معنی ہے جَمْعًا ''جمع کرنا۔''(واللہ اعلم)

ح و ل

(ن) حَوْلًا کسی چیز کا متغیر ہونا یعنی ایک حالت سے دوسری حالت میں بدلنا۔ دوسری چیزوں سے الگ ہونا۔ دو چیزوں کے درمیان حائل ہونا یا آڑ بن جانا۔ دو چیزوں کے درمیان حائل کرنا، جدائی ڈالنا۔ ﴿وَ حَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ﴾ (11/ھود:43) ''اور حائل ہوئی ان دونوں کے درمیان موج۔ ﴿وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ﴾ (8/الانفال:24) ''اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ آدمی کے اور اس کے قلب کے درمیان آڑ بن جایا کرتا ہے۔'' (ترجمہ احسن البیان)

حِيْلَ ماضی مجہول ہے۔ حائل کیا گیا۔ ﴿وَ حِيْلَ بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ﴾ (34/سبا:54) ''اور حائل کی گئی یعنی رکاوٹ ان کے اور جو وہ چاہتے تھے اس کے درمیان۔''

حَوْلٌ اسم ظرف ہے۔ (1) کسی کے اردگرد کی جگہ۔ ماحول۔ ﴿قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ۝۲۵﴾ (26/الشعراء:25) ''اس نے کہا ان سے جو اس کے اردگرد تھے کیا تم لوگ غور سے سنتے نہیں ہو؟'' (2) ایک سال۔ کیونکہ اس عرصہ میں زمین سورج کے اردگرد اپنی حرکت یعنی گردش مکمل کرتی ہے۔ ﴿وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾ (2/البقرہ:233) ''اور مائیں دودھ پلائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال۔''

(3) حَوْلٌ کا لفظ مالی، بدنی اور جسمانی تینوں قسم کی قوت پر بھی بولا جاتا ہے۔ چنانچہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کا مطلب ہے اللہ کے سوا کچھ حیلہ اور قوت نہیں۔ (مفردات)

حِوَلٌ مصدر ہے۔ پھرنا۔ پلٹنا۔ جگہ بدلنا۔ ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ۝۱۰۸﴾ (18/الکہف:108) ''ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور نہ وہ اُن سے کہیں اور نکلنا چاہیں گے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

حِيْلَةٌ اسم ذات ہے۔ مقصد تک پہنچنے کیلئے پوشیدہ حرکت۔ خفیہ تدبیر اچھی ہو یا بری۔ حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''حِيْلَةٌ عربی میں تدبیر کے لیے عام ہے۔ اردو کے ''بہانہ'' کے مرادف نہیں۔'' ﴿لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ۝۹۸﴾ (4/النساء:98) ''وہ لوگ استطاعت نہیں رکھتے کسی خفیہ تدبیر کی اور نہ کوئی راستہ پاتے ہیں۔''

(تفعیل) تَحْوِيْلًا کسی چیز کو متغیر کرنا یعنی ایک حالت سے دوسری حالت میں بدلنا۔ تبدیل کرنا۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا۔ ﴿فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَ لَا تَحْوِيْلًا ۝۵۶﴾ (17/بنی اسرائیل:56) ''اور وہ لوگ اختیار نہیں رکھتے تکلیف کو دور کرنے کا تم لوگوں سے اور نہ ہی تبدیل کرنے کا۔''

ذ ھ ب

(ف) ذَهَابًا جانا۔ ﴿ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ﴾ (11/ھود:10) ''گئیں بُرائیاں مجھ سے۔'' ذَهَبَ فعل لازم ہے جب اس کے ساتھ 'ب' تعدیہ آتا ہے تو مطلب ہوتا ہے لے جانا۔ ﴿وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ ؕ﴾ (2/البقرۃ:20) ''اور اگر چاہے اللہ تو لے جائے اُن کے سننے کی قوت اور اُن کی بینائی۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ عربی محاورے میں ذَهَابُ نَفْسٍ سے موت مراد لی جاتی ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ﴾ (35/فاطر:8) ''سو اُن پر افسوس کر کر کے کہیں آپ ﷺ کی جان نہ جاتی رہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

اِذْهَبْ فعل امر ہے۔ تو جا۔ ﴿اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ﴾ (20/طٰہٰ:24) ''آپؑ جائیے فرعون کی طرف۔''

ذَاهِبٌ اسم الفاعل ہے۔جانے والا۔﴿ اِنِّیۡ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیۡ ﴾(37/الصافات:99)''میں جانے والا ہوں اپنے رب کی طرف۔''

مَذْهَبٌ اسم الظرف ہے۔جانے کی جگہ یعنی راستہ۔اعتقاد پر عمل کرنے کا طریقہ۔قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

(س) ذَهَبًا کان میں سونا دیکھ کر حیران ہونا۔قرآن مجید میں فعل استعمال نہیں ہوا۔

ذَهَبٌ اسم ذات ہے۔سونا۔﴿ یُطَافُ عَلَیۡهِمۡ بِصِحَافٍ مِّنۡ ذَهَبٍ ﴾(43/الزخرف:71)''طواف کریں گے ان پر سونے کے پیالوں کے ساتھ۔''

(افعال) اِذْهَابًا لے جانا۔﴿ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡۤ اَذۡهَبَ عَنَّا الۡحَزَنَ ؕ ﴾(35/فاطر:34)''اللہ کا شکر ہے جو لے گیا ہم سے غم کو۔''

لفظ اَللّٰہُ کے لیے آیت بسم اللہ دیکھیں۔

ت ر ك

(ن) تَرْكًا کسی چیز کو چھوڑ دینا۔﴿ لِلرِّجَالِ نَصِیۡبٌ مِّمَّا تَرَكَ الۡوَالِدٰنِ ﴾(4/النساء:7)''مردوں کے لیے ایک حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑا والدین نے۔''

اُتْرُكْ فعل امر ہے۔تو چھوڑ۔﴿ وَاتۡرُكِ الۡبَحۡرَ رَهۡوًا ؕ ﴾(44/الدخان:24)''اور آپؐ چھوڑ دیں سمندر کو تھما ہوا۔''

تَارِكٌ ج:تَارِكُوْنَ۔اسم الفاعل ہے۔چھوڑنے والا۔﴿ اَئِنَّا لَتَارِكُوۡۤا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجۡنُوۡنٍ ؕ ﴾(37/الصّٰفّٰت:36)''کیا ہم لوگ اپنے خداؤں کو چھوڑنے والے ہیں ایک مجنون شاعر کے لیے۔''

يُتْرَكُ مضارع مجہول ہے۔اس کو چھوڑا جاتا ہے۔وہ چھوڑا جائے گا۔﴿ اَتُتۡرَكُوۡنَ فِیۡ مَا هٰهُنَاۤ اٰمِنِیۡنَ ۙ ﴾(26/الشعراء:146)''کیا چھوڑیں رکھیں گے تم کو یہاں کی چیزوں میں بے خوف۔''

ظ ل م

(ض) ظُلْمًا اس کا اصل مفہوم ہے کسی چیز کو اس کے صحیح مقام پر نہ رکھنا خواہ کمی یا زیادتی کر کے یا اس کے صحیح وقت یا اصلی جگہ سے ہٹا کر۔عربی میں اس کی تعریف یوں کی جاتی ہے۔وَضْعُ الشَّیْءِ فِیْ غَیْرِ مَحِلِّهٖ۔پھر ظلم کا لفظ حق سے تجاوز کرنے،زیادتی کرنے،کمی کرنے،گھٹانے اور نقصان اٹھانے کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔﴿ وَمَنۡ یَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰهِ فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَهٗ ؕ ﴾(65/الطلاق:1)''اور جو تجاوز کرتا ہے اللہ کی حدود سے تو اس نے ظلم کیا اپنے آپ پر۔''﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظۡلِمُ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ ۚ ﴾(4/النساء:40)''بیشک اللہ ظلم نہیں کرتا ذرہ بھر بھی۔''﴿ كِلۡتَا الۡجَنَّتَیۡنِ اٰتَتۡ اُكُلَهَا وَ لَمۡ تَظۡلِمۡ مِّنۡهُ شَیۡـًٔا ۙ ﴾(18/الکہف:33)''دونوں باغ اپنا پورا پھل دیتے تھے اور کسی کی پیداوار میں ذرا کمی نہ رہتی۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔اس آیت مبارکہ میں یہ لفظ کمی کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

(ظلم کی مزید تشریح آگے نوٹ 3 میں دیکھیں)۔

ظُلْمٌ اسم ذات بھی ہے۔زیادتی۔ظلم۔نقصان۔خسارہ۔﴿ اِنَّ الشِّرۡكَ لَظُلۡمٌ عَظِیۡمٌ ﴾(31/لقمان:13)''بیشک شرک ایک عظیم ظلم ہے۔''

ظَالِمٌ اسم فاعل ہے۔ظلم کرنے والا۔نا انصاف۔نقصان اٹھانے والا۔﴿ وَ مَنۡ یَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴾(2/البقرہ:229)''اور جو تجاوز کرتے ہیں اللہ کی حدود سے تو وہ لوگ ہی ظلم کرنے والے ہیں۔''مولانا

مودودیؒ فرماتے ہیں: ''ظالم کا لفظ نہایت معنی خیز ہے''ظلم'' دراصل حق تلفی کو کہتے ہیں۔ظالم وہ ہے جو کسی کا حق تلف کرے جو شخص خدا کی نافرمانی کرتا ہے، وہ درحقیقت تین بڑے بنیادی حقوق تلف کرتا ہے۔اولاً خدا کا حق، کیونکہ وہ اس کا مستحق ہے کہ اس کی فرمانبرداری کی جائے۔ثانیاً اُن تمام چیزوں کے حقوق جن کو اس نے اس نافرمانی کے ارتکاب میں استعمال کیا اس کے اعضائے جسمانی، اس کے قوائے نفس، اس کے ہم معاشرت انسان، وہ فرشتے جو اس کے ارادے کی تکمیل کا انتظام کرتے ہیں، اور وہ اشیاء جو اس کام میں استعمال ہوتی ہیں، ان سب کا اس پر یہ حق تھا کہ وہ صرف ان کے مالک ہی کی مرضی کے مطابق ان پر اپنے اختیارات استعمال کرے۔مگر جب اس کی مرضی کے خلاف اس نے ان پر اختیارات استعمال کیے، تو درحقیقت ان پر ظلم کیا۔ثالثاً خود اپنا حق، کیونکہ اس پر اس کی ذات کا یہ حق ہے کہ وہ اسے تباہی سے بچائے، مگر نافرمانی کر کے جب وہ اپنے آپ کو اللہ کی سزا کا مستحق بناتا ہے، تو دراصل اپنی ذات پر ظلم کرتا ہے، انہی وجوہ سے قرآن میں جگہ جگہ گناہ کے لیے ظلم اور گناہ گار کے لیے ظالم کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔'' (تفہیم القرآن ج۱،ص۶۶) ﴿وَ يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٩﴾﴾ (7/الاعراف:19) ''اور اے آدم! رہو تم اور تمہاری بیوی جنت میں اور کھاؤ جہاں سے چاہو اور مت نزدیک جانا اس (خاص) درخت کے ورنہ تم دونوں ہو جاؤ گے اپنا نقصان کرنے والوں سے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔اس آیت کے حاشیے میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: ''میرے نزدیک یہاں فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ کا ترجمہ اگر یوں کیا جاتا تو زیادہ موزوں ہوتا ''پھر ہو جاؤ گے نقصان اٹھانے والوں میں سے۔''، ظلم کے معنی نقصان اور کمی و کوتاہی کے آتے ہیں جیسا کہ ﴿وَ لَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا﴾ (الکہف:33) میں۔''

ظَلُوْمٌ

فَعُوْلٌ کے وزن پر اسم المبالغہ ہے۔بہت ظلم کرنے والا۔﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿٣٤﴾﴾ (14/ابراہیم:34) ''بیشک انسان بہت ظلم کرنے والا بڑا ناشکرا ہے۔'' صاحبؒ لغات القرآن فرماتے ہیں: ''واضح رہے کہ قرآن مجید میں ''ظلوم'' انسان کی صفت بیان ہوئی ہے اور انسان سے جنس انسان مراد ہے اور جب جنس کو مبالغہ کے صیغہ سے متصف کیا جائے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ صفت اس جنس کے تمام افراد میں یا بعض میں مبالغہ ہی کے ساتھ پائی بھی جائے ہاں اگر پائی جائے تو بہتر ضرور ہے چنانچہ یہ بات یہاں بھی موجود ہے کہ اکثر افرادِ انسانی ظلم شدید کے مرتکب ہیں۔تاہم یہ چیز ضروری اور لازمی نہیں ہے۔اور روح المعانی میں ہے کہ شاید ''ظلوم جہول'' (جیسے سورۂ الاحزاب آیت 72 میں فرمایا اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا) سے یہ مراد ہو کہ جس کی شان ظلم کرنا اور جہالت ہو۔اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ حجۃ اللہ البالغہ میں رقمطراز ہیں: ''بلاشبہ ظلوم (وہ) ہے جو عادل نہ ہو اور اس میں عدل کی صلاحیت موجود ہو۔اور جہول یہ ہے کہ جو عالم نہ ہو اور اس کی شان یہ ہو کہ وہ عالم بن سکے۔'' (لغات القرآن، ج۴،ص:۱۳۸)

ظَلَّامٌ

فَعَّالٌ کے وزن پر اسم المبالغہ ہے۔بہت زیادہ ظلم کرنے والا۔ ﴿وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿١٨٢﴾﴾ (3/آل عمران:182) ''اور یہ کہ اللہ ہرگز ظلم کرنے والا نہیں ہے بندوں پر۔'' صیغہ مبالغہ میں نفی کر کے معمولی ظلم کی بھی شدید نفی کی گئی ہے۔صاحبؒ لغات القرآن فرماتے ہیں: ''واضح رہے کہ آیت شریفہ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ''اور اللہ ظلم نہیں کرتا بندوں پر'' اور اسی طرح دیگر آیات میں کہ جہاں حق تعالیٰ شانہ کی ذات عالی سے نفی ظلم کے سلسلہ میں مبالغہ کا صیغہ استعمال ہوا ہے اور ظَلَّامٌ کا لفظ لایا گیا تو ظَلَّامٌ میں مبالغہ کمیت کے اعتبار سے ہے نہ کہ کیفیت کے لحاظ سے یعنی ذرا سا بھی ظلم نہیں کرتا یہ مطلب نہیں کہ زیادہ ظلم نہیں کرتا اور تھوڑا کرتا ہے۔'' (لغات القرآن، ج۴،ص:۱۳۱)

	اَظْلَمُ	اسم التفضیل ہے ۔زیادہ ظالم۔﴿ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا ﴾(18/الکہف:57)''اورکون زیادہ ظالم ہےاس سےجس کو یاددلائی گئیں اس کےرب کی آیات تواس نے منہ موڑا ان سے۔''
(س)	ظَلَمًا	تاریک ہونا۔اندھیرا ہونا۔
	ظُلْمَةٌ	ج:ظُلُمٰتٌ۔اسم ذات ہے۔تاریکی۔اندھیرا۔جہالت،شرک،فسق وفجور۔محاورہ عرب میں یہ لفظ مصیبتوں،حادثات اور آفات کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔﴿ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۗ ﴾(2/البقرہ:257)''اللہ ولی ہےان لوگوں کا جو ایمان لائے وہ نکالتا ہےان کو اندھیروں سےنور کی طرف۔''
(افعال)	اِظْلَامًا	اندھیرا چھاجانا۔اندھیرے میں ہونا۔﴿وَ اِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ؕ ﴾(2/البقرہ:20)''اور جب اندھیرا چھاجاتا ہے ان پر تو کھڑے رہتے ہیں۔''
	مُظْلِمٌ	ج:مُظْلِمُوْنَ۔اسم الفاعل ہے۔اندھیرے میں ہونے والا۔تاریکی میں پڑا ہوا۔﴿وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۖ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ۙ ﴾(36/یٰسین:37)''اور نشانی ہےان کے لئے رات،ہم کھینچ لیتے ہیں اس میں سے دن کو تو وہ اندھیرے میں ہونے والے ہیں۔''

يُبْصِرُوْنَ(ب ص ر): البقرہ آیت 7 دیکھیں۔

ترکیب

مَثَلُهُمْ مبتداء ہے۔اس کی خبر محذوف ہے۔ک حرف تشبیہ ہے اور مَثَلِ اسم مجرور ہے اور مضاف ہے۔الَّذِی اسم موصول ہے اور اِسْتَوْقَدَ نَارًا صلہ ہے۔صلہ اور موصول مل کر مضاف الیہ ہے مَثَل کا۔اور جار مجرور مل کر متعلق خبر ہے۔مَثَلُهُمْ میں 'هُمْ' ضمیر گزشتہ آیات میں بیان کردہ کافر، یہود اور منافقوں کے اُس گروہ کے لیے ہے جو بالآخر ہدایت چھوڑ کر گمراہی اختیار کرتے ہیں۔(واللہ اعلم) كَمَثَلِ الَّذِی میں الَّذِیْ کے بارے میں ہمارے بزرگوں کی دو رائے ہیں اور اس کا ترجمہ بھی دونوں طرح کیا گیا ہے۔ایک رائے یہ ہے کہ الَّذِیْ یہاں واحد استعمال ہوا ہے۔اس رائے کے مطابق جن بزرگوں نے ترجمہ کیا ہے وہ یہ ہیں:''ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی۔''(حضرت شیخ الہندؒ)۔''ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے آگ روشن کی۔''(تفہیم القرآن)وغیرہ۔اور زیادہ تر ترجمہ اسی طرح کیا گیا ہے۔دوسری رائے یہ ہے کہ الَّذِیْ یہاں بمعنی الَّذِيْنَ استعمال ہوا ہے کیونکہ اس کے بعد ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ میں 'هُمْ' جمع کی ضمیر لائی گئی ہے۔الَّذِیْ کا لفظ جمع کے معنوں میں قرآن مجید میں اور جگہ بھی استعمال ہوا ہے مثلاً: ﴿وَ خُضْتُمْ كَالَّذِیْ خَاضُوْا ؕ ﴾(التوبۃ:69)''اور تم لوگ بھی گھسے جیسے وہ لوگ گھسے تھے۔''اور﴿ وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴾(الزمر:33)''اور جو لوگ سچی بات لے کر آئے اور خود بھی اُس کو سچ جانا تو یہی لوگ تو پرہیزگار ہیں۔''دونوں جگہ الَّذِیْ جمع کے معنوں میں ہے۔گویا آیت زیر مطالعہ ان معنوں میں ہے۔مَثَلُ قِصَّتِهِمْ كَمَثَلِ قِصَّةِ الَّذِيْنَ اسْتَوْقَدُوْا نَارًا (ابن کثیرؒ)۔ہمارے بزرگوں نے اس ترکیب کے لحاظ سے بھی ترجمہ کیا ہے۔مثلاً''ان کی (عجیب) مثال تو ان کی سی (عجیب) مثال ہے جنہوں نے آگ جلائی.....''(ماجدیؒ)(واللہ اعلم)۔لَمَّا حرف شرط ہے اور اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ شرط ہے۔ذَهَبَ اللّٰهُ سے اخیر تک جواب شرط ہے۔اَضَآءَتْ میں ضمیر فاعلی هِیَ، نَارٌ یعنی آگ کے لئے ہے۔'مَا' اسم موصول ہے اور حَوْلَهٗ اس کا صلہ اور دونوں مل کر مفعول بہ ہیں اَضَآءَتْ کا۔حَوْلَهٗ میں ضمیر 'ہٗ' الَّذِیْ اسْتَوْقَدَ نَارًا کے لیے ہے یعنی وہ شخص جس نے آگ جلائی۔ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ میں ذَهَبَ فعل لازم ہے اور اللّٰهُ اس کا فاعل۔بِنُوْرِهِمْ میں 'ب' تعدیہ کا ہے جو فعل لازم کو متعدی کر دیتا ہے اس لیے ہم ترجمہ کریں گے کہ اللہ اُن کے نور کو لے گیا۔تَرَكَ میں ضمیر فاعلی هُوَ، اللہ کے لئے ہے اور هُمْ اس کا مفعول۔فِیْ ظُلُمٰتٍ متعلق فعل ہے۔لَا يُبْصِرُوْنَ پورا جملہ فعلیہ حال ہے جو مَثَلُهُمْ میں هُمْ کی حالت بیان کر رہا ہے۔

ترجمہ
البقرۃ:17

مَثَلُهُمْ	كَمَثَلِ الَّذِي	اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ	فَلَمَّا أَضَاءَتْ
ان لوگوں کی مثال	اس شخص کی مثال کی مانند ہے جس نے	جلایا آگ کو	پھر جب اس نے روشن کیا

مَا حَوْلَهُ	ذَهَبَ اللَّهُ	بِنُورِهِمْ	وَتَرَكَهُمْ
اس کو جو اس کے اردگرد تھا	تو اللہ لے گیا	ان کا نور	اور اس نے چھوڑ دیا ان کو

فِي ظُلُمَاتٍ	لَّا يُبْصِرُونَ ﴿١٧﴾
اندھیروں میں	اس حال میں کہ وہ لوگ نہیں دیکھتے

نوٹ:1 حضرت مولانا امین احسن اصلاحیؒ تشبیہ اور تمثیل کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''تمثیل اگرچہ تشبیہ ہی کی نوعیت کی ایک چیز ہے لیکن تشبیہ اور تمثیل میں بڑا فرق ہے۔ ایک عام تشبیہ میں اصلی نگاہ مشبہ اور مشبہ بہ پر ہوتی ہے ان دونوں کے اجزا کو الگ الگ ایک دوسرے کے مقابل میں رکھ کے دیکھا جاتا ہے کہ ان میں باہم دگر کتنی مشابہت و مطابقت پائی جاتی ہے اور پھر اسی مطابقت و مشابہت کے لحاظ سے اس تشبیہ کا حسن و قبیح متعین ہوتا ہے لیکن تمثیل میں اجزا کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہوتی بلکہ اس میں صورت واقعہ کو صورتِ واقعہ سے تشبیہ دی جاتی ہے اگر ایک صورت حال اور دوسری صورت حال میں پوری پوری مطابقت موجود ہے اور تمثیل صورت حال کی پوری تصویر نگاہوں کے سامنے پیش کر رہی ہے تو وہ تمثیل مکمل ہے، اگرچہ تشبیہ کے وہ تمام ضوابط اس پر منطبق نہ ہو رہے ہوں جو ایک تشبیہ کے مکمل ہونے کے لیے اہل فن نے ضروری قرار دیے ہیں۔ (تدبر قرآن، ج ۱، ص: ۱۲۹)

نوٹ۔2 **نور اور ضیاء میں فرق:** حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: ''بعض کے نزدیک ''نور'' عام ہے ''ضیاء'' سے۔ ''ضیاء'' خاص اُس نور کو کہتے ہیں جو زیادہ تیز اور چمکدار ہو بعض نے کہا کہ جس کی روشنی ذاتی ہو، وہ ضیاء اور جس کی دوسرے سے مستفاد (کسی دوسرے سے فائدہ حاصل کرنا) ہو، وہ ''نور'' ہے سورج کی روشنی عالم اسباب میں کسی دوسرے کرہ سے حاصل نہیں ہوئی۔ چاند کی روشنی البتہ سورج سے مستفاد ہے۔ اور بعض محققین نے دونوں میں یہ فرق بتلایا ہے کہ ''نور'' مطلق روشنی کو کہتے ہیں ''ضیاء'' اور ''ضوء'' اُس کے انتشار (پھیلاؤ) کا نام ہے سورج کی روشنی کا پھیلاؤ چونکہ زیادہ ہے اس لیے ''ضیاء'' سے تعبیر فرمایا۔'' (واللہ اعلم) (تفسیر عثمانیؒ، ص ۲۷۶)۔ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''ضیاء'' وہ روشنی ہے جو اپنی ذاتی، مستقل حیثیت رکھتی ہو۔ نور وہ روشنی ہے جو ضیاء سے مستعار (مانگا ہوا، ادھار لیا ہوا) ہو۔ اس کا انعکاس (عکس) ہو۔ قرآن مجید نے (چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی کے عرب کے ایک امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے قرآن نے) دو لفظ الگ الگ لا کر جدید سائنس کے اس بیان پر مہر تصدیق لگا دی کہ چاند بذات خود بے نور ہے، اس میں چمک دمک جو کچھ ہے وہ سورج کے عکس سے ہے۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص ۴۶۶)۔ پیر کرم شاہ صاحبؒ سورۂ یونس کی آیت 5 کے تحت فرماتے ہیں: ''یہاں ایک امر غور طلب ہے کہ سورج کی روشنی کے لیے ضیاء کا لفظ اور چاند کی روشنی کے لیے نور کا لفظ استعمال فرمایا اس کی حکمت یہ ہے کہ ضیاء اس روشنی کو کہتے ہیں جو ذاتی ہو اور نور اس کو کہتے ہیں جو ذاتی نہ ہو بلکہ کسی دوسری چیز سے حاصل ہو۔ کیونکہ سورج کی روشنی ذاتی ہے اس لیے اس کے لیے ضیاء کا لفظ استعمال کیا اور قمر کی روشنی سورج سے مستفاد ہے اس لیے اس کے لیے نور کا لفظ مستعمل ہوا۔'' (واللہ اعلم)۔ (ضیاء القرآن، ج ۲، ص: ۳۸۰)۔ ''ضیاء میں روشنی کے ساتھ تپش کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے اور نور ٹھنڈی روشنی کو کہتے ہیں۔'' (تدبر قرآن)۔

نوٹ:3 **ظلم:** جیسے کہ پہلے عرض کیا گیا کہ کسی چیز کو اس کے صحیح مقام پر نہ رکھنے یا اس کی مخصوص جگہ سے ناجائز طریقے سے ہٹا دینے کا نام ظلم ہے۔ اسی سے عربی کا محاورہ ہے، ظَلَمْتُ السِّقَاءَ یعنی میں نے مشکیزے کے دودھ کا بے وقت استعمال کیا۔ ''سقاء'' اس مشکیزہ کو کہتے ہیں جس میں پانی اور دودھ وغیرہ رکھا جائے۔ جب مشکیزے میں دودھ کو دہی جمانے کی غرض سے رکھا جائے اور دہی بننے سے پہلے ہی اس کو پی لیا جائے تو ایسے موقع پر یہ محاورہ بولتے ہیں۔ استعمال شدہ دودھ ظَلِيمٌ کہلاتا ہے۔ اسی طرح عربی میں ظَلَمْتُ الْاَرْضَ کے معنی ہیں میں نے زمین کو ایسی جگہ سے کھودا جہاں سے کھودنا نہیں چاہیے تھا۔ وہ جگہ مَظْلُومَةٌ کہلاتی ہے اور جو مٹی اس زمین سے نکلتی ہے وہ بھی ظَلِيمٌ کہلاتی ہے۔ ظلم کی ضد عدل ہے جو چیز بھی عدل و انصاف کے منافی ہوگی یا حق سے تجاوز ہوگی

وہ ظلم ہوگا۔ گویا ظلم کے لفظ کا دائرہ استعمال بہت وسیع ہے۔ چنانچہ کسی بھی چیز میں کمی وبیشی ہو اور اس کمی یا بیشی کی مقدار کم ہو یا زیادہ کسی بھی قسم کا حق سے تجاوز ہو خواہ تجاوز قلیل ہو یا کثیر، اس پر ظلم کا اطلاق ہوتا ہے۔ پھر یہ لفظ مادی اور معنوی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ مادی لحاظ سے اس کی مثال الکہف کی آیت 33 ہے۔ علمائے کرام نے ظلم کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ (1) وہ ظلم جو انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ کرتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی قسم شرک ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴾ (لقمان:13) ''شرک بہت بڑا ظلم ہے۔'' شرک کو اس لیے ظلم کہتے ہیں کیونکہ اس میں مشرک خالقِ حقیقی کو معبود بنانے کی بجائے مخلوق کو معبود ٹھہراتا ہے۔ گویا کسی شے کو اپنی اصل جگہ پر رکھنے کی بجائے غلط جگہ پر رکھنے کی یہ بدترین مثال ہے۔ اسی طرح کفر ونفاق اور اللہ پر جھوٹ باندھنا بھی وہ ظلم ہے جو انسان اللہ تعالیٰ سے کرتا ہے۔ (2) وہ ظلم جو انسان ایک دوسرے پہ کرتا ہے۔ مثلاً: ﴿ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ﴾ (الشوریٰ:42) ''ملامت کے مستحق تو وہ ہیں جو دوسروں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق زیادتیاں کرتے ہیں۔'' ﴿ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا ﴾ (بنی اسرائیل:33) ''اور جو شخص مظلومانہ قتل کیا گیا ہو اس کے ولی کو ہم نے قصاص کے مطالبے کا حق عطا کیا ہے۔'' (3) وہ ظلم جو انسان خود اپنے آپ پر کرتا ہے۔ ﴿ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ﴾ (فاطر:32) ''اب کوئی تو ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے۔'' ﴿ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ ﴾ (القصص:16) ''پھر وہ کہنے لگا: اے میرے رب، میں نے اپنے نفس پر ظلم کر ڈالا، مجھے معاف کر دے۔'' علمائے کرام نے وضاحت کی ہے کہ یہ تینوں قسم کے ظلم اصل میں وہ ظلم ہیں جو انسان اپنے آپ پر ہی کرتا ہے اسی لیے قرآن حکیم میں کئی جگہ فرمایا: ﴿ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴾ (النحل:33) ''اُن پر اللہ نے ذرا بھی ظلم نہیں کیا تھا بلکہ وہ اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔'' ﴿ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴾ (البقرۃ:57) ''اور انہوں نے ہم پر زیادتی نہیں کی بلکہ اپنی ہی جانوں پر زیادتی کرتے تھے۔'' آخرت میں سزا کے لحاظ سے بھی ظلم کی تین قسمیں ہیں۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''ظلم کی ایک قسم وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ ہرگز نہ بخشیں گے، دوسری قسم وہ ہے جس کی مغفرت ہو سکے گی، اور تیسری قسم وہ ہے کہ جس کا بدلہ اللہ تعالیٰ لیے بغیر نہ چھوڑیں گے۔ پہلی قسم کا ظلم شرک ہے، دوسری قسم کا ظلم حقوق اللہ میں کوتاہی ہے، اور تیسری قسم کا ظلم حقوق العباد کی خلاف ورزی ہے۔'' (ابن کثیر بحوالہ مسند بزار، بحوالہ معارف القرآن، ج ۲ ص:۵۵۰)۔

آیت:18

﴿ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴾

ص	م	م

(س) صَمَمًا اونچا سننا یا بالکل نہ سننا۔ بہرا ہونا۔ ﴿ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ﴾ (5/المآئدہ:71) ''اور ان لوگوں نے گمان کیا کہ کوئی آزمائش نہ ہوگی تو وہ لوگ اندھے اور بہرے ہوئے۔''

اَصَمُّ ج: صُمٌّ ۔ اَفْعَلُ الوان وعیوب ہے بطور صفت استعمال ہوتا ہے۔ بہرا۔ ﴿ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ ﴾ (11/ھود:24) ''دونوں فریقوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اندھا اور بہرہ۔'' ۔ ﴿ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴾ (8/الانفال:22) ''بیشک جانداروں میں بدترین، اللہ کے نزدیک، بہرے گونگے ہیں جو عقل استعمال نہیں کرتے۔''

(افعال) اِصْمَامًا کسی کو بہرا کرنا۔ ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ﴾ (47/محمد:23) ''وہ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی پس اس نے انہیں بہرا کیا اور ان کی بصارت کو اندھا کیا۔''

ب	ك	م

(س) بَكَمًا گونگا ہونا۔

اَبۡکَمُ ج: بُکۡمٌ۔ اَفۡعَلُ الوان وعیوب ہے بطور صفت استعمال ہوتا ہے۔ گونگا۔ اوپر آیت نمبر (8/الانفال:22)

ع م ی

(س) عَمِیَ عَمِیَ کا لفظ ظاہری آنکھوں اور بصیرت، دونوں قسم کے اندھے پن کے لیے بولا جاتا ہے۔ مثلاً ظاہری آنکھوں کے اندھے پن کے لیے فرمایا: ﴿ اَنۡ جَآءَهُ الۡاَعۡمٰى ؕ﴾ (عبس:2) ''اس بات پر کہ اُنؐ کے پاس نابینا آیا۔'' یا فرمایا: ﴿ قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِى الۡاَعۡمٰى وَ الۡبَصِيۡرُ ۙ﴾ (الرعد:16) ''آپؐ کہیے کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہوسکتا ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) اور بصیرت کے اندھے پن کے لیے فرمایا: ﴿ وَ حَسِبُوۡۤا اَلَّا تَكُوۡنَ فِتۡنَةٌ فَعَمُوۡا وَ صَمُّوۡا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ ثُمَّ عَمُوۡا وَصَمُّوۡا كَثِيۡرٌ مِّنۡهُمۡ ؕ﴾ (المائدۃ:71) ''اور گمان یہی کرتے رہے کہ وبال کچھ نہ پڑے گا سو اندھے اور بہرے ہوگئے پھر اللہ نے اُن پر رحمت سے توجہ فرمائی پھر بھی اُن میں کے بہت سے اندھے اور بہرے ہی رہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) حاشیے میں حضرتؒ فرماتے ہیں: ''عَمُوۡا عَنِ الۡهُدٰى وَ صَمُّوۡا عَنۡ سَمَاعِ الۡحَقِّ'' یعنی ہدایت سے اندھے ہوگئے اور حق سننے سے بہرے ہوگئے۔'' یا فرمایا: ﴿ وَمَآ اَنۡتَ بِهٰدِى الۡعُمۡىِ عَنۡ ضَلٰلَتِهِمۡ ؕ﴾ (النمل:81) ''اور آپؐ اندھوں کو اُن کی گمراہی سے راستہ دکھانے والے نہیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ بلکہ الحج کی آیت 46 میں بصارت اور دل، دونوں کے لیے تَعۡمَى کا لفظ استعمال ہوا ہے ﴿ فَاِنَّهَا لَا تَعۡمَى الۡاَبۡصَارُ وَلٰكِنۡ تَعۡمَى الۡقُلُوۡبُ الَّتِىۡ فِى الصُّدُوۡرِ ۝۴۶﴾ (الحج:46) ''اصل یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوجایا کرتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہوجایا کرتے ہیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ قرآن مجید میں جہاں کہیں اَلۡعَمٰى کی مذمت آئی ہے وہاں بصیرت کا اندھا پن مراد لیا گیا ہے اور بصیرت کے اندھے پن سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص حق کو نہ پہچانے اور شک اور شبہ میں مبتلا ہوجائے۔ (واللہ اعلم)۔ عَمِیَ عَلَیۡہِ کے معنی ہیں کہ اس پر فلاں معاملہ اس طرح غیر واضح اور مشتبہ ہوگیا ہے کہ گویا وہ اس سے اندھا ہے اور اسے کچھ سجھائی نہیں دیتا یعنی اسے کچھ سمجھ نہیں آتی۔ ﴿ فَعَمِيَتۡ عَلَيۡهِمُ الۡاَنۡۢبَآءُ يَوۡمَئِذٍ ﴾ (28/القصص:66) ''تو اس روز ان پر تمام خبریں اندھی ہوجائیں گی۔''

عَمًى مصدر کے علاوہ اسم ذات کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ مراد ہے اندھا پن۔ نابینائی۔ ﴿ وَالَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ فِىۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَقۡرٌ وَّهُوَ عَلَيۡهِمۡ عَمًى ؕ﴾ (41/حم السجدہ:44) ''اور جو یقین نہیں لاتے اُن کے کانوں میں بوجھ ہے اور یہ قرآن اُن کے حق میں اندھا پا ہے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''اور جو ایمان نہیں لاتے اُن کے کانوں میں تو بہرہ پن اور بوجھ ہے اور یہ اُن پر اندھا پن ہے۔'' (ترجمہ احسن البیان)

اَعۡمٰى ج: عُمۡیٌ اور عُمۡیَانٌ۔ اَفۡعَلُ الوان وعیوب ہے۔ بطور صفت استعمال ہوتا ہے۔ اندھا۔ ﴿ مَثَلُ الۡفَرِيۡقَيۡنِ كَالۡاَعۡمٰى وَالۡاَصَمِّ وَالۡبَصِيۡرِ وَالسَّمِيۡعِ ؕ﴾ (11/ھود:24) ''دونوں فریقوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اندھا اور بہرہ اور ایک دیکھنے والا اور سننے والا ہو'' عُمۡیٌ آیت زیر مطالعہ میں آیا ہے۔ ﴿ وَالَّذِيۡنَ اِذَا ذُكِّرُوۡا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمۡ لَمۡ يَخِرُّوۡا عَلَيۡهَا صُمًّا وَّ عُمۡيَانًا ۝۷۳﴾ (25/الفرقان:73) ''اور وہ لوگ کہ جب اُن کو سمجھایئے اُن کے رب کی باتیں، نہ پڑیں اُن پر بہرے اندھے ہوکر۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

عَمٍ یا عَمِی ج: عَمُوۡنَ اور عَمِیۡنَ۔ اصل میں عَمِیٌ تھا۔ قاعدے کے اطلاق کے بعد عَمٍ ہوگیا (حالت رفع)۔ فَعِلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ اندھا۔ ﴿ بَلۡ هُمۡ مِّنۡهَا عَمُوۡنَ ۝۶۶﴾ (27/النمل:66) ''بلکہ یہ اس کی طرف سے اندھے بنے ہوئے ہیں۔'' ﴿ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَوۡمًا عَمِيۡنَ ۝۶۴﴾ (7/الاعراف:64) ''بے شک وہ لوگ اندھے ہو رہے تھے۔'' (دونوں ترجمے تفسیر ماجدیؒ سے لکھے گئے ہیں)۔

(افعال) اِعْمَاءً اندھا کر دینا۔ ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَ اَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ﴾ (47/محمد:23) ''یہی لوگ تو ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے سو اُنہیں بہرہ کر دیا اور اُن کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔'' باب افعال کے پہلے صیغے میں مادہ ع م ی کی اصلی شکل اَعْمَیَ ہوتی ہے جو قاعدہ کے تحت تبدیل ہو کر اَعْمٰی ہوجاتی ہے۔ اَفْعَلُ کے وزن پر اس کی اصلی شکل اَعْمَیُ ہوتی ہے اور یہ بھی تبدیل ہو کر اَعْمٰی ہوجاتی ہے۔ ان میں تمیز عبارت کے سیاق وسباق سے ہوتی ہے۔

(تفعیل) تَعْمِيَةً اندھا کر دینا۔ چھپا دینا۔ کسی چیز کی حقیقت کو پوشیدہ کر دینا۔ ﴿ وَ اٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ﴾ (11/ھود:28) ''اور اس نے یعنی اللہ نے دی مجھ کو رحمت اپنے پاس سے تو وہ پوشیدہ کر دی گئی تم لوگوں پر۔'' (نوٹ: اندھے پن کے لیے قرآن مجید میں جو مختلف الفاظ آئے ہیں، اس کے لیے آیت 15 کے تحت نوٹ 3 بھی دیکھ لیں)۔

ر ج ع

اس مادہ سے مندرجہ ذیل مصادر استعمال ہوئے ہیں۔

(ض) (ا) رُجُوْعًا (لازم) لوٹنا، پلٹنا، واپس ہونا۔ ﴿ وَ لَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ ﴾ (7/الاعراف:150) ''اور جب واپس ہوئے موسیٰؑ اپنی قوم کی طرف۔''

(ب) رَجْعًا (متعدی) کسی کو لوٹانا، پلٹانا، واپس کرنا۔ ﴿ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ ﴾ (20/طٰہٰ:40) ''اور ہم نے واپس کیا آپؑ کو آپؑ کی والدہ کی طرف۔''

(ج) مَرْجِعًا (1) مصدر میمی ہے۔ لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ واپس ہونا۔ واپس کرنا۔ لوٹنا۔ لوٹانا۔ ﴿ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ﴾ (11/ھود:4) ''اللہ کی طرف ہے تم کو لوٹ کر جانا۔'' (2) یہ ظرف مکان بھی ہے مَفْعِلٌ کے وزن پر۔ مطلب ہے لوٹنے کی جگہ۔

(د) رُجْعٰی (لازم) یہ بھی مصدر ہے۔ پھرنا۔ لوٹنا۔ فُعْلٰی کے وزن پر بھی اکثر مصادر آتے ہیں۔ یہی وزن (فُعْلٰی) افعل التفضیل میں واحد مؤنث کا بھی ہے۔ ﴿ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ﴾ (96/العلق:8) ''بے شک تیرے رب کی طرف پھر جانا ہے۔''

رَجْعٌ اسم ذات ہے۔ (۱) واپسی۔ ﴿ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ﴾ (50/قٓ:3) ''وہ دور کی واپسی ہے۔ یعنی محال ہے۔'' (۲) بارش (کیونکہ سمندر کا پانی اس کی طرف واپس آتا ہے)۔ ''رَجْعٌ کے لغوی معنی ہیں، لوٹنا۔ پلٹنا۔ بارش بھی بار بار اور پلٹ پلٹ کر ہوتی ہے، اس لیے بارش کو رَجْعٌ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ بادل، سمندروں سے ہی پانی لیتے ہیں اور پھر وہی پانی زمین پر لوٹا دیتے ہیں، اس لیے بارش کو رَجْعٌ کہا۔ بعض کہتے ہیں بطور تفاؤل عرب بارش کو رَجْعٌ کہتے تھے تاکہ وہ بار بار ہوتی رہے۔'' (فتح القدیر بحوالہ تفسیر احسن البیان، ص ۱۷۰۸)۔ ﴿ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴾ (86/الطارق:11) ''قسم ہے بارش والے آسمان کی۔'' حضرت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''آسمان کے لیے ذات الرجع کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ رَجْع کے لغوی معنی تو پلٹنے کے ہیں، مگر مجازاً عربی زبان میں یہ لفظ بارش کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، کیونکہ وہ بس ایک ہی دفعہ برس کر نہیں رہ جاتی بلکہ بار بار اپنے موسم میں اور کبھی خلافِ موسم پلٹ پلٹ کر آتی ہے اور وقتاً فوقتاً برستی رہتی ہے۔ ایک اور وجہ بارش کو رَجْع کہنے کی یہ بھی ہے کہ زمین کے سمندروں سے پانی بھاپ بن کر اٹھتا ہے اور پھر پلٹ کر زمین ہی پر برستا ہے۔'' (تفہیم القرآن، ج ۶، ص: ۳۰۵)

اِرْجِعْ ج: اِرْجِعُوْا۔ فعل امر ہے۔ تم واپس ہو۔ پلٹو۔ ﴿ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا ﴾ (24/النور:28) ''اور اگر کہا جائے تم لوگوں سے کہ واپس جاؤ تو واپس ہو جاؤ۔''

رَاجِعٌ ج: رَاجِعُوْنَ۔اسم الفاعل ہے۔ واپس ہونے والا۔ پلٹنے والا۔﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ﴾(2/البقرہ:156) ''ہم اللہ کے لئے ہیں اور ہم اس کی طرف ہی پلٹنے والے ہیں۔''

(تفاعل) تَرَاجُعًا باہم مل جانا۔ باہم رجوع کرنا۔ اپنی اپنی جگہ واپس ہونا۔﴿ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَاۤ اَنْ یَّتَرَاجَعَاۤ ﴾(2/البقرہ:230) ''تو کوئی گناہ نہیں ان دونوں پر کہ وہ باہم مل جائیں۔''

ترکیب صُمٌّ، بُكْمٌ اور عُمْیٌ یہ تینوں خبر ہیں اور ان کا مبتداء هُمْ محذوف ہے۔ لَا یَرْجِعُوْنَ جملہ فعلیہ اپنے مبتداء فَهُمْ کی خبر ہے۔

ترجمہ	صُمٌّۢ	بُكْمٌ	عُمْیٌ	فَهُمْ	لَا یَرْجِعُوْنَ
البقرۃ:18	(وہ) بہرے ہیں	گونگے ہیں	اندھے ہیں	پس وہ لوگ	نہیں پلٹیں گے

آیت:19

﴿ اَوْ كَصَیِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِیْهِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ ۚ یَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ؕ وَ اللّٰهُ مُحِیْطٌۢ بِالْكٰفِرِیْنَ ۝۱۹ ﴾

ص و ب

(ن) صَوْبًا اوپر سے اترنا۔ بارش برسنا (ٹھیک مقدار میں)

صَیِّبٌ صَیِّبٌ دراصل صَوْبٌ (بارش) سے فَعِیْلٌ کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے۔ زور کی بارش۔ Rain Storm۔ اصل میں صَوِیْبٌ تھا۔ 'وْ'، 'یْ' میں تبدیل ہوگئی اور پھر ادغام ہوکر صَیِّبٌ بن گیا۔ آیت زیر مطالعہ۔

(ض) صَیْبًا ٹھیک جگہ اترنا۔ نشانہ پر لگنا۔

صَوَابٌ اسم ذات ہے۔ ٹھیک بات۔﴿ لَّا یَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا ﴾(78/النبا:38) ''وہ لوگ بات نہیں کریں گے سوائے اس کے جسے اللہ اجازت دے اور وہ ٹھیک بات کہے گا۔''

(افعال) اِصَابَةً پالینا۔ پکڑ لینا۔ ارادہ کرنا۔ ٹھیک نشانے پر لگنا۔ ٹھیک جگہ پر پہنچنا۔ (اس کا استعمال خیر اور شر، دونوں طرح کے اوپر سے ٹپک پڑنے والے حادثات و واقعات کے لئے ہوتا ہے)۔﴿ مَاۤ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ٞ وَ مَاۤ اَصَابَكَ مِنْ سَیِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ ﴾(4/النساء:79) ''جو پہنچی تم کو کوئی بھلائی تو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو پہنچی تم کو کوئی برائی تو وہ تمہاری اپنی طرف سے ہے۔'' اَصَابَ کے ساتھ جب 'بِ' تعدیہ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے کہ ٹھیک نشانے پر پہنچانا۔ ڈالنا۔﴿ قَالَ عَذَابِیْۤ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ ﴾(7/الاعراف:156) ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنا عذاب میں اُسی پر واقع کرتا ہوں جس کے لیے میں چاہتا ہوں۔''

یُصِبْ مضارع مجزوم ہے۔﴿ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ ﴾(9/التوبۃ:50) ''اگر پہنچتی ہے تم کو کوئی بھلائی تو ان لوگوں کو برا لگتا ہے۔''

مُصِیْبَةٌ ج: مَصَائِبُ۔ اسم الفاعل ہے۔ اصل میں تو اس تیر کو کہتے ہیں جو ٹھیک نشانے پر جا کر بیٹھے۔ عربی میں ایسے تیر کو سَهْمٌ مُصِیْبٌ کہتے ہیں۔ اس کے بعد عرف عام میں ہر حادثہ اور واقعہ کے ساتھ یہ لفظ مخصوص ہو گیا۔ ٹھیک نشانے پر لگنے

والی۔ ناگہانی آفت۔غم۔تکلیف۔﴿ مَآ اَصَابَ مِنۡ مُّصِیۡبَۃٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰہِ ؕ ﴾(64/التغابن:11)''نہیں پہنچتی کوئی آفت مگر اللہ کی اجازت سے۔'' فقہ کی اصطلاح میں غور وفکر اور اجتہاد کے نتیجے میں صحیح رائے تک پہنچنے والے کو مُصِیب اور غلط رائے پر پہنچنے والے کو مُخْطِئ کہہ دیتے ہیں۔

اَلسَّمَآءِ (س م و): آیت بسم اللہ دیکھیں۔ ظُلُمٰتٌ (ظ ل م) :البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔

ر ع د

(ف۔ن) رَعْدًا بادل کا گرجنا۔کڑکنا۔

رَعْدٌ اسم ذات ہے۔بادل کی گرج۔کڑک۔Thunder۔اس کا تعلق سننے سے ہے۔'رعد' اس فرشتے کا نام بھی ہے جو بارش برسانے پر مامور ہے۔

ب ر ق

(ن) بَرْقًا چمکنا۔کسی چیز کا جگمگانا۔

(س) بَرَقًا چندھیا جانا۔حیران ہونا۔﴿ فَاِذَا بَرِقَ الۡبَصَرُ ۙ ﴾(75/القیامۃ:7)''تو جب چندھیا جائے گی آنکھ۔'' بَرْقٌ کے معنی بجلی کے ہیں اور اسی اعتبار سے اس کے معنی 'چمکنے' کے آنے لگے۔لیکن جب آنکھ کے ساتھ اس کا استعمال ہو (باب سمع میں) تو اِس کے معنی خوف اور دہشت سے پتلیوں کے پھرنے، نظر کے چندھیا جانے اور خیرہ ہونے کے آتے ہیں۔ مولانا مودودیؒ سورۃ القیامۃ کی آیت 7 کے تحت فرماتے ہیں: ''اصل میں بَرِقَ الْبَصَرُ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جن کے لغوی معنی بجلی کی چمک سے آنکھوں کے چندھیا جانے کے ہیں۔لیکن عربی محاورے میں یہ الفاظ اِسی معنی کے لیے مخصوص نہیں ہیں بلکہ خوف زدگی، حیرت، یا کسی اچانک حادثہ سے دوچار ہو جانے کی صورت میں اگر آدمی ہک دَک رہ جائے اور اس کی نگاہ اُس پریشان کن منظر کی طرف جم کر رہ جائے جو اس کو نظر آ رہا ہو تو اس کے لیے بھی یہ الفاظ بولے جاتے ہیں۔'' (تفہیم القران، ج۶،ص۱۶۵)

بَرْقٌ اسم ذات ہے۔بجلی کی چمک۔Lightening۔اس کا تعلق دیکھنے سے ہے۔

اِبْرِیْقٌ ج: اَبَارِیْقُ۔ اسم ذات ہے۔ جگ۔ایسا برتن جس کا دستہ اور ٹوٹی ہو۔آفتابہ (ماجدیؒ، ضیاء القرآن) ﴿ یَطُوۡفُ عَلَیۡہِمۡ وِلۡدَانٌ مُّخَلَّدُوۡنَ ۙ بِاَکۡوَابٍ وَّ اَبَارِیۡقَ ۙ ﴾(56/الواقعۃ:17-18)''طواف کریں گے ان پر ہمیشہ رہنے والے لڑکے آبخوروں اور آفتابوں کے ساتھ۔''

اِسْتَبْرَقٌ ریشم کا بنا ہوا موٹا کپڑا۔گاڑھا ریشم۔Thick Silk۔اس کا ہمزہ، ہمزۃ القطع ہے۔﴿ وَّ یَلۡبَسُوۡنَ ثِیَابًا خُضۡرًا مِّنۡ سُنۡدُسٍ وَّ اِسۡتَبۡرَقٍ ﴾(18/الکہف:31)''اور وہ لباس پہنیں گے سبز کپڑے کے جو باریک ریشم کے اور گاڑھے ریشم کے ہوں گے۔''

ج ع ل

(ف) جَعْلًا یہ لفظ ہر کام کرنے کے لیے بولا جاسکتا ہے اور 'فَعَلَ' اور 'صَنَعَ' وغیرہ افعال کی نسبت عام ہے۔ یہ پانچ طرح استعمال ہوتا ہے۔

(1) بمعنی صَارَ وَ طَفِقَ اس صورت میں متعدی نہیں ہوتا۔ (بلکہ فعل لازم ہوتا ہے) جیسے جَعَلَ زَیْدٌ یَقُوْلُ کَذَا یعنی زید یوں کہنے لگا۔

(2) بمعنی اَوْجَدَ (یعنی ایجاد اور پیدا کرنا) اس صورت میں یہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے فرمایا: ﴿ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ ﴾ (6/الانعام:1) ''اور اس نے اندھیرے اور روشنی بنائی۔'' ﴿ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ﴾ (67/الملک:23) ''اور اس نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے۔''

(3) ایک شے کو دوسری شے سے پیدا کرنا اور بنانا جیسے فرمایا: ﴿ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا ﴾ (16/النحل:72) ''اسی نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس کے جوڑے بنائے۔'' ﴿ وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا ﴾ (16/النحل:81) ''اور اُس نے پہاڑوں میں تمہارے لیے غاریں بنائیں۔''

(4) بمعنی تصییر یعنی کسی شے کو ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل کر دینا اس صورت میں عام طور پر دو مفعول ہوتے ہیں جیسے فرمایا: ﴿ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا ﴾ (2/البقرۃ:22) ''وہ جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا۔'' ﴿ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا ﴾ (43/الزخرف:3) ''بے شک ہم نے اس کو عربی قرآن بنایا ہے۔''

(5) کسی چیز پر کسی چیز کا سچا یا جھوٹا حکم لگا دینا۔ حق کی مثال جیسے: ﴿ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴾ (28/القصص:7) ''ہم ان کو تمہارے پاس واپس پہنچا دیں گے اور (پھر) اسے پیغمبر بنا دیں گے۔'' اور باطل کی مثال جیسے: ﴿ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِیْبًا ﴾ (6/الانعام:136) ''اور (یہ لوگ) خدا ہی کی پیدا کی ہوئی چیزوں یعنی کھیتی اور چوپایوں میں سے خدا کا بھی ایک حصہ مقرر کرتے ہیں۔'' ﴿ وَ یَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ ﴾ (16/النحل:57) ''اور یہ لوگ خدا کے لیے تو بیٹیاں تجویز کرتے ہیں۔'' (تلخیص از مفردات القرآن، ج ا، ص ۱۸۳)

اِجْعَلْ — ج: اِجْعَلُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو بنا تو مقرر کر۔ ﴿ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْٓ اٰیَةً ﴾ (19/مریم:10) ''انہوں نے کہا اے میرے رب تو مقرر کر دے میرے لیے ایک نشانی۔''

لَا تَجْعَلْ — فعل نہی ہے۔ تو مت بنا۔ ﴿ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ﴾ (17/بنی اسرائیل:22) ''تو مت بنا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود۔''

جَاعِلٌ — اسم الفاعل ہے۔ بنانے والا۔ مقرر کرنے والا۔ کرنے والا۔ ﴿ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ﴾ (2/البقرہ:30) ''بیشک میں مقرر کرنے والا ہوں زمین میں ایک خلیفہ۔''

ص ب ع

(ف) صَبْعًا — انگلی سے اشارہ کر کے بتانا۔

اِصْبَعٌ — ج: اَصَابِعُ۔ اسم ذات ہے۔ انگلی۔ (اِصْبَعٌ عربی کے ان چند الفاظ میں سے ہے جس کی متعدد شکلوں کا استعمال جائز ہے۔ دراصل اس کا ہمزہ بھی اور عین کلمہ (ب) بھی تینوں حرکات کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ اس طرح دونوں حروف کی مختلف حرکات کے امتزاج سے جتنی شکلیں بنیں گی وہ سب جائز ہیں)۔

ء ذ ن

(س) اَذَنًا — کان لگانا۔ سننا۔ خبردار ہونا۔ جاننا۔ عام طور پر اس کے ساتھ 'اِلٰی' یا 'لِ' کا صلہ لگتا ہے۔ ﴿ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ

حُقَّتۡ ﴿۵﴾ ﴾(84/الانشقاق:5)''اور وہ سنے گی اپنے رب کے حکم کو اور اس پر واجب بھی ہے۔''

اِذْنًا — اجازت دینا۔ اس صورت میں بھی اس کے ساتھ عام طور پر 'لِ' کا صلہ آتا ہے۔﴿ یَوۡمَئِذٍ لَّا تَنۡفَعُ الشَّفَاعَۃُ اِلَّا مَنۡ اَذِنَ لَہُ الرَّحۡمٰنُ ﴾(20/طٰہٰ:109)''اس دن نفع نہیں دے گی شفاعت سوائے اس کے جس کو اجازت دے گا رحمٰن۔''

نوٹ: اَذِنَ لِ: اگر اَذَنٌ مصدر سے ہو تب اس کے معنی ہوتے ہیں کان لگا کر کسی کی بات سننا اور حکم کی تعمیل کرنا اور اگر اِذْنٌ مصدر سے ہو تب اس کے معنی ہوتے ہیں اجازت دینا۔

اِیْذَنْ — فعل امر ہے۔ تو اجازت دے۔ یاد کر لیں اِیْذَنْ کو جب ماقبل سے ملا کر پڑھا جائے تو تبدیل شدہ ہمزہ واپس آجاتا ہے جیسے فَ(اِیْذَنْ)۔ فَأْذَنْ۔﴿ وَمِنۡہُمۡ مَّنۡ یَّقُوۡلُ ائۡذَنۡ لِّیۡ ﴾(9/التوبۃ:49)''اور ان میں وہ بھی ہے جو کہتا ہے آپ ﷺ اجازت دیں مجھ کو۔''

اُذُنٌ — ج: اٰذَانٌ۔ اسم ذات ہے۔ کان۔ اُذُنٌ واحد، تثنیہ، جمع، مذکر، مؤنث سب کے لیے استعمال ہوجاتا ہے۔﴿ لِنَجۡعَلَہَا لَکُمۡ تَذۡکِرَۃً وَّ تَعِیَہَاۤ اُذُنٌ وَّاعِیَۃٌ ﴿۱۲﴾ ﴾(69/الحاقۃ:12)''تاکہ ہم بنادیں اس کو تمہارے لئے یاددہانی اور یاد رکھے اس کو یاد رکھنے والا کان۔''﴿ اَمۡ لَہُمۡ اٰذَانٌ یَّسۡمَعُوۡنَ بِہَا ؕ ﴾(7/الاعراف:195)''کیا ان کے کان ہیں وہ لوگ سنتے ہیں جس سے۔'' اِستعارہ کے طور پر ہر وہ شخص جو ہر ایک کی بات سن کر اسے مان لے اُسے اُذُنٌ کہہ دیتے ہیں۔ جیسے قرآن مجید میں فرمایا:﴿ وَ یَقُوۡلُوۡنَ ہُوَ اُذُنٌ ؕ ﴾''اور کہتے ہیں وہ نرا کان ہے۔'' یعنی ہر ایک کی بات سن کر مان لیتا ہے۔ مبالغے کا مفہوم پیدا کرنے کے لیے تمام وجود کو جسم کے ایک حصے کا نام دیا گیا۔ (اِستعارہ: لفظی معنی ہیں کسی سے کچھ مانگ لینا۔ علم بیان کی اصطلاح میں اس سے مراد ہوتا ہے کسی لفظ کے غیر حقیقی معنی مراد لینا۔ یہ مجازی معنی کی ایک قسم ہے۔ فیروز اللغات۔ ۶۱)

اَذَانٌ — اسم ذات ہے۔ اعلان۔ پکار۔ نماز کی اذان۔﴿ وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖۤ ﴾(9/التوبۃ:3)''اور اعلان ہے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے۔''

اِذْنٌ — اسم ذات ہے۔ اجازت۔﴿ وَمَا ہُمۡ بِضَآرِّیۡنَ بِہٖ مِنۡ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰہِ ؕ ﴾(2/البقرۃ:102)''اور وہ تکلیف پہنچانے والے نہیں ہیں اس سے کسی ایک کو بھی مگر اللہ کی اجازت سے۔''

(افعال) اِیْذَانًا — سنانا۔ آگاہ کرنا۔ خبردار کرنا۔﴿ فَقُلۡ اٰذَنۡتُکُمۡ عَلٰی سَوَآءٍ ؕ وَ اِنۡ اَدۡرِیۡۤ اَقَرِیۡبٌ اَمۡ بَعِیۡدٌ مَّا تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۱۰۹﴾ ﴾(21/الانبیاء:109)''تو آپ ﷺ کہہ دیجیے میں نے آگاہ کیا تم لوگوں کو پوری طرح اور میں نہیں جانتا آیا وہ قریب ہے یا دور ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔''

(تفعیل) تَأْذِیْنًا — اعلان کرنا۔ خبر دینا۔ سنانا۔ پکارنا۔ اذان دینا۔﴿ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَیۡنَہُمۡ اَنۡ لَّعۡنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیۡنَ ﴿ۙ۴۴﴾ ﴾(7/الاعراف:44)''تو پکارا ایک پکارنے والے نے ان کے مابین کہ اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر۔''

مُؤَذِّنٌ — اسم الفاعل ہے۔ پکارنے والا۔ اوپر الاعراف آیت 44 دیکھیں۔

اَذِّنْ — فعل امر ہے۔ تو پکار۔﴿ وَ اَذِّنۡ فِی النَّاسِ بِالۡحَجِّ ﴾(22/الحج:27)''اور آپؐ پکاریے لوگوں کو حج کے لیے۔''

(تفعّل) تَاَذُّنًا — کان کھول کر سنا دینا۔ جتلا دینا۔ کسی فیصلے کا اعلان کرنا۔ اطلاع دینا۔ خبردار کرنا۔ نوٹس دینا۔﴿ وَ اِذۡ تَاَذَّنَ رَبُّکُمۡ لَئِنۡ شَکَرۡتُمۡ لَاَزِیۡدَنَّکُمۡ ﴾(14/ابراہیم:7)''اور جب سنا دیا تمہارے رب نے اگر تم لوگ شکر کرو گے تو میں لازماً زیادہ دوں گا تم کو۔''

(استفعال) اِسْتِئْذَانًا اجازت طلب کرنا۔﴿اِسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ﴾(9/التوبۃ:86)''اجازت طلب کی آپ ﷺ سے ان میں سے صاحبِ حیثیت لوگوں نے۔''

ص ع ق

(ف) صَاعِقَةً بجلی گرنا۔بجلی گرانا۔

(س) صَعَقًا، صَعْقًا ہولناک دھماکہ ہونا۔گرجنا۔گرج کی آواز سے مرنا۔بیہوش ہونا۔زوردار آواز سن کر عقل کا خراب ہونا۔﴿وَ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ﴾(39/الزمر:68)''اور پھونکا جائے گا صور میں تو مرجائیں گے جو بھی آسمانوں میں ہیں اور جو بھی زمین میں ہیں مگر جس کو اللہ چاہے۔''

صَعِقٌ صفت ہے۔مردہ۔بیہوش۔﴿فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ﴾(7/الاعراف:143)''پس جب تجلی ڈالی اس کے رب نے پہاڑ پر تو کر دیا اس کو پاش پاش اور گر پڑے موسیٰؑ بیہوش ہو کر۔''

صَاعِقَةٌ ج:صَوَاعِقُ۔اسم ذات ہے۔صَاعِقَةٌ کے اصل معنی بیہوش کرنے والی چیز کے ہیں پھر یہ لفظ آسمان سے گرنے والی بجلی جو ہلاک کر دے۔چیخ۔عذاب اور کڑک کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔﴿فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ﴾(2/البقرۃ:55)''تو پکڑا تم کو زوردار چیخ نے۔''

ح ذ ر

(س) حَذَرًا آنے والے خطرے سے ہوشیار رہنا۔محتاط رہنا۔بچنا۔ڈرنا۔﴿يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ﴾(9/التوبۃ:64)''ڈرتے ہیں منافق کہ اتاری جائے ان پر کوئی سورت جو خبر دے ان کو اس کی جو ان کے دلوں میں ہے۔''نظم ونثر میں کسی چیز سے محتاط وہوشیار رہنے کی دعوت دیتے ہوئے تکرار کے ساتھ بولا جاتا ہے:اَلْحَذَر اَلْحَذَر۔

اِحْذَرْ ج:اِحْذَرُوْا۔فعل امر ہے۔تم بچو۔﴿اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ﴾(64/التغابن:14)''بیشک تمہارے جوڑوں میں اور تمہاری اولاد میں تمہارے دشمن ہیں بس تم لوگ ان سے محتاط رہو۔''

لِيَحْذَرْ امر غائب ہے۔چاہیے کہ وہ بچے۔﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ﴾(24/النور:63)''پس چاہیے کہ وہ لوگ ڈریں جو خلاف کرتے ہیں اس کے حکم سے کہ ان کو پہنچے کوئی آزمائش۔''

حَاذِرٌ ج:حَاذِرُوْنَ-اسم الفاعل ہے۔(1)خطرے سے بچنے والا۔ہتھیار بند۔مسلح۔(2)ڈرنے والا۔خطرہ رکھنے والا۔﴿وَ اِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ۝﴾(26/الشعراء:56)''اور ہم سب کو اُن سے خطرہ ہے۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔''اور یقیناً ہم بڑی جماعت ہیں اُن سے چوکنا رہنے والے۔''(ترجمہ احسن البیان)

حَذَرٌ اسم ذات ہے۔ڈر۔خوف۔﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ هُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۪﴾(2/البقرہ:243)''کیا آپ ﷺ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جو نکلے اپنے گھروں سے اور وہ ہزاروں تھے،موت کے ڈر سے۔''

حِذْرٌ اسم ذات ہے۔ذریعہ بچاؤ۔ہر وہ چیز جس کے ذریعے بچاؤ کیا جائے۔ہتھیار۔اسلحہ۔﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ﴾(4/النساء:71)''اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم لوگ پکڑو اپنے ہتھیار۔''

مَحْذُوْرٌ اسم المفعول ہے۔وہ چیز جس سے بچا جائے۔ ڈرنے کی چیز۔قابل خوف۔﴿ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴾ (17/بنی اسرائیل:57)''بیشک تیرے رب کا عذاب بچنے کی چیز ہے۔''

(تفعیل) تَحْذِيْرًا محتاط رہنے کی تلقین کرنا۔ ڈرانا۔﴿ وَ يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ﴾ (3/آل عمران:28)''اور اللہ تم کو محتاط رہنے کی تلقین کرتا ہے اپنے نفس سے۔''

م و ت

یہ مادہ باب (ن) (س) (ض) تینوں ابواب سے استعمال ہوتا ہے کیونکہ سورۂ مریم کی آیت 23 میں مِتُّ کا صیغہ استعمال ہوا ہے (واحد متکلم) جو کہ باب (ض) یا باب (س) سے ہوسکتا ہے۔ اور باب (ن) سے یہ مُتُّ بنتا ہے۔ اسی طرح فعل امر مُوْتُوْا (واحد: مُتْ) باب (ن) سے استعمال ہوا ہے۔(واللہ اعلم)

(ن) (س) (ض) مَوْتًا آگ کا بجھنا۔کسی جاندار چیز کا بے جان ہونا۔مرنا۔﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ مَاتُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ ﴾ (2/البقرہ:161)''بیشک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ مرے اس حال میں کہ وہ کافر تھے،تو یہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت ہے۔''

تَمُتْ مضارع مجزوم ہے۔﴿ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَ الَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ﴾ (39/الزمر:42)''اللہ قبض کرلیتا ہے جان کو اسکی موت کے وقت اور اس کو بھی جو نہیں مرتی ہے اپنی نیند میں۔''

مُتْ ج:مُوْتُوْا۔فعل امر ہے۔تو مرجا۔﴿ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ﴾ (2/البقرہ:243)''تو کہا ان لوگوں سے اللہ نے کہ تم لوگ مرجاؤ۔''

مَيِّتٌ ج:مَيِّتُوْنَ ۔اَمْوَاتٌ۔اسم صفت ہے۔ وہ چیز جس میں پہلے جان تھی اب نہیں ہے۔مردہ۔﴿ وَ تُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ ﴾ (3/آل عمران:27)''اور تو نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے۔'' مَيِّتٌ اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو آئندہ مرنے والا ہو۔ جیسے فرمایا:﴿ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴾ (39/الزمر:30)''بیشک تم کو مردہ ہونا ہے اور ان لوگوں کو بھی مردہ ہونا ہے۔''﴿ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ﴾ (2/البقرہ:28)''تم لوگ کیسے انکار کرتے ہو اللہ کا حالانکہ تم لوگ مردہ تھے تو اس نے زندہ کیا تم لوگوں کو۔''

مَيْتٌ اور مَيْتَةٌ ج:مَوْتٰى۔اسم صفت ہے۔ بے جان چیز۔مردہ۔﴿ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا لِّنُحْيِيَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ﴾ (25/الفرقان:48-49)''اور ہم نے نازل کیا آسمان سے پاک پانی تاکہ ہم زندہ کریں اس سے کسی مردہ شہر کو۔''﴿ وَ اٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ اَحْيَيْنٰهَا ﴾ (36/یٰسین:33)''اور ایک نشانی ہے ان کے لیے مردہ زمین،ہم نے زندہ کیا اس کو۔''﴿ وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ﴾ (2/البقرہ:260)''اور جب کہا ابراہیمؑ نے اے میرے رب تو دکھادے مجھے کہ تو کیسے زندہ کرے گا مردوں کو۔''

مَوْتٌ اور مَوْتَةٌ اسم ذات ہے۔ بے جان ہونے کی کیفیت۔موت۔﴿ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ﴾ (3/آل عمران:185)''ہر جان موت کو چکھنے والی ہے۔''﴿ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ﴾ (44/الدخان:56)''وہ لوگ نہیں چکھیں گے اس میں موت کو سوائے پہلی موت کے۔''

مَمَاتٌ اسم ظرف زمان ہے۔مردہ رہنے کا عرصہ۔زمانۂ موت۔﴿ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ

كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ﴾(45/الجاثیہ:21)''کیا گمان کیا ان لوگوں نے جنہوں نے ارتکاب کیا برائیوں کا، کہ ہم ان کو بنادیں گے ان لوگوں کی طرح جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام کئے، تا کہ برابر کردیں ان کا عرصۂ حیات اور ان کا زمانۂ موت۔''مَمَاتٌ کا لفظ مصدر میمی کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے، مطلب ہوتا ہے''مرنا''۔﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾(6/الانعام:162)''آپؐ فرمادیجئے کہ بے شک میری نماز اور میری ساری عبادتیں اور میرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔''

(افعال) اِمَاتَةً کسی کو موت دینا۔مردہ کرنا۔﴿فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ﴾(2/البقرہ:259)''تو موت دی اس کو اللہ نے ایک سو برس تک پھر اٹھایا اسکو۔'' کوئی اگر کسی اور کو مارے تو کوئی اور فعل استعمال ہوگا (مثلاً: اَهْلَكَ)۔لیکن اَمَاتَ، يُمِيْتُ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے۔اسی سے اَلْمُمِيْتُ(اسم الفاعل بمعنی موت دینے والا) اللہ کا صفاتی نام ہے۔

اَللّٰهُ(ء ل ہ): آیت بسم اللہ دیکھیں۔

ح و ط

(ن) حَوْطًا حفاظت کرنا۔دیکھ بھال کرنا۔

(افعال) اِحَاطَةً چاروں طرف سے گھیرنا۔احاطہ کرنا۔کسی شے پر اس طرح چھا جانا، گھیر لینا یا قابو پانا کہ وہ فرار نہ ہوسکے۔اس کے ساتھ 'ب' کا صلہ آتا ہے۔عربی میں یوں نہیں کہتے اَحَاطَهٗ بلکہ یوں کہتے ہیں اَحَاطَ بِهٖ۔﴿وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ﴾(2/البقرہ:255)''اور وہ لوگ احاطہ نہیں کرتے کسی چیز کا اس کے علم میں سے مگر جو وہ چاہے۔''

مُحِيْطٌ اسم الفاعل ہے۔واحد مذکر۔گھیرنے والا۔آیت زیر مطالعہ۔

مُحِيْطَةٌ اسم الفاعل ہے۔واحد مؤنث۔گھیرنے والی۔﴿وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴾(29/العنکبوت:54)''یقینا جہنم چاروں طرف سے گھیرنے والی ہے کافروں کو۔''

كٰفِرِيْنَ(ك ف ر): البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔

ترکیب 'اَوْ' حرفِ عطف ہے بمعنی 'یا'۔دو چیزوں میں برابری بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔مثلاً جَالِسِ الْحَسَنَ اَوِ ابْنَ سیرین چاہے تو حسن کے پاس بیٹھ یا ابن سیرین کے۔دونوں کے پاس بیٹھنا برابر ہے۔یہاں اَوْ سے مراد ہے کہ منافقوں کو خواہ آگ جلانے والوں سے تشبیہ دو چاہے مینہ سے بھاگنے والوں سے، دونوں برابر ہیں۔(حقانیؒ)۔كَصَيِّبٍ، آیت 17 میں كَمَثَلِ پر عطف ہے۔اور صَيِّبٍ سے پہلے مضاف محذوف ہے۔سادہ جملہ یوں ہوتا۔اَوْ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ اَصْحَابِ صَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ (حقانیؒ)۔مَثَلُهُمْ مبتدا محذوف ہے۔كَصَيِّبٍ، محذوف خبر کے متعلق ہے۔مِّنَ السَّمَآءِ، صَيِّبٍ کی صفت ہے۔یعنی ان کی مثال بارش میں گھرے ہوئے لوگوں کی مثال کی مانند ہے۔تفسیر عثمانیؒ کے حاشیے میں حضرتؒ فرماتے ہیں:''دوسری مثال ان منافقین کی ان ''لوگوں'' کی سی ہے کہ ان پر آسمان سے مینہ شدت کے ساتھ پڑ رہا ہو۔'' آگے ظُلُمٰتٌ، رَعْدٌ، اور بَرْقٌ مبتدا موخر نکرہ ہیں۔ان کی خبر موجودٌ محذوف ہے اور فِيْهِ قائم مقام خبر مقدم ہے۔فِيْهِ میں ضمیر صَيِّبٌ کے لیے ہے، السَّمَآءِ کے لیے نہیں کیونکہ السَّمَآءِ کے لیے 'ھا' آتی ہے۔(واللہ اعلم)۔يَجْعَلُوْنَ فعل ہے۔اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر هُمْ ہے۔اَصَابِعَهُمْ اس کا مفعول ہے۔فِيْٓ اٰذَانِهِمْ متعلق فعل ہے۔مِنَ الصَّوَاعِقِ میں مِنْ سببیہ ہے۔یعنی کڑک کے سبب سے اور حَذَرَ الْمَوْتِ، مفعول لَهٗ ہے يَجْعَلُوْنَ کا۔یعنی موت کے ڈر کی وجہ سے۔مطلب یہ ہے کہ کڑک کے سبب سے

وہ اپنی انگلیاں کانوں میں ڈال لیتے ہیں۔ اور یہ سارا فعل اس لیے کرتے ہیں کہ انہیں موت کا خوف ہے۔ گویا کانوں میں انگلیاں ڈالنے کی دو وجہیں ہیں۔ کڑک اور موت کا خوف۔ (واللہ اعلم)

حَذَرَ الْمَوْتِ میں یہ بات نوٹ کرلیں کہ حَذَرَ ماضی کا پہلا صیغہ نہیں ہے۔ یہ اسم حَذَرٌ ہے جو منصوب ہونے کی وجہ سے حَذَرًا ہوا۔ پھر مضاف ہونے کی وجہ سے تنوین ختم ہوئی تو حَذَرَ استعمال ہوا۔ اَللّٰہُ مبتداء، مُحِیْطٌ خبر اور بِالْکٰفِرِیْنَ متعلق خبر ہے۔

ترجمہ
البقرۃ:19

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ	فِيْهِ	ظُلُمٰتٌ	وَّرَعْدٌ
یا آسمان سے بارش کی مانند ہے	اس میں	اندھیرے ہیں	اور بادل کی گرج ہے

وَّبَرْقٌ ۚ	يَجْعَلُوْنَ	اَصَابِعَهُمْ	فِيْٓ اٰذَانِهِمْ	مِّنَ الصَّوَاعِقِ
اور بجلی کی چمک ہے	وہ لوگ رکھتے ہیں	اپنی انگلیوں کو	اپنے کانوں میں	کڑک کے سبب سے

حَذَرَ الْمَوْتِ ؕ	وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ	بِالْكٰفِرِيْنَ ⑲
موت کے ڈر سے	اور اللہ گھیرنے والا ہے	کافروں کو

آیت:20

﴿ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ⑳ ﴾

ك و د

(س) كَوْدًا

(ا) یہ افعال مقاربہ میں سے ہے۔ ماضی اور مضارع دونوں استعمال ہوتے ہیں۔ کسی دوسرے فعل کے ساتھ بطور معاون فعل استعمال ہوتا ہے۔ بنیادی مفہوم ہے قریب ہونا۔ یہ دو طرح سے استعمال ہوتا ہے۔

(i) اگر جملہ مثبت ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں ''کام کرنے کے قریب ہونا لیکن نہ کرنا''۔ مثلاً: ﴿ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ ﴾ ''قریب ہے کہ بجلی اچک لے اُن کی نظروں کو (لیکن اس نے ایسا نہیں کیا)۔ ﴿ اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ؕ ﴾ (25/الفرقان:42) ''قریب تھا کہ وہ ہمیں بہکا دے ہمارے خداؤں سے اگر نہ ہوتا کہ ہم ڈٹے رہتے ان پر۔'' ﴿ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ ﴾ (19/مریم:90) ''قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں اس سے۔''

(ii) اگر اس کے ساتھ حرف نفی آجائے تو پھر اس کے معنی ہوتے ہیں ''قریب تھا کہ نہ کرے لیکن کرلیا'' یا ''لگتا نہیں تھا کہ کرے لیکن کرلیا''۔ مثلاً: ﴿ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ ﴾ (2/البقرہ:71) ''پس ان لوگوں نے ذبح کیا اس گائے کو اور لگتا نہیں تھا کہ وہ لوگ کریں گے۔'' یا فرمایا: ﴿ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ۝ ﴾ (18/الکہف:93) ''جو کوئی بات ہی نہیں سمجھتے تھے۔''

(ب) بعض بزرگوں نے اس کا معنی هَمَّ و اَرَادَ بھی کیے ہیں یعنی پختہ ارادہ کرنا۔ مثلاً ﴿ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا ﴾ (20/طٰہٰ:15) ''یقیناً قیامت آنے والی ہے، میں ارادہ کرتا ہوں کہ میں خفیہ رکھوں اس کو۔''

افعال مقاربہ کی مزید تشریح عربی کا معلم حصہ سوم، ص ۸۶ سے دیکھیں۔

اَلْبَرْقُ: (ب ر ق) البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔

خ ط ف

(س) خَطْفَةً، خَطْفًا اُچک لینا۔ ﴿وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ﴾ (22/الحج:31) ''اور جس نے شرک کیا اللہ کے ساتھ تو گویا کہ وہ گرا آسمان سے پس اچک لے جاتے ہیں اس کو پرندے۔''

اَلْخَطْفَةُ اسم ذات بھی ہے۔ مراد ہے اُچکی ہوئی چیز۔ جسم کا وہ حصہ جس کو درندہ جھپٹا مار کر اُتار لے۔ (مصباح) ﴿اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝﴾ (37/الصافات:10) ''مگر جو کوئی ایک آدھ بات اچک لے بھاگے تو (فوراً ہی) اس کے پیچھے دہکتا ہوا شعلہ لگ جاتا ہے۔''

(تفعّل) تَخَطُّفًا کھینچ کر یا گھسیٹ کر لے جانا۔ اچک لینا۔ ﴿تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ﴾ (8/الانفال:26) ''تم لوگ ڈرتے تھے کہ تم کو زبردستی لے جائیں گے لوگ۔''

اَبْصَارٌ (ب ص ر): البقرۃ آیت 7 دیکھیں۔

ك ل ل

(ض) كَلَالًا، كَلًّا تھکنا۔ والد اور اولاد کے بغیر ہونا۔

كَلٌّ اسم ہے۔ وہ شخص جس کا نہ باپ ہو نہ بیٹا۔ بیکار آدمی جس سے کسی فائدے کی امید نہ ہو۔ بوجھ۔ واحد، تثنیہ، جمع سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ﴿وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ﴾ (16/النحل:76) ''اور وہ ایک بوجھ ہے اپنے آقا پر۔'' (كَلٌّ قرآن مجید میں ایک ہی دفعہ استعمال ہوا ہے مندرجہ بالا آیت میں)۔

كَلَّا حرف الرّدع ہے۔ ردع کے معنی ہیں ''جھڑک دینا''، ''انکار کر دینا''۔ كَلَّا ماقبل کلام کی نفی کے لیے آتا ہے اور عام طور پر اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے 'ہرگز نہیں'۔ مثلاً: ﴿اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۝ كَلَّا﴾ (19/مریم:77-79) ''بھلا تم نے اُس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں سے کفر کیا اور کہنے لگا (اگر میں دوبارہ زندہ ہوا بھی تو یہی) مال اور اولاد مجھے وہاں ملے گا کیا اُس نے غیب کی خبر پا لی ہے یا اللہ کے یہاں سے عہد لے لیا ہے، ہرگز نہیں۔'' اور اسی طرح کی اور بہت سی آیات ہیں۔ كَلَّا کبھی حَقًّا (بے شک، یقیناً) کے معنی میں بھی آتا ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۝﴾ (96/العلق:6) ''بے شک انسان سرکشی کرتا ہے۔'' اس آیت میں كَلَّا کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''كَلَّا ہمیشہ تردید ہی کے معنی میں نہیں بلکہ کبھی زور و تاکید کے موقع پر یقیناً کے معنی میں بھی آتا ہے۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص ۱۱۷۸)

كُلٌّ لفظاً واحد ہے اور معنی کے لحاظ سے جمع۔ مذکر کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور مؤنث کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ كُلٌّ ہمیشہ مضاف استعمال ہوتا ہے۔ اگر مضاف الیہ مذکور نہ ہو تو محذوف مانا جاتا ہے۔ كُلٌّ دو طرح کا ہوتا ہے، مجموعی اور افرادی۔ كُلٌّ افرادی ہمیشہ نکرہ، مفرد کی طرف مضاف ہوتا ہے جس کا ترجمہ ہوتا ہے ہر ایک، جیسے كُلُّ اِنْسَانٍ (ہر انسان)، بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (ہر چیز کا علم رکھنے والا)، كُلُّ كِتَابٍ (ہر ایک کتاب)۔ كُلٌّ مجموعی معرف

باللام کی طرف مضاف ہوتا ہے یا اس ضمیر کی طرف مضاف ہوتا ہے جو معرف باللام کی طرف راجع ہوتی ہے، اس وقت مجموعہ افراد پر دلالت کرتا ہے اور ترجمہ ہوتا ہے سب، پورا۔ كُلُّ الْقَوْمِ (سب قوم، پوری قوم) فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ (سب فرشتوں نے سجدہ کیا)، لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (تاکہ سب مذہبوں پر اُس کو غالب کردے)۔ کبھی اس سے ایک چیز کے تمام اجزاء مراد ہوتے ہیں، جیسے كُلُّ الرُّمَّانِ (پورا انار یعنی اس کے سب اجزاء، چھلکا، دانہ، عرق وغیرہ)، كُلُّ الْكِتٰبِ (کل کی کل کتاب یعنی وہ پوری کتاب جس کی بات ہورہی ہے)۔ كُلٌّ مجموعی اور افرادی کے علاوہ کبھی كُلٌّ بمعنی بعض بھی آتا ہے جیسے فرمایا: ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا (بعض پہاڑوں پر اُن کا ایک ایک حصہ رکھ دو)۔ یا فرمایا: قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ (ہم نے کہا کہ اس کشتی میں ہر قسم کے جوڑوں میں سے دو دو کو چڑھالو) اس آیت کے حاشیے میں حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''اس كُلٍّ سے مراد یقیناً آبی اور ہوائی اور زمینی جانوروں کے سارے انواع واقسام نہیں ہوسکتے بلکہ مراد صرف خشکی ہی کے جانور ہیں اور ان میں بھی صرف وہ جو عادۃً انسان کے کام آتے رہتے ہیں۔ لفظ كُلٍّ کے اس محدود معنی میں استعمال کی مثالیں قرآن مجید ہی میں بہ کثرت مل جاتی ہیں۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص۴۹۹)۔ قرآن پاک اور فصحائے عرب کے کلام میں کہیں بھی یہ لفظ معرّف باللام یعنی اَلْكُلُّ استعمال نہیں ہوا۔ (واللہ اعلم)

كُلَّمَا كُلَّمَا مرکب ہے۔ كُلَّ اور 'مَا' سے۔ یہ ظرف کے تکرار کا مفہوم دیتا ہے اور مطلب ہوتا ہے۔ جب کبھی بھی، جس جس وقت۔ اس میں ظرف کا مفہوم 'مَا' کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اس لیے اسے 'مَا مصدریہ ظرفیہ' کہتے ہیں۔ اور اسی ظرفیت کی وجہ سے كُلَّ ہمیشہ منصوب رہتا ہے۔۔ اکثر كُلَّمَا کے بعد فعل ماضی آتا ہے۔ جیسے ﴿كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ﴾ (4/النساء:56) ''جب کبھی بھی اُن کی جلدیں جل جائیں گی۔'' ﴿كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ﴾ (2/البقرۃ:20) ''جب کبھی چمکتی ہے اُن کے لیے۔'' ﴿كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ﴾ (71/نوحؑ:7) ''جب کبھی میں نے اُنہیں بلایا۔'' اس میں شرط کا مفہوم بھی ہوتا ہے۔

كَلٰلَةً لغوی معنی ہیں کمزور اور ضعیف۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ اس لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''صاحبؒ روح المعانی لکھتے ہیں کہ کلالہ اصل میں مصدر ہے جو کلال کے معنی میں ہے، اور کلال کے معنی ہیں تھک جانا، جو ضعف پر دلالت کرتا ہے (یعنی معنی ہوئے کمزور اور ضعیف) باپ بیٹے والی قرابت کے سوا قرابت کو کلالہ کہا گیا، اس لیے کہ وہ قرابت باپ بیٹے کی قرابت کی نسبت سے کمزور ہے۔ پھر کلالہ کا اطلاق اس مرنے والے (مرد یا عورت) پر بھی کیا گیا جس نے نہ اولاد چھوڑی اور نہ والد، اور اس وارث پر بھی اطلاق کیا گیا جو مرنے والے کا ولد (اولاد) اور والد نہ ہو، لغت کے اعتبار سے جو اشتقاق بتلایا اس کا تقاضا ہے کہ لفظ ''ذو'' مقدر ہو، اور کلالہ بمعنی ''ذو کلالہ'' ہوگا، یعنی ضعیف رشتہ والا، پھر اس مال موروث پر بھی اس کا اطلاق ہونے لگا، جو ایسی میت نے چھوڑا ہو جس کا کوئی ولد (اولاد) اور والد نہ ہو۔ (معارف القرآن، ج۲، ص۳۲۷) امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''اَلْكَلَالَةُ باپ اور اولاد کے علاوہ جو وارث بھی ہو وہ كَلَالَةٌ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ كَلَالَةٌ ہر اس وارث کو کہتے ہیں جو اولاد کے علاوہ ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ سے ''كَلَالَةٌ'' کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا: مَنْ مَّاتَ وَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَا وَالِدٌ کہ كَلَالَةٌ ہر اس میت کو کہتے ہیں جس کا باپ اور اولاد زندہ نہ ہوں۔ اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے خود میت کو کلالہ قرار دیا ہے اور کلالہ کے یہ دونوں معنی صحیح ہیں کیونکہ ''كَلَالَةٌ'' مصدر ہے جو وارث اور موروث دونوں پر بولا جاسکتا ہے۔'' (مفردات القرآن، ج۲، ص۹۲۵)

کِلَا تاکید تثنیہ مذکر کے لیے آتا ہے۔یعنی دونوں مذکر۔ یہ لفظ ،لفظاً مفرد ہے لیکن معنی کے اعتبار سے تثنیہ ہے۔اس لیے مفرد بھی استعمال ہوتا ہے اور تثنیہ بھی۔بغیر مضاف الیہ کے استعمال نہیں ہوتا۔اگر مضاف الیہ اسم ظاہر ہو تو رفع ،نصب اور جرّ میں اس کا 'الف' باقی رہتا ہے۔جیسے جَاءَ کِلَا الرَّجُلَانِ اور رَاَیْتُ کِلَا الرَّجُلَیْنِ اور مَرَرْتُ بِکِلَا الرَّجُلَیْنِ۔مگر جب مضاف الیہ ضمیر ہو تو حالت رفع میں کِلَاھُمَا اور نصب جر میں کِلَیْھِمَا (ی کے ساتھ) آئے گا۔جیسے رَاَیْتُ الرَّجُلَیْنِ کِلَیْھِمَا۔قرآن مجید میں ہے:﴿ اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا ﴾ (بنی اسراءیل:23) ''اگر تیری موجودگی میں اُن میں سے ایک یا یہ دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں۔''

کِلْتَا تاکید تثنیہ مؤنث کے لیے آتا ہے۔یعنی دونوں مؤنث۔اس کا استعمال بھی کِلَا کی طرح ہے۔اِن دونوں کی طرف (یعنی کِلَا اور کِلْتَا) جب ضمیر راجع ہو تو واحد کی ضمیر لائی جاتی ہے۔جیسے ﴿ كِلْتَا الْجَنَّتَیْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا ﴾(الکہف:33) ''دونوں باغ خوب پھلے پھولے۔''

اَضَآءَ(ض و ء):البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔

م ش ی

(ض) **مَشْیًا** قصد اور ارادہ سے چلنا۔﴿ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ یَّمْشُوْنَ بِهَآ ﴾(7/الاعراف:195) ''کیا ان کے پاؤں ہیں وہ لوگ چلتے ہیں جن سے۔'' 'ب' صلے کے ساتھ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے کسی چیز کو لے کر چلنا۔﴿ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ ﴾(6/الانعام:122) ''اور ہم نے اُس کو ایک ایسا نور دے دیا کہ وہ اُس کو لیے ہوئے آدمیوں میں چلتا پھرتا ہے۔''(ترجمہ احسن البیان)

اِمْشِ ج: اِمْشُوْا۔ فعل امر ہے۔تو چل۔﴿ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا ﴾ (67/الملک:15) ''وہی ہے جس نے کر دیا تمہارے لئے زمین کو پست و مطیع ،تو تم لوگ چلو اس کے راستوں میں۔''

مَشْیٌ اسم ذات ہے۔چال۔﴿ وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ ﴾(31/لقمان:19) ''اور تم میانہ روی کرو اپنی چال میں۔''

مَشَّآءٌ فَعَّالٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔بہت زیادہ چلنے والا۔﴿ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِیْمٍ ۙ﴾(68/القلم:11) ''بہت طعنے دینے والا ،چغلی لیے پھرنے والا۔'' مَشَّاءٌ اصل میں مَشَّایٌ تھا جو قاعدے کے مطابق تبدیل ہو کر مَشَّاءٌ استعمال ہوتا ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ کسی اسم کے حرف علت (و،ی) کے ماقبل اگر الف زائدہ ہو تو اس و،ی کو ہمزہ میں بدل دیتے ہیں۔(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو آسان عربی گرامر از لطف الرحمٰن خان صاحب حصہ سوم،ص ۹۲)

مَشِیَّةٌ ارادہ۔قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

اِذَا:البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔ اَظْلَمَ (ظ ل م):البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ قَامُوْا(ق و م):الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔

لَوْ

لَوْ کئی طرح استعمال ہوتا ہے۔

(i) بطور حرف شرط۔ماضی کے دو جملوں پر آتا ہے۔پہلا جملہ شرط اور دوسرا جزا ہوتا ہے۔جس طرح اِنْ مستقبل کے لیے آتا ہے اسی طرح لَوْ ماضی میں ایک غیر تکمیل شدہ شرط کے اظہار کے لیے آتا ہے۔اِنْ کے ترجمے میں کہا جائے گا اگر ایسا ہوگا یا نہ ہوگا تو ایسا ہوگا یا نہ ہوگا۔لَوْ کے ترجمے میں کہا جائے گا اگر ایسا ہو گیا ہوتا یا نہ ہوا ہوتا تو ایسا ہو جاتا یا نہ ہو جاتا۔لَوْ کے جواب پر اکثر لام استعمال ہوتا ہے۔جیسے فرمایا﴿ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا ﴾(الواقعہ:65) یا آیت زیر

مطالعہ میں فرمایا﴿ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ ﴾۔اور کبھی نہیں بھی آتا۔ جیسے فرمایا:﴿ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا ﴾ (الواقعۃ:70)۔اگر جملہ منفی ہوتب بھی لام نہیں آتا جیسے فرمایا:﴿ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ ﴾(الانعام:112)۔

(ii) لَوْ پر واو بڑھا کر وَلَوْ پڑھیں تو مطلب ہوتا ہے ''اگرچہ'' اور اس کے بعد ہمیشہ فعل ماضی آتا ہے۔﴿وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴾(التوبۃ:33) ''اگرچہ مشرک ناگوار سمجھیں۔''﴿وَ لَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ﴾(المائدۃ:100) ''اگرچہ (اے مخاطب) تم کو ناپاک کی کثرت اچھی معلوم ہو۔'' وَلَوْ کے بعد جوابی جملہ نہیں آتا بلکہ ایک جملہ پہلے ہی آجاتا ہے۔

(iii) لَوْ کبھی اَنْ مصدریہ کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے لیکن فعل مضارع کو نصب نہیں دیتا۔ ایسا اکثر اس وقت ہوتا ہے جب لَوْ، وَدَّ یَوَدُّ کے بعد آتا ہے۔ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ڈھیلے پڑ جانے کو وہ دل سے چاہتے ہیں۔ یَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ہزار برس زندہ رہنے کو ان میں سے ہر ایک دل سے چاہتا ہے۔ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ''ایمان کے بعد تمہارے کافر بنا دینے کے خواہش مند بکثرت اہل کتاب ہیں۔''

(iv) لَوْ کبھی کاش کے معنی بھی دیتا ہے۔ جس سے جملہ میں ماضی تمنی کے معنی پیدا ہوجاتے ہیں۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ ایسی صورت میں جملے میں جواب شرط نہیں آتا۔ جیسے لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ''کاش وہ لوگ جانتے ہوتے۔'' فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً ''کاش ایک بار اور ہم کو دنیا میں جانا مل جاتا۔'' (لَوْ کے اور استعمالات بھی ہیں جو لغات القرآن، ج۵،ص ۲۳۲ اور مصباح الغات، ص ۷۹۵ سے دیکھے جاسکتے ہیں)۔

ش ی ء

(ف) شَيْئًا، مَشِيْئَةً چاہنا۔ خواہش کرنا۔﴿مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ﴾(18/ الکہف:39) ''جو چاہا اللہ نے، کوئی قوت ہے ہی نہیں مگر اللہ سے۔''

شَیْءٌ ج: اَشْيَاءُ۔ اسم ذات ہے۔ اللہ کی مشیئت کا ظہور یا وجود۔ ہر وہ چیز جو جانی پہچانی جائے اور جس کی خبر دی جاسکے۔﴿وَ هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾(2/البقرۃ:29) ''اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔''﴿لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ﴾(5/المآئدہ:101) ''تم لوگ مت پوچھو چیزوں کے بارے میں اگر وہ ظاہر کی جائیں تو تم کو بُری لگیں۔''

مَشِيْئَةٌ اسم ذات ہے۔ خواہش۔ چاہت۔ قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

اَللّٰهُ (ء ل ہ) : آیت بسم اللہ دیکھیں۔ ذَهَبَ (ذ ھ ب): البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ سَمْعٌ (س م ع): البقرۃ آیت 7 دیکھیں۔

ق د ر

(ن۔ض۔س) (۱) قَدْرًا کسی چیز کا اندازہ کرنا، اس کی دیکھ بھال کرنا اور اسکی تدبیر کرنا۔ اندازہ لگانا۔﴿ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ۝ ﴾(77/المرسلت:20-23) ''کیا ہم نے پیدا نہیں کیا تم کو ایک بے وقعت پانی سے پھر ہم نے رکھا اس کو ایک محفوظ ٹھکانے میں ایک معلوم اندازے تک، پھر ہم نے اندازہ کیا تو ہم کیا ہی اچھا اندازہ کرنے والے ہیں۔'' جب یہ لفظ رزق کے متعلق استعمال ہو تو اس کے معنی رزق کی تنگی کے ہوتے ہیں اور اس کی ضد بسط آتی ہے۔ مثلاً ﴿ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ ﴾ (13/الرعد:26) ''اللہ کشادہ کرتا ہے رزق کو جس کے لئے وہ چاہتا ہے اور اندازہ لگاتا ہے یعنی جس کو چاہتا ہے ناپ تول کر دیتا ہے۔'' عَلٰی کے صلے کے ساتھ بھی ''تنگ کرنا'' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ پھر یہ تنگی یا تو رزق کی ہوسکتی ہے جیسے

فرمایا: ﴿وَ مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ﴾ (65/الطلاق:7) ''اور جس پر اس کے رزق کی تنگی کی گئی ہو'' یا حالات کی جیسے فرمایا: ﴿وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ﴾ (21/الانبیاء:87) ''اور مچھلی والے پیغمبر کا بھی ذکر کیجئے جب کہ وہ خفا ہو کر چلے گئے اور یہ سمجھے کہ ہم اُن پر تنگی نہ کریں گے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ آگے حاشیے میں حضرتؒ فرماتے ہیں: ''قدر بمعنی استطاعت وقابو نہیں، ضیق وتنگی کے مفہوم میں ہے۔''

(۲) قُدْرَةً قابو یافتہ ہونا۔ قدرت رکھنا۔ طاقت رکھنا۔ ﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ﴾ (16/النحل:76) ''اللہ ایک مثال دیتا ہے دو آدمیوں کی، ان میں کا ایک گونگا ہے وہ قدرت نہیں رکھتا کسی چیز پر۔'' عَلٰی کے صلے کے ساتھ اس مصدر سے صیغہ استعمال ہو تو معنی ہوتے ہیں کسی کو قابو کرنا، کسی کو پکڑنا۔ ﴿وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ﴾ (21/الانبیاء:87) بعض بزرگوں نے اس آیت میں نَقْدِرَ عَلَيْهِ کا ترجمہ ''قابو کرنا، پکڑنا سے بھی کیا ہے مثلاً: ''اور مچھلی والے کو جب چلا گیا غصہ ہو کر پھر سمجھا کہ ہم نہ پکڑ سکیں گے اُس کو۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ''مچھلی والے حضرت یونسؑ کو یاد کرو جب کہ وہ غصے سے چل دیا اور خیال کیا کہ ہم اُسے نہ پکڑ سکیں گے۔'' (ترجمہ احسن البیان)

(۳) قَدْرًا کسی کی عظمت کا ادراک کرنا۔ تعظیم کرنا۔ کسی کی عظمت کو پہچاننا۔ ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ﴾ (6/الانعام:91) ''اور ان لوگوں نے تعظیم نہیں کی اللہ کی جیسا کہ اس کی تعظیم کا حق ہے۔''

قَدَرٌ اسم ذات ہے۔ (i) اندازہ۔ ﴿وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ﴾ (43/الزخرف:11) ''اور جس نے نازل کیا آسمان سے پانی ایک اندازے سے۔'' ﴿اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ﴾ (77/المرسلات:22) ''ایک معلوم اندازے تک۔''

(ii) وہ قوانین فطرت جن کے تحت کوئی چیز وجود میں آتی اور ترتیب پاتی ہے اور یہ صفت اللہ تعالیٰ سے خاص ہے اور صرف اچھے معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ ﴿اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ﴾ (54/القمر:49) ''ہم نے ہر چیز اندازہ مقررہ کے ساتھ پیدا کی ہے۔''

(iii) اصطلاحِ شرح میں لفظ قَدَرٌ بمعنی تقدیر الٰہی بھی استعمال ہوتا ہے۔ (معارف)۔

قَدْرٌ اسم ذات ہے۔ (i) کسی چیز کی عظمت۔ ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ (97/القدر:1) ''اور ہم نے اتارا اس کو عظمت والی رات میں۔''

(ii) قدر و قیمت، اندازہ۔ ﴿قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا﴾ (65/الطلاق:3) ''اللہ نے رکھا ہے ہر چیز کا اندازہ۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''اللہ نے ہر شے کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

(iii) قَدْرٌ کے دوسرے معنی تقدیر وحکم کے بھی آتے ہیں۔ (معارف)۔

قَادِرٌ ج: قَادِرُوْنَ۔ فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ قدرت رکھنے والا۔ اندازہ کرنے والا۔ قابو پانے والا۔ طاقت رکھنے والا۔ ﴿اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى﴾ (75/القیامۃ:40) ''کیا وہ قدرت رکھنے والا نہیں ہے اس پر کہ وہ زندہ کرے مردہ کو۔'' صرف اللہ تعالیٰ کی ذات مبارک ایسی ہے کہ جو مکمل طور پر قدرت رکھنے والی ہے۔ اس لیے کسی انسان کو مطلقاً هُوَ قَادِرٌ کہنا درست نہیں۔ البتہ یوں کہا جا سکتا ہے هُوَ قَادِرٌ عَلٰى كَذَا یعنی وہ اس چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

مَقْدُوْرٌ اسم المفعول ہے۔ مقرر کردہ۔ وہ جو ٹھہرایا جا چکا۔ ﴿وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا﴾ (33/الاحزاب:38) ''اور اللہ تعالیٰ کے کام اندازے پر مقرر کیے ہوئے ہیں۔''

قَدِیْرٌ فَعِیْلٌ کے وزن پر صیغۂ مبالغہ ہے۔ اسم الفاعل کے معنی میں۔ ہر وقت قدرت رکھنے والا۔ ﴿ وَ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ ۙ﴾ (22/الحج:39) ''بیشک اللہ ان کی مدد پر ہر وقت قدرت رکھنے والا ہے۔'' قدیر اُس کو کہتے ہیں جو حکمت کے مطابق جو کچھ چاہے کرے اسی لیے اللہ کے سوا کسی مخلوق کو قدیر نہیں کہہ سکتے۔ قرآن مجید یا حدیث میں کسی جگہ انسان، فرشتے، جن یا کسی مخلوق کو قدیر نہیں کہا گیا۔ (واللہ اعلم)

قِدْرٌ ج: قُدُوْرٌ۔ ہانڈیاں۔ دیگیں۔ ﴿ وَ قُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ ط﴾ (34/سبا:13) ''اور چولہوں پر جمی ہوئی مضبوط دیگیں۔''

مِقْدَارٌ مِفْعَالٌ کے وزن پر اسم الآلہ ہے۔ اندازہ کرنے کا پیمانہ۔ مقدار۔ ﴿ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْہِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗۤ اَلْفَ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝۵﴾ (32/السجدہ:5) ''پھر وہ چڑھ جاتا ہے اس کی طرف ایک ایسے دن میں، جس کی مقدار ایک ہزار سال ہے جس سے تم لوگ گنتی کرتے ہو۔''

(تفعیل) تَقْدِیْرًا کسی کو اندازہ یا قدر و قیمت یا قدرت دینا۔ تجویز کرنا۔ کسی چیز کو خاص اندازے پر بنانا۔ مقرر کرنا۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''تقدیر کے معنی کسی چیز کو زمانہ یا مکان یا صفات کے اعتبار سے ایک مخصوص مقدار اور پیمانہ پر رکھنے کے ہیں۔ رات اور دن کے اوقات کو ایک خاص پیمانہ پر رکھنے کے لیے قرآن کریم نے فرمایا وَاللّٰہُ یُقَدِّرُ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ، مکانی فاصلے اور مسافت کو ایک خاص پیمانہ پر رکھنے کے لیے دوسری جگہ ملک شام اور سباء کی درمیانی بستیوں کے متعلق فرمایا وَقَدَّرْنَا فِیْھَا السَّیْرَ اور عام مقادیر کے متعلق فرمایا وَ خَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَہٗ تَقْدِیْرًا۔ (معارف القرآن، ج ۴، ص ۵۰۵)۔ ﴿ الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ۙ۝۲ وَ الَّذِیْ قَدَّرَ فَھَدٰی ۙ۝۳﴾ (87/الاعلیٰ:2-3) ''جس نے پیدا کیا اور نوک پلک درست کی اور جس نے اندازہ کیا پھر ہدایت دی۔'' ﴿ وَ الْقَمَرَ قَدَّرْنٰہُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ کَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ۝۳۹﴾ (36/یٰس:39) ''اور چاند، ہم نے مقرر کیں اس کی منزلیں یہاں تک کہ وہ ہوگیا پرانے کھجور کی ٹہنی کی مانند۔''

تَقْدِیْرٌ یہ مصدر بطور اسم ذات بھی استعمال ہوتا ہے۔ طے شدہ بات۔ تقدیر۔ اندازہ۔ (Decree)۔ ﴿ وَ الشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّھَا ط ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝۳۸﴾ (36/یٰس:38) ''اور سورج وہ تیرتا ہے اپنے مدار پر۔ یہ علم والے بالادست کا طے شدہ امر ہے۔''

(افتعال) اِقْتِدَارًا اہتمام سے قابو حاصل کرنا۔

مُقْتَدِرٌ ج: مُقْتَدِرُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ قابو پانے والا۔ قابو یافتہ۔ ﴿ وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝۴۵﴾ (18/الکہف:45) ''اور اللہ ہر چیز پر پوری طرح قابو یافتہ ہے۔'' ﴿ فَاِنَّا عَلَیْھِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ۝۴۲﴾ (43/الزخرف:42) ''سو ہم اُن پر بھی قدرت رکھتے ہیں۔''

ترکیب یَکَادُ فعل مقاربہ ہے۔ اَلْبَرْقُ فاعل ہے۔ اور یَخْطَفُ اصل فعل ہے۔ اس میں شامل ضمیر 'ھُوَ' اس کا فاعل ہے جو کہ اَلْبَرْقُ کے لیے ہے۔ اَبْصَارَھُمْ مفعول ہے۔ فعل مضارع اپنے فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے یَکَادُ کی اور یَکَادُ اپنے اسم اور خبر کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔ کُلَّمَا بھی اِذَا کی طرح حرف شرط ہے۔ اَضَاءَ لَھُمْ اس کی شرط اور مَشَوْا فِیْہِ جواب شرط ہے۔ اسی طرح اِذَا کی شرط اَظْلَمَ عَلَیْھِمْ ہے اور قَامُوْا جواب شرط ہے۔ لَوْ شَاءَ اللّٰہُ میں لَوتمنی نہیں بلکہ شرطیہ ہے۔ لَذَھَبَ جواب شرط ہے۔ لَذَھَبَ کا صلہ بِ، سَمْعِھِمْ پر ظاہر ہے اور اَبْصَارِھِمْ میں محذوف ہے۔ اسی لیے اَبْصَارِ حالت جر میں آیا ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے اور لفظ اَللّٰہَ اس کا اسم، عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ متعلق خبر اور قَدِیْرٌ خبر ہے۔ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ کو خبر سے مقدم کرنے کی وجہ سے حصر کا مفہوم پیدا ہوا ہے۔ اَضَاءَ۔ مَشَوْا۔ اَظْلَمَ اور قَامُوْا ماضی کے صیغے ہیں لیکن کُلَّمَا اور اِذَا کی وجہ سے ان کا ترجمہ حال میں ہوگا۔

ترجمہ
البقرۃ:20

يَكَادُ	الْبَرْقُ	يَخْطَفُ	اَبْصَارَهُمْ ؕ	كُلَّمَآ	اَضَآءَ لَهُمْ
قریب ہے کہ	بجلی	اچک لے	ان کی بصارت کو	جب کبھی	چمکتی ہے اُن کے لیے

مَّشَوْا فِيْهِ ۙ	وَاِذَآ	اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ	قَامُوْا ؕ
وہ لوگ چلتے ہیں اس میں	اور جب کبھی	اندھیرا چھا جاتا ہے ان پر	وہ لوگ کھڑے رہتے ہیں

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ	لَذَهَبَ	بِسَمْعِهِمْ	وَاَبْصَارِهِمْ ؕ
اور اگر اللہ چاہتا	تو لے جاتا	ان کی سماعت	اور ان کی بصارت

اِنَّ اللّٰهَ	عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ	قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾
بیشک اللہ	ہر چیز پر	قدرت رکھنے والا ہے

نوٹ آیت نمبر۔17 اور 18 میں دی گئی پہلی مثال میں ہے کہ اللہ ان کے باطنی نور کو لے گیا۔اس سے معلوم ہوا کہ یہ مثال کافروں، یہودیوں اور منافقین میں سے اُن لوگوں کی ہے جنہوں نے اپنے ضعفِ ایمان کے مرض کا علاج نہیں کیا اور آخر کار کفر و نفاق میں مبتلاء ہو گئے۔اب وہ ایسے مقام پر ہیں جہاں سے واپسی ممکن نہیں ہے۔

جبکہ آیت نمبر۔19 اور 20 میں دی گئی دوسری مثال میں ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو ان کی سماعت اور بصارت کو لے جاتا یعنی ان کی صلاحیتیں ابھی باقی ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ یہ مثال منافقوں میں سے ایسے لوگوں کی ہے جن کی مہلت ابھی باقی ہے اور ان کا مرض ابھی لاعلاج نہیں ہوا ہے۔جو چاہے اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر علاج کر لے۔(واللہ اعلم)

آیت:21

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ ﴾

اَلنَّاسُ:البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ اُعْبُدُوْا (ع ب د):الفاتحہ آیت 4 دیکھیں۔ رَبَّ (ر ب ب):الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔

خ ل ق

(ن) خَلْقًا و خَلْقَةً خلق کا لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔مثلاً

(i) کسی چیز کو بنانے کے لیے اس کا اندازہ لگانا، منصوبہ بنانا یا خاکہ تیار کرنا۔اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی انجینئر ایک عمارت بنانے سے پہلے یہ ارادہ کرتا ہے کہ اسے ایسی اور ایسی عمارت فلاں خاص مقصد کے لیے بنانی ہے اور اپنے ذہن میں اس کا نقشہ سوچتا ہے کہ اس مقصد کے لیے زیرِ تجویز عمارت کی تفصیلی صورت اور مجموعی شکل یہ ہونی چاہیے۔

(ii) خلق کا عام مفہوم یہ ہے کہ ایک چیز سے دوسری چیز بنائی جائے۔پہلے مادہ موجود ہو تو اس سے کوئی دوسری چیز ایجاد کی جائے۔جیسے ارشاد باری ہے:﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا ﴾ (4/النساء:1) ''لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اُسی جان سے اس کا جوڑا بنایا۔''اس صورت میں اس کی نسبت غیر اللہ کی طرف بھی ہو سکتی ہے۔جیسے حضرت عیسیٰؑ سے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:

﴿وَ اِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ کَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ ﴾ (5/المائدۃ:110) ''اور جب تو بناتا تھا گارے سے پرندے کی صورت۔''

(iii) کبھی خلق، اِبْدَاع کے معنی میں بھی آتا ہے۔ قرآن کریم میں جیسے خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ آتا ہے، ایسے ہی بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بھی آتا ہے۔ اس صورت میں اس کی نسبت غیر اللہ کی طرف نہیں ہوسکتی۔ (ابداع یعنی مادہ اور سابقہ مثال کے بغیر بنانا)۔

(iv) عام لوگوں کے لیے خلق کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ (ا) کسی چیز کو بنانے کے لیے اندازہ کرنا۔ (ب) جھوٹ بولنا یا جھوٹ گھڑنا۔ مثلاً ﴿ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّ تَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ﴾ (29/العنکبوت:17) ''تم تو پوجتے ہو اللہ کے سوائے یہی بتوں کے تھان اور بناتے ہو جھوٹی باتیں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

خَلْقٌ یہ لفظ مصدر کے علاوہ (1) اسم ذات بھی ہے بمعنی پیدائش۔ ﴿ وَ یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ﴾ (3/آل عمران:191) ''اور وہ لوگ غور و فکر کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں۔''

(2) مخلوق کے معنی میں بھی آتا ہے۔ ﴿ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ ﴾ (31/لقمان:11) ''یہ اللہ کی مخلوق ہے۔''

(3) اور ہر وہ مقام جہاں خلق کا لفظ کلام کے متعلق استعمال ہوا ہے اس سے جھوٹ ہی مراد ہے۔ اس بنا پر اکثر لوگ قرآن کے متعلق خلق کا لفظ استعمال نہیں کیا کرتے تھے۔ (مفردات)

خَالِقٌ اسم الفاعل ہے۔ پیدا کرنے والا۔ اندازہ کرنے والا۔ منصوبہ بنانے والا۔ ﴿ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ ﴾ (13/الرعد:16) ''آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔''

خَلَّاقٌ فَعَّالٌ کے وزن پر اسم المبالغہ ہے۔ بہت زیادہ پیدا کرنے والا۔ ﴿ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ ﴾ (15/الحجر:86) ''بیشک تیرا رب ہی سب کچھ پیدا کرنے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔''

(س) **خَلَقًا** چکنا ہونا۔ نرم ہونا۔ قرآن مجید میں فعل استعمال نہیں ہوا۔

(ک) **خُلُوْقَةً** اچھے اخلاق والا ہونا۔ قرآن مجید میں فعل استعمال نہیں ہوا

خُلُقٌ ج: اَخْلَاقٌ۔ عادت، خصلت، اخلاقی خوبیاں۔ ﴿ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِیْنَ ﴾ (26/الشعراء:137) ''اور کچھ نہیں یہ باتیں عادت ہے اگلے لوگوں کی۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿ وَ اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ﴾ (68/القلم:4) ''اور بے شک آپ ﷺ اخلاق کے اعلیٰ مرتبے پر ہیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت میں خُلُقٌ کی وضاحت کرتے ہوئے پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''پہلے یہ سمجھیے کہ خُلق کس کو کہتے ہیں۔ امام فخر الدین رازیؒ اس کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ اَلْخُلُقُ مَلَكَةٌ نَفْسَانِیَّةٌ یَسْهَلُ عَلَی الْمُتَّصِفِ بِهَا الْاِتْیَانُ بِالْاَفْعَالِ الْجَمِیْلَةِ۔ یعنی خلق، نفس کے اس ملکہ اور استعداد کو کہتے ہیں جس میں وہ پایا جائے، اس کے لیے افعال جمیلہ اور خصال حمیدہ پر عمل پیرا ہونا آسان اور سہل ہو جائے۔ (کبیر)۔ پھر فرماتے ہیں کسی اچھے اور خوبصورت فعل کا کرنا الگ چیز ہے، لیکن اس کو سہولت اور آسانی سے کرنا الگ چیز ہے۔ کوئی کام خُلُق اسی وقت کہلائے گا جب اس کے کرنے میں تکلف سے کام لینے کی نوبت نہ آئے (کبیر)۔ یعنی جس طرح آنکھ بے تکلف دیکھتی ہے کان بے تکلف سنتے ہیں، زبان بے تکلف بولتی ہے اسی طرح سخاوت، شجاعت، حیا، حق گوئی، تقویٰ وغیرہ تجھ سے کسی تردّد اور توقّف کے بغیر صدور پذیر ہونے لگیں تو اس وقت ان امور کو تیرے اخلاق شمار کیا جائے گا۔'' (ضیاء القرآن، ج۵، ص۳۳۱)

خَلَاقٌ اسم ذات ہے۔ بھلائی کا حصہ۔ وہ فضیلت جو انسان اپنے اخلاق سے حاصل کرتا ہے۔ ﴿ اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ ﴾ (3/آل عمران:77) ''وہ لوگ ہیں جن کے لئے بھلائی کا کوئی حصہ نہیں ہے آخرت میں۔''

(تفعیل) تَخْلِیْقًا شکل وصورت بنانا۔کسی صورت کے ابتدائی نقش ونگار بنانا۔

مُخَلَّقَۃٌ اسم المفعول ہے۔واحد مؤنث کا صیغہ۔جس کی شکل بنائی گئی۔شکل دیا ہوا۔﴿فَاِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَۃٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَۃٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَۃٍ مُّخَلَّقَۃٍ وَّ غَیْرِ مُخَلَّقَۃٍ﴾(22/الحج:5)''توتمہیں معلوم ہو کہ ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے، پھر نطفے سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر گوشت کی بوٹی سے جو شکل والی بھی ہوتی ہے اور بے شکل بھی۔''(ترجمہ تفہیم القرآن)

(افتعال) اِخْتِلَاقًا جھوٹ گھڑنا۔﴿اِنْ ھٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ﴾(38/ص:7)''نہیں ہے یہ مگر جھوٹ گھڑنا۔''

قَبْلُ:البقرۃ آیت 4 دیکھیں۔

لَعَلَّ حرف مشبہ بالفعل ہے۔''شاید کہ''۔عربی زبان میں لَعَلَّ وہاں استعمال ہوتا ہے جہاں کسی چیز کے حاصل ہونے کی توقع اور امید ہو لیکن یقین نہ ہو یا اس جگہ استعمال ہوتا ہے جہاں کسی چیز کا اندیشہ ظاہر کرنا ہو۔اللہ تعالیٰ کے لیے جب یہ کلمہ استعمال ہو تو تعجب ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ہمیشہ سے ہر چیز کا جاننے والا ہے۔لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ بندوں سے بندوں کے محاورے میں کلام کرتا ہے اور جس موقع پر بندے اس کلمہ کو استعمال کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ بھی اس موقع پر استعمال کرتا ہے۔البتہ بندوں اور اللہ تعالیٰ کے استعمال میں فرق یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کلمہ استعمال ہو تو معنی میں قطعیت آ جاتی ہے اور شک کی جگہ یقین کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔قرآن مجید میں جہاں لَعَلَّ کے ساتھ کُمْ یا ھُمْ کی ضمیر لگا کر فعل مضارع آیا ہے، مثلاً تَتَّقُوْنَ۔ تَھْتَدُوْنَ۔ تَشْکُرُوْنَ وغیرہ۔وہاں اس کا اصل مفہوم یہ ہوتا ہے کہ یہ کام کرنے کا ایک موقع فراہم کیا گیا ہے، اب جس کا جی چاہے فائدہ اٹھائے یا نہ اٹھائے۔اردو محاورہ میں یہ مفہوم لفظ''تاکہ''سے صحیح طور پر ادا ہوتا ہے۔حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں:''لَعَلَّ ہے تو اظہار شک اور امید وآرزو کے لیے۔لیکن قرآن مجید میں جہاں حق تعالیٰ کی طرف سے ادا ہوا ہے، تو کسی فعل کی آرزو کی جگہ اس کے وقوع کا اور شک واحتمال کی جگہ یقین کا مفہوم پیدا ہو گیا ہے۔اور اُردو ترجمہ''تاکہ''سے بھی جائز ہو گیا ہے۔''(تفسیر ماجدیؒ، ص ۱۳)

تَتَّقُوْنَ(و ق ی):البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔

ترکیب یا۔حرف ندا ہے۔ اَیُّھَا النَّاسُ منادیٰ ہے۔اَلنَّاسُ چونکہ معرف باللام ہے اور مذکر ہے اس لیے اس سے پہلے اَیُّھَا کا اضافہ ہوا ہے۔ اُعْبُدُوْا۔ فعل امر ہے۔اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر اس کا فاعل ہے۔رَبَّکُمْ مفعول ہے۔اَلَّذِیْ اسم موصول ہے اور اگلا جملہ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ اس کا صلہ ہے۔اس میں اَلَّذِیْنَ عطف ہے خَلَقَکُمْ میں کُمْ ضمیر پر یعنی جس نے تمہیں پیدا کیا اور ان کو پیدا کیا جو تم سے پہلے تھے۔موصول اور صلہ مل کر صفت ہے رَبَّکُمْ میں رَبَّ کی۔ لَعَلَّ حرف مشبہ بالفعل ہے کُمْ اس کا اسم ہے اور جملہ فعلیہ تَتَّقُوْنَ اس کی خبر ہے۔ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ کا ترجمہ عام طور پر ہمارے بزرگوں نے تَتَّقُوْنَ کے لفظ کا اصطلاحی مفہوم لے کر کیا ہے یعنی''تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔''البتہ کچھ بزرگوں نے اس کے لفظی مفہوم''بچنا، محفوظ رہنا''سے بھی ترجمہ کیا ہے۔مثلاً حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:''اے لوگو! عبادت اختیار کرو اپنے پروردگار کی جس نے تم کو پیدا کیا اور ان لوگوں کو بھی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں عجب نہیں کہ تم دوزخ سے بچ جاؤ(شاہی محاورہ میں 'عجب نہیں' کا لفظ وعدہ کے موقع پر بولا جاتا ہے۔)اور صاحب تدبر قرآن ترجمہ کرتے ہیں:''اے لوگو! بندگی کرو اپنے اس خداوند کی جس نے تم کو بھی پیدا کیا اور ان کو بھی جو تم سے پہلے گزرے ہیں، تاکہ دوزخ کی آگ سے محفوظ رہو۔''

ترجمہ البقرۃ:21

یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ	اعْبُدُوْا	رَبَّکُمُ	الَّذِیْ	خَلَقَکُمْ
اے لوگو	تم لوگ بندگی کرو	اپنے اُس رب کی	جس نے	پیدا کیا تم لوگوں کو

وَالَّذِیْنَ	مِنْ قَبْلِکُمْ	لَعَلَّکُمْ	تَتَّقُوْنَ
اور ان لوگوں کو بھی جو	تم سے پہلے تھے	تاکہ تم لوگ	پرہیزگار بن جاؤ

آیت:22

﴿ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ﴾

جَعَلَ (ج ع ل): البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ اَلْاَرْضُ (ء ر ض): البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔

ف ر ش

(ن۔ض) فَرْشًا و فِرَاشًا کسی چیز کو بچھانا۔ کشادہ کرنا۔ ﴿ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾ ﴾ (51/الذّٰریٰت:48) ''اور زمین، ہم نے بچھایا اس کو، تو ہم کیا ہی اچھا بچھانے والے ہیں۔''

فِرَاشٌ ج: فُرُشٌ۔ فِعَالٌ کے وزن پر اسم المفعول ہے۔ بچھائی ہوئی چیز۔ بچھونا۔ بستر۔ ﴿ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۭ بَطَآىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ ﴾ (55/الرحمٰن:54) ''تکیہ لگانے والے بچھونوں پر، ان کا استر (یعنی اندر کا کپڑا) ہے موٹے ریشم کا۔''

فَرْشٌ مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ بچھونا۔ چوپایوں کے چھوٹے بچے جو زمین سے لگے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور جن پر بوجھ نہیں لادا جاتا۔ ﴿ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّ فَرْشًا ؕ ﴾ (6/الانعام:142) ''اور چوپایوں میں سے کچھ بوجھ اٹھانے والے اور کچھ زمین سے لگے ہوئے جانور۔''

فَرَاشَةٌ ج: فَرَاشٌ۔ اسم ذات ہے۔ پروانہ۔ پتنگا۔ ﴿ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۙ ﴾ (101/القارعۃ:4) ''جس دن لوگ ہو جائیں گے پھیلائے ہوئے پتنگوں کی مانند۔''

اَلسَّمَآءُ (س م و): آیت بسم اللہ دیکھیں۔

ب ن ی

(ض) بِنَاءً، بَنْيًا بنانا۔ تعمیر کرنا۔ ﴿ وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ ﴾ (51/الذّٰریٰت:47) ''اور آسمان، ہم نے بنایا اس کو ہاتھوں سے۔''

اِبْنِ فعل امر ہے۔ تو بنا۔ تو تعمیر کر۔ ﴿ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ ﴾ (66/التحریم:11) ''اور جب اس نے کہا اے میرے رب! تو بنا میرے لئے اپنے پاس ایک گھر جنت میں۔''

بِنَاءٌ فِعَالٌ کے وزن پر اسم المفعول ہے۔ جو چیز بنائی جائے۔ پھر یہ لفظ عمارت، چھت یا بلندی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ آیت زیر مطالعہ۔ اصل میں بِنَایٌ تھا۔ قاعدہ یہ ہے کہ کسی اسم کے حرف علت (و یا ی) کے ماقبل اگر الف زائدہ ہو تو اس و یا ی کو 'ء' سے بدل دیتے ہیں۔ اس لیے بِنَایٌ، بِنَاءٌ ہو گیا۔

مَبْنِيَّةٌ اسم المفعول ہے۔ واحد مونث۔ ناقص یائی کا اسم المفعول ''مَفْعِیٌّ'' کے وزن پر آتا ہے۔ اور اس کی مؤنث کا وزن ہے مَفْعِيَّةٌ۔ اسی پر مَبْنِيَّةٌ ہے۔ مطلب ہے بنائی ہوئی، تیار کی ہوئی۔ ﴿ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ ﴾ (39/الزمر:20) ''البتہ جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں اُن کے لیے بالا خانے ہیں جن کے اوپر بنے بنائے (تیار) بالا خانے ہیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

بُنْيَانٌ فُعْلَانٌ کا وزن ہے۔ بہت زیادہ بنا ہوا۔عمارت۔﴿فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ؕ﴾(18/الکہف:21)''تو ان لوگوں نے کہا تم لوگ تعمیر کروان پر ایک عمارت۔''﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝﴾(61/الصّف:4)''بے شک اللہ تعالیٰ اُن لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اُس کی راہ میں صف بستہ جہاد کرتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہیں۔''(ترجمہ احسن البیان)

بَنَّاءٌ فَعَّالٌ کے وزن پر اسم المبالغہ ہے۔بہت زیادہ تعمیر کرنے والا۔معمار۔﴿وَ الشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّ غَوَّاصٍ ۝﴾(38/صٓ:37)''اور شیاطین جو سب معمار اور غوطہ لگانے والے تھے۔'' یہ بھی اصل میں بَنَّائٌ تھا۔'ی' سے پہلے الف زائدہ ہونے کی وجہ سے 'ی' ، 'ء' میں تبدیل ہوگئی۔

اَنْزَلَ (ن ز ل): البقرۃ آیت 4 دیکھیں۔

م و ہ

(ن) مَوْهًا پانی پلانا۔دو چیزوں کو ملانا۔قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

مَاءٌ اسم ذات ہے۔پانی۔(یہ دراصل مَوَهٌ ہے جو قاعدے کے مطابق مَاهٌ کے بجائے مَاءٌ استعمال ہوتا ہے)۔

خ ر ج

(ن) خُرُوْجًا باہر نکلنا۔﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ﴾(2/البقرہ:149)''اور جہاں سے بھی آپ ﷺ نکلیں تو رخ کریں اپنے چہرے کا مسجد حرام کی طرف۔''﴿فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝﴾(40/المومن:11)''تو ہم نے اعتراف کیا اپنے گناہوں کا تو کیا نکلنے کیلئے کوئی راستہ ہے۔''

اُخْرُجْ فعل امر ہے۔تو نکل۔﴿فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ﴾(7/الاعراف:13)''تو تیرے لئے نہیں تھا کہ تو تکبر کرے اس میں پس تو نکل جا۔''

خَارِجٌ اسم الفاعل ہے۔نکلنے والا۔﴿وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ۝﴾(2/البقرہ:167)''اور وہ لوگ نکلنے والے نہیں ہیں آگ سے۔''

مَخْرَجٌ اسم الظرف ہے۔نکلنے کی جگہ۔نکلنے کا راستہ۔﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝﴾(65/الطلاق:2)''اور جو تقویٰ کرتا ہے اللہ سے تو وہ بنا دیتا ہے اس کے لئے کوئی نکلنے کا راستہ۔''

خَرْجٌ اسم ذات ہے۔سرمایہ۔خرچ۔محصول۔ٹیکس۔خراج وغیرہ۔﴿فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَهُمْ سَدًّا ۝﴾(18/الکہف:94)''تو کیا ہم مقرر کردیں تیرے لئے کوئی سرمایہ اس بات پر کہ تو بنا دے ہمارے اور ان کے مابین ایک دیوار۔''

خَرَاجٌ اسم ذات ہے۔مال۔مزدوری۔خراج۔اجر وثواب۔عطا وغیرہ۔خَرَاجٌ کا لفظ عموماً زمین کے لگان پر بولا جاتا ہے اور خَرَاجٌ اور خَرْجٌ دونوں تقریباً ہم معنی ہیں۔(ضیاء القرآن)﴿اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ﴾(23/المومنون:72)''کیا آپؐ طلب کرتے ہیں اُن سے کچھ معاوضہ (آپؐ کے لیے) تو آپؐ کے رب کی عطا بہتر ہے۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)

(افعال) اِخْرَاجًا باہر نکالنا۔﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ﴾(7/الاعراف:32)''آپ ﷺ کہہ دیجئے کس نے حرام کیا اللہ کی اس زینت کو جو اس نے نکالی اپنے بندوں کیلئے۔''

اَخْرِجْ ج: اَخْرِجُوْا۔فعل امر ہے۔تو نکال۔﴿ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ﴾(4/النساء:75)''اے ہمارے رب! تو نکال ہم کو اس بستی سے۔''

مُخْرِجٌ اسم الفاعل ہے۔نکالنے والا۔﴿ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴾(2/البقرہ:72)''اور اللہ نکالنے والا ہے جو تم لوگ چھپایا کرتے تھے۔''

مُخْرَجٌ اسم المفعول ہے۔نکالا جانے والا یعنی جس کو نکالا جائے۔﴿ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَ كُنْتُمْ تُرَابًا وَّ عِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴾(23/المومنون:35)''کیا وہ وعدہ دیتا ہے تم کو کہ جب تم مردہ ہوگے اور ہو جاؤ گے مٹی اور ہڈیاں تو تم نکالے جانے والے ہو۔''

(استفعال) اِسْتِخْرَاجًا کسی چیز میں سے کچھ نکالنا۔﴿ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ﴾(12/یوسف:76)''پھر اس نے نکالا اس کو اپنے بھائی کے سامان میں سے۔'' کسی آیت یا حدیث سے کوئی مسئلہ نکالنا بھی استخراج یا استنباط کہلاتا ہے۔

ث	م	ر

(ن) ثَمْرًا پھل دار ہونا۔پھل والا ہونا۔قرآن مجید میں فعل استعمال نہیں ہوا۔

ثَمَرٌ اسم ذات ہے۔پھل۔پھلوں کے لیے یہ لفظ عام ہے۔اس کی واحد ثَمَرَةٌ آتی ہے اور جمع ثَمَرَاتٌ اور ثِمَارٌ آتی ہے۔﴿ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ﴾(2/البقرۃ:25)''جب کوئی پھل انہیں کھانے کو دیا جائے گا۔'' ثَمَرَاتٌ آیت زیر مطالعہ میں آیا ہے۔﴿ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَ يَنْعِهٖ ﴾(6/الانعام:99)''تم لوگ دیکھو اُس کے پھل کی طرف جب وہ پھل دے اور اُس کے پکنے کی طرف۔'' حضرت مفتی محمد شفیعؒ ثمرۃ کے لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:'' ثَمَرَاتٌ، ثمرہ کی جمع ہے، ہر نفع آور چیز سے حاصل ہونے والے نتیجہ کو اس کا ثمرہ کہا جاتا ہے، اس لیے لفظ ثَمَرَاتٌ میں وہ تمام چیزیں بھی شامل ہیں جو انسان کی غذا بنتی ہیں، اور وہ چیزیں بھی جو اس کا لباس بنتی ہیں، اور وہ چیزیں بھی جو اس کے رہنے سہنے کا مکان بنتی ہیں۔'' (معارف القرآن، ج۵،ص ۲۵۴)۔حضرتؒ سورہ ابراہیم کی آیت 37 کے تحت فرماتے ہیں: ''ثَمَرَاتٌ، ثَمَرَة کی جمع ہے جس کے معنی ہیں پھل اور عادۃً ان پھلوں کو کہا جاتا ہے جو کھائے جاتے ہیں۔اور کبھی لفظ ثمرہ نتیجہ اور پیداوار کے معنی میں بھی آتا ہے جو کھانے کی چیزوں سے زیادہ عام ہے، ہر نفع آور چیز کے نتیجہ اور حاصل کو اُس کا ثمرہ کہا جا سکتا ہے، مشینوں اور صنعتی کارخانوں کے ثمرات ان کی مصنوعات کہلائیں گی، ملازمت اور مزدوری کا ثمرہ وہ اُجرت اور تنخواہ کہلائے گی جو اس کے نتیجہ میں حاصل ہوئی۔'' (معارف القرآن، ج۵،ص ۲۶۵) امام راغبؒ فرماتے ہیں:''مجازاً ہر چیز کے نفع پر ثمر کا لفظ بولا جاتا ہے جیسے کہا جاتا ہے ثَمَرَةُ الْعِلْمِ، اَلْعَمَلُ الصَّالِحُ کہ علم کا ثمرہ نیک عمل ہے وَثَمَرَةُ الْعَمَلِ الصَّالِحِ، اَلْجَنَّةُ۔اور نیک عمل کا ثمرہ جنت ہے۔'' بطور کنایہ ثَمَرٌ کا لفظ مطلق مال و دولت یا کمائے ہوئے مال پر بھی بولا جاتا ہے۔جیسے فرمایا﴿ وَّ كَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ﴾(الکہف:34)۔اس آیت کے تحت حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں:'' لفظ ثمر درختوں کے پھل کو بھی کہا جاتا ہے، اور مطلق مال و زر کو بھی، اس جگہ (الکہف۔34) حضرت ابن عباسؓ، مجاہدؒ، قتادہؒ سے یہی دوسرے معنی منقول ہیں (ابن کثیرؒ)۔قاموس میں ہے کہ لفظ ثمرہ درخت کے پھل اور انواعِ مال و زر سب کو کہا جاتا ہے۔'' (معارف القرآن، ج۵،ص ۵۹۲)۔اولاد کو بھی والدین کا ثمر قرار دیا گیا ہے۔

(افعال) اِثْمَارًا پھل دینا۔﴿ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ ﴾(6/الانعام:141)''تم لوگ کھاؤ اس کے پھل میں سے جب بھی وہ پھل دے۔''

رِزْقًا (ر ز ق) :البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ اَللّٰہُ (ء ل ہ) :آیت بسم اللہ دیکھیں۔

ن د د

(ض) نَدًّا / نِدٌّ کسی کا ہم پلہ ہونا۔ مدمقابل ہونا۔

ج: اَنْدَادٌ ۔اسم صفت ہے۔ہم پلہ۔ہم سر۔مدمقابل۔ برابر کا مخالف۔Rival۔آیت زیر مطالعہ۔نِدٌّ عربی زبان میں اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی کے جیسی بھی ہو اور اس کے مخالف بھی۔تفسیر ماجدیؒ میں ہے نِدٌّ عربی میں کہتے ہیں مثل ومشابہ کو بھی اور مخالف و مدمقابل کو بھی چنانچہ انداد کے معنی اضداد (مخالف ہونا) اور اشباہ (کسی کے جیسا ہونا) دونوں کیے گئے ہیں۔(ص: ۱۴)۔''کسی کے جیسا ہونا'' کے لیے عربی میں مِثْلٌ اور نِدٌّ کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔مِثْلٌ عام ہے اور ہر طرح کی شرکت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔جبکہ نِدٌّ خاص ہے اور اس کو کہتے ہیں جو کسی شے کی ذات اور جوہر میں شریک ہو اور یہ بھی مماثلت کی ایک قسم ہے۔اس لیے ہر نِدٌّ کو مثل کہہ سکتے ہیں، لیکن ہر مثل کو نِدٌّ نہیں کہہ سکتے۔اسی مفہوم کو واضح کرنے کے لیے ہمارے بزرگوں نے اس کا ترجمہ ''ہم سر اور مدمقابل'' سے کیا ہے۔مثلاً صاحبؒ تفہیم القرآن، البقرۃ آیت 165 کا ترجمہ کرتے ہیں۔﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا ﴾ ''کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا ہمسر اور مدِّ مقابل بناتے ہیں۔'' اور بعض بزرگوں نے اس کا ترجمہ، ''برابر کا مخالف''، ''شریک وہم سر''، وغیرہ الفاظ سے کیا ہے۔انگلش کا لفظ ''Rival'' اس لفظ کے مفہوم کے صرف ایک جز ''مخالف'' کی ترجمانی کرتا ہے۔(واللہ اعلم)۔اس وضاحت کے بعد اب نوٹ کیجئے کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کا نِدٌّ بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر ویسی ہی صفات ماننا جیسی کہ اللہ تعالیٰ کی ہیں اور جو حقوق اللہ تعالیٰ کے بندوں پر ہیں ان میں سے سب یا بعض اس بناوٹی معبود کو دینا۔البقرہ آیت 165 کے تحت مولانا مودودیؒ ''انداد'' کے اسی مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''یعنی خدائی کی جو صفات اللہ کے لیے خاص ہیں اُن میں سے بعض کو دوسروں کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور خدا ہونے کی حیثیت سے بندوں پر اللہ تعالیٰ کے جو حقوق ہیں، وہ سب یا اُن میں سے بعض حقوق یہ لوگ اُن دوسرے بناوٹی معبودوں کو ادا کرتے ہیں۔مثلاً سلسلہ اسباب پر حکمرانی، حاجت روائی، مشکل کشائی، فریاد رسی، دعائیں سننا اور غیب وشہادت ہر چیز سے واقف ہونا، یہ سب اللہ کی مخصوص صفات ہیں۔'' اور آگے فرماتے ہیں: ''جو شخص خدا کی اِن صفات میں سے کسی صفت کو بھی کسی دوسرے کی طرف منسوب کرتا ہے، اور اُس کے ان حقوق میں سے کوئی ایک حق بھی کسی دوسرے کو دیتا ہے وہ دراصل اُسے خدا کا مدمقابل اور ہمسر بناتا ہے۔اور اسی طرح جو شخص یا جو ادارہ اِن صفات میں سے کسی صفت کا مدعی ہو اور ان حقوق میں سے کسی حق کا انسانوں سے مطالبہ کرتا ہو، وہ بھی دراصل خدا کا مدمقابل اور ہمسر بنتا ہے خواہ زبان سے خدائی کا دعویٰ کرے یا نہ کرے۔'' نبی اکرم ﷺ کے سامنے ایک صحابی نے ایسے ہی کہہ دیا: ''مَاشَاءَ اللّٰهُ وَمَا شِئْتَ'' یعنی جو اللہ چاہے اور جو آپؐ چاہیں۔'' آپ ﷺ نے انہیں فوراً ٹوک دیا اور فرمایا: ((اَجَعَلْتَنِيْ لِلّٰهِ نِدًّا؟ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ)) ''کیا تو نے مجھے اللہ کا مدمقابل بنا دیا ہے؟ (بلکہ وہی ہوگا) جو تنہا اللہ چاہے۔'' (ان الفاظ میں یہ حدیث علامہ محمد بن عبدالوہاب نے ''کتاب التوحید'' میں نسائی کے حوالے سے درج کی ہے۔مسند احمد میں الفاظ وارد ہوئے ہیں: ((اَجَعَلْتَنِيْ وَاللّٰهَ عَدْلًا؟)) ''کیا تو نے مجھے اور اللہ کو برابر کر دیا؟''۔صوفیاء کرام نے ''انداد'' کی تفسیر یہ فرمائی

ہے: ''ہر وہ چیز جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کر دے اور اس کے اِحکام کی تعمیل سے روک دے وہ ''انداد'' سے ہے۔ خواہ وہ بت ہوں، گمراہ رئیس ہوں، مال و دولت ہو، فرزند و زن ہوں یا علم و فن ہر چیز جو اللہ تعالیٰ سے دور کرنے والی ہو وہ ''نِدٌّ'' ہے اور پاش پاش کر دینے کے لائق ہے۔'' (ضیاء القرآن، ج ۱، ص: ۱۱۳)۔ تفسیر ابن جریر طبریؒ میں متعدد صحابہ کرامؓ سے آیت زیر مطالعہ میں انداد کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ یہاں انداد سے مراد وہ حکام ہیں جن کی اطاعت خدا کی نافرمانی میں کی جاتی ہو گویا اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے غیر اللہ کی اطاعت کرنا، غیر اللہ کی پرستش کی طرح شرک ہے۔ (بحوالہ فی ظلال القرآن، ج ۱، ص ۱۳۴)

نِدٌّ اور ضِدٌّ کا فرق بھی ذہن میں رہے۔ ضِدٌّ ان دو چیزوں کو کہا جاتا ہے جو ایک جنس کے تحت ہوں مگر ان میں سے ہر ایک اپنی خاص صفات اور خصوصیات کی وجہ سے دوسری سے مخالف ہو اور ان میں انتہائی دوری ہو اور کبھی جمع نہ ہو سکتی ہوں۔ مثلاً سیاہی اور سفیدی، دونوں کی جنس رنگ ہے لیکن دونوں کبھی جمع نہیں ہو سکتے ہیں اور دونوں کی متضاد خصوصیات بھی ہیں۔ اسی طرح، خیر اور شر ہے یا دن اور رات وغیرہ۔ جب کہ نِدٌّ میں دونوں چیزوں کی صفات اور خصوصیات کو ایک جیسا بھی مانا جاتا ہے اور ایک دوسرے کے مخالف بھی مانا جاتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ لَا نِدَّ لَهٗ وَلَا ضِدَّ لَهٗ۔ یعنی نہ اس کا کوئی نِدٌّ ہے (یعنی جو اللہ تعالیٰ جیسی صفات رکھتا ہو اور اللہ تعالیٰ کے مدمقابل بھی ہو) اور نہ اس کا کوئی ضِدٌّ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی جنس کی کوئی اور چیز ہے ہی نہیں اس لیے ضِدٌّ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مختصراً: ایک جیسی صفات کے ساتھ ہم پلہ، ہم سر اور مخالف نِدٌّ ہے اور مخالف صفات کے ساتھ مدمقابل ضِدٌّ ہے۔ (واللہ اعلم)۔

تَعْلَمُوْنَ (ع ل م): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔

ترکیب اَلَّذِیْ گذشتہ آیت میں رَبَّكُمُ پر عطف ہے۔ اور پورا جملہ اس کی صفت ہے۔ جَعَلَ فعل، لَكُمُ متعلق فعل اور اَلْاَرْضَ مفعول ہے۔ فِرَاشًا کو جَعَلَ کا مفعول ثانی بھی مانا جا سکتا ہے اور اَلْاَرْضَ کا حال بھی۔ اَلسَّمَآءَ مفعول ہے جَعَلَ کا۔ بِنَآءً کو مفعول ثانی بھی مانا جا سکتا ہے اور حال بھی۔ اَنْزَلَ کی ضمیر فاعلی اَلَّذِیْ یعنی رَبَّكُمُ کے لئے ہے۔ مِنَ السَّمَآءِ متعلق فعل ہے۔ مَآءً مفعول ہے۔ اَخْرَجَ کی ضمیر فاعلی رَبَّكُمُ کے لئے ہے۔ بِهٖ کی ضمیر مَآءً کے لئے ہے۔ مِنَ الثَّمَرٰتِ متعلق فعل، رِزْقًا مفعول بِهٖ ہے اور لَكُمُ متعلق ہے۔ دوسری ترکیب کے مطابق مِنَ الثَّمَرٰتِ کو مفعول مانا گیا ہے اور رِزْقًا لَّكُمُ کو مفعول لَهٗ مانا گیا ہے۔ لَا تَجْعَلُوْا فعل نہی ہے۔ لِلّٰهِ متعلق فعل اور اَنْدَادًا مفعول ہے۔ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ کا واو حالیہ ہے۔ اَنْتُمْ مبتداء اور تَعْلَمُوْنَ جملہ فعلیہ بن کر اس کی خبر ہے۔

ترجمہ
البقرۃ:22

اَلَّذِیْ جَعَلَ	لَكُمُ	الْاَرْضَ	فِرَاشًا	وَّالسَّمَآءَ
جس نے بنایا	تمہارے لئے	زمین کو	بچھونا/فرش	اور آسمان کو

بِنَآءً ص	وَّاَنْزَلَ	مِنَ السَّمَآءِ	مَآءً	فَاَخْرَجَ
چھت	اور اس نے اتارا	آسمان سے	پانی کو	پھر اس نے نکالا

بِهٖ	مِنَ الثَّمَرٰتِ	رِزْقًا	لَّكُمْ ج	فَلَا تَجْعَلُوْا	لِلّٰهِ
اس سے	پھلوں میں سے	رزق کو	تمہارے لئے	پس تم لوگ مت بناؤ	اللہ کے

اَنْدَادًا	وَّ	اَنْتُمْ	تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾
ہمسر اور مدمقابل	اس حال میں کہ	تم لوگ	جانتے ہو

نوٹ:1 ہدایت اور ضلالت کے اعتبار سے انسانوں کے تین گروہوں کے تذکرے کے بعد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی عبادت کی دعوت تمام انسانوں کو دی جارہی ہے۔فرمایا کہ جب تمہارا اور کائنات کا خالق اللہ ہے،تمہاری تمام ضروریات کا مہیا کرنے والا وہی ہے،تو پھر تم اسے چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ دوسروں کو اس کا شریک کیوں ٹھہراتے ہو؟ اگر تم عذاب خداوندی سے بچنا چاہتے ہو تو اس کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ اللہ کو ایک مانو اور صرف اسی کی عبادت کرو، جانتے بوجھتے شرک کا ارتکاب مت کرو۔(احسن البیان،ص ۱۳)

نوٹ۔2 حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمْ میں جَعَلَ لَکُمْ کے متعلق فرماتے ہیں:''آیت کے اس ٹکڑے کی جان یا اصل رُوح جَعَلَ لَکُمْ ہے۔مقصود زمین یا آسمان کی ہیئت بیان کرنا، یا ان کی ارضیاتی یا فلکیاتی ماہیت بیان کرنا کسی درجہ میں بھی نہیں۔بیان صرف یہ کرنا ہے کہ زمین ہو یا آسمان،کوئی بھی ازخود نہیں بن گئے ہیں، بلکہ جو کچھ اور جیسے بھی کچھ ہیں،اللہ کے بنائے ہوئے،اور اسی قادرِ مطلق کے زیرِ فرمان ہیں۔دوسری تعلیم ساتھ ہی ساتھ یہ ملی،کہ زمین وآسمان انسان کے لیے خلق ہوئے ہیں۔انسان زمین وآسمان کے لیے خلق نہیں ہوا ہے۔مقصود ومطلوب انسان ہے۔زمین وآسمان دونوں،باذنِ الٰہی،اسی خلیفۃ اللہ کے خادم ہیں۔پھر یہ کیسی شدید حماقت ہے کہ انسان اپنے ان خدائی خادموں کے آگے جھکنے لگے۔اور اُلٹا انہیں کو معبود قرار دے کر اُن کی پرستش کرنے لگے۔'' (تفسیر ماجدیؒ،ص ۱۳)

آیت:23

﴿وَ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَ ادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۳﴾﴾

اِنْ اِنْ چار طرح استعمال ہوتا ہے۔

(1) اِنْ شرطیہ: اِنْ شرطیہ کے معنی ہیں''اگر''۔یہ حروف عاملہ میں سے ہے۔مضارع کو جزم دیتا ہے۔﴿اِنْ یَّنْتَهُوْا یُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ﴾ (8/الانفال:38)''اگر وہ باز آجائیں تو معاف کردیے جائیں گے ان کے لیے جو گناہ پہلے ہو چکے۔'' یہی کثیر الاستعمال ہے۔

(2) اِنْ مخفّفہ: جو اِنَّ ثقیلہ سے مخفف ہو کر اِنْ بنتا ہے۔یہ کبھی عمل کرتا ہے اور کبھی نہیں۔یہ تحقیق اور ثبوت کے معنی دیتا ہے۔اس کی خبر پر لام تاکید (لَ) لگا ہوتا ہے جیسے فرمایا:﴿وَ اِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَیْكَةِ لَظٰلِمِیْنَ ﴿۷۸﴾﴾ (15/الحجر:78)''بلاشبہ اصحاب الایکہ ظالم تھے۔'' اس لام تاکید کو لام فارقہ کہتے ہیں۔

(3) اِنْ نافیہ: اِنْ نافیہ کے معنی ہیں''نہیں''۔یہ غیر عامل ہے۔یہ جملہ اسمیہ پر بھی آتا ہے اور جملہ فعلیہ پر بھی۔جیسے الانعام کی آیت 116 میں فرمایا:﴿اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ﴾ (جملہ فعلیہ)﴿وَ اِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾﴾ (جملہ اسمیہ)''سو کچھ نہیں مگر پیچھے پڑے ہیں اپنے خیال کے اور کچھ نہیں مگر قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔''﴿اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿۲۵﴾﴾ (74/المدثر:25)''نہیں ہے یہ مگر بشر کا کلام۔'' اس کے بعد اکثر اِلَّا و لَمَّا آتا ہے۔مگر ہر جگہ ضروری نہیں۔مثلاً﴿اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا ؕ﴾ (10/یونس:68)''تمہارے پاس کوئی بھی دلیل اس دعوے کی نہیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) اس آیت مبارکہ میں اِنْ نافیہ ہے۔(ماجدیؒ)

(4) اِنْ زائدہ: اِنْ زائدہ جو مَا نافیہ کے بعد آتا ہے اور مَا نافیہ کی تاکید یا تحسین کلام کے معنی دیتا ہے۔حضرت حسّان بن ثابتؓ کا ایک شعر ہے:

مَا اِنْ مَدَحْتُ مُحَمَّدًا بِمَقَالَتِیْ لٰكِنْ مَدَحْتُ مَقَالَتِیْ بِمُحَمَّدٍ

''میں نے اپنے اشعار کے ذریعے سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف نہیں کی بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے میں نے اپنے اشعار کی تعریف کی۔''

اس میں مَا کے بعد اِنْ زائدہ ہے اور تحسین کلام کے لیے آیا ہے۔قرآن مجید میں اس کی مثال الاحقاف:26 ہے۔جس میں فرمایا﴿وَ لَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ

﴿ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ ﴾ ’’اور ہم نے اُن لوگوں کو جو قدرت دی تھی وہ قدرت تم لوگوں کو نہیں دی۔‘‘ اس آیت میں بھی مَا کے بعد اِنْ زائدہ ہے اور تحسین کلام کے لیے ہے۔

كُنْتُمْ (ك و ن): البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔	رَيْبٌ (ر ی ب): البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔	مِمَّا: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔
نَزَّلْنَا (ن ز ل): البقرۃ آیت 4 دیکھیں۔	عَبْدٌ (ع ب د): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔	

ء ت ی

(ض) اِتْيَانًا (1) کسی تک پہنچنا۔ آنا۔ خواہ کوئی خود آئے یا اُس کا حکم پہنچے یا اس کا نظم ونسق جاری ہو۔ خیر اور شر دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ فعل لازم ہے۔ ﴿ وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ ﴾ (38/ ص:21) ’’کیا تم کو پہنچی جھگڑالو کی خبر۔‘‘ ﴿ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ ﴾ (9/ التوبۃ:70) ’’ان کے پاس آئے ان کے رسول واضح دلیلوں کے ساتھ۔‘‘ ﴿ اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ ﴾ (16/ النحل:1) ’’آ گیا اللہ کا فیصلہ، اب اس کے لیے جلدی نہ مچاؤ۔‘‘ ’ب‘ کے صلے کے ساتھ متعدی ہو جاتا ہے۔ اَتٰى کا مطلب ہے آنا اور اَتٰى بِ کا مطلب ہے لانا اور کسی کو کوئی چیز دینا۔ قرآن مجید میں ہے ﴿ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ ﴾ (2/ البقرۃ:25) ’’اور ان کو ایک دوسرے کے ہم شکل پھل دیے جائیں گے۔‘‘ اس سورت میں اس کا مجہول بھی استعمال ہوتا ہے جیسے کہ مندرجہ بالا آیت مبارکہ سے واضح ہے۔

(2) کوئی کام کرنا۔ کوئی حرکت یا کرتوت کرنا۔ ﴿ وَالّٰتِىْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ ﴾ (4/ النساء:15) ’’تمہاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کا کام کریں۔‘‘ ﴿ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۞ ﴾ (27/ النمل:54) ’’اور لوطؑ کا (ذکر کر) جب اُنہوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم بدکاری کرتے ہو اس حال میں کہ تم سمجھ رکھتے ہو۔‘‘ ﴿ يَفْرَحُوْنَ بِمَاۤ اَتَوْا ﴾ (3/ آل عمران:188) ’’وہ لوگ خوش ہوتے ہیں اُس پر جو اُنہوں نے کیا۔‘‘

يَاْتِ مضارع مجزوم ہے۔ ﴿ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۙ ﴾ (14/ ابراہیم:19) ’’اگر وہ چاہے تو لے جائے تم لوگوں کو اور وہ ایک نئی مخلوق لے آئے۔‘‘ ﴿ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ ﴾ (20/ طٰہٰ:74) ’’بیشک جو پہنچا اپنے رب کے پاس اس حال میں کہ وہ مجرم ہے تو یقیناً اس کے لئے جہنم ہے۔‘‘

اِئْتِ فعل امر ہے۔ تو پہنچ۔ تو آ۔ ’ب‘ کے صلے کے ساتھ مطلب ہوگا ’’تو لا‘‘۔ ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ ﴾ (2/ البقرہ:258) ’’بیشک اللہ سورج کو لاتا ہے مشرق سے، پس تو لے آ اس کو مغرب سے۔‘‘

اٰتٍ اسم الفاعل ہے۔ آنے والا۔ ﴿ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ ﴾ (6/ الانعام:134) ’’تم سے جس چیز کا وعدہ کیا جا رہا ہے وہ یقیناً آنے والی ہے۔‘‘ ﴿ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ ﴾ (29/ العنکبوت:5) ’’پس اللہ کا ٹھہرایا ہوا وقت یقیناً آنے والا ہے۔‘‘ یہ جب مضاف بنتا ہے تو اس کی شکل اٰتِىْ بن جاتی ہے۔ ﴿ اِنْ كُلُّ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِى الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ؕ۞ ﴾ (19/ مریم:93) ’’آسمان اور زمین میں جو بھی ہیں سب کے سب اللہ کے غلام بن کر ہی آنے والے ہیں۔‘‘ ﴿ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۞ ﴾ (19/ مریم:95) ’’یہ سارے کے سارے قیامت کے دن اکیلے اُس کے پاس حاضر ہونے والے ہیں۔‘‘ نوٹ کر لیں مضارع میں واحد متکلم کے صیغے کی بھی یہی شکل ہوتی ہے اس لیے دونوں میں فرق سیاق وسباق سے ہوتا ہے۔ جب اس کے ساتھ ’ب‘ کا صلہ لگتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں ’’لانے والا‘‘ ﴿ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ ﴾ (27/ النمل:39) ’’کہا ایک دیو نے جنوں میں سے میں لاؤں گا آپؑ کے پاس اُس کو اِس سے پہلے کہ آپؑ کھڑے ہوں اپنی جگہ سے۔‘‘

اٰتِیَۃٌ اسم الفاعل ہے۔مونث کا صیغہ۔آنے والی۔﴿ وَ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ ﴾(15/الحجر:85)''اور بے شک قیامت کی گھڑی ضرور آنے والی ہے۔''

مَاْتِیٌّ ناقص یائی میں اسم المفعول کا وزن مَفْعِیٌّ ہوتا ہے۔مَاْتِیٌّ اسی وزن پر بنا ہے۔لیکن یہ اسم الفاعل کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور اس کا مطلب ہوتا ہے آنے والا۔ پورا ہو کر رہنے والا۔(لغات القرآن،ج۵،ص ۲۶۲)۔﴿ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ﴾(19/مریم:61)''بے شک اُس کا وعدہ پورا ہونے والا ہی ہے۔''(ترجمہ احسن البیان)''بے شک اُس کا وعدہ پورا ہو کر رہنے والا ہے۔''(ترجمہ ماجدیؒ)

(افعال) اِیْتَاءً کسی تک پہنچانا۔دینا۔عطا کرنا۔﴿ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ ﴾(9/التوبۃ:18)''اور اس نے قائم کی نماز اور ادا کی زکوٰۃ۔''حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں:''قرآن مجید میں عموماً زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ کا لفظ اِیْتَاء کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔لفظ اِیْتَاء لغت میں عطاء کرنے کے معنی میں آتا ہے،امام راغب اصفہانیؒ نے مفردات القرآن میں فرمایا وَالْاِیْتَاءُ الْاِعْطَاءُ وَ خُصَّ وَضْعُ الصَّدَقَةِ فِي الْقُرْاٰنِ بِالْاِیْتَاءِ،یعنی ایتاء کے معنی عطاء فرمانے کے ہیں،اور قرآن میں صدقہ واجبہ ادا کرنے کو ایتاء کے لفظ کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے۔''اور ظاہر ہے کہ کسی کو کوئی چیز عطاء کرنے کا مفہوم حقیقی یہی ہے کہ اس کو اس چیز کا مالک بنا دیا جائے۔اور علاوہ زکوٰۃ وصدقات کے بھی لفظ ایتاء قرآن کریم میں مالک بنا دینے ہی کے لیے استعمال ہوا ہے،مثلاً اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ،یعنی دے دو عورتوں کو اِن کے مہر،ظاہر ہے مہر کی ادائیگی جب ہی تسلیم ہوتی ہے جب رقمِ مہر پر عورت کو مالکانہ قبضہ دیدے۔''(معارف القرآن،ج۴،ص۴۱۰)۔حضرت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:''عربی زبان میں''دینے''(ایتاء) کا لفظ صرف مال یا کوئی مادی چیز دینے ہی کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا بلکہ معنوی چیزیں دینے کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے مثلاً کسی شخص کی اطاعت قبول کر لینے کے لیے کہتے ہیں اٰتیته من نفسی القبول کسی شخص کی اطاعت سے انکار کر دینے کے لیے کہتے ہیں اٰتیته من نفسی الابائة۔''(تفہیم القرآن،ج۳،ص۲۸۶)۔عام طور پر اِس کے دو مفعول ہوتے ہیں یعنی کس کو دیا اور کیا دیا۔عربی محاورے میں اِیْتَاءٌ عَنِ الْيَمِيْنِ کا مطلب ہوتا ہے''کسی پر زور اور دباؤ ڈالنا''جیسے فرمایا:﴿ قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ﴾(37/الصافات:28)''(تابعین) کہیں گے کہ تمہاری ہی آمد ہم پر بڑے زور سے ہوا کرتی تھی۔''(ترجمہ ماجدیؒ)حاشیے میں حضرتؒ فرماتے ہیں:''ایتاء عن الیمین کے معنی محاورہ میں زور اور دباؤ ڈالنے کے آتے ہیں۔''یا اس محاورے سے مراد لی جاتی ہے''کسی کو نیکی اور بھلائی کے راستے سے روکنا''کیونکہ عربی میں یمین سے خیر اور برکت بھی مراد لی جاتی ہے۔تفسیر عثمانیؒ میں یہ دونوں باتیں بیان کر دی گئیں ہیں۔چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ الصافات:28 کا ترجمہ کرتے ہیں:''بولے تم ہی تھے کہ آتے تھے ہم پر داہنی طرف سے۔''اور حاشیے میں حضرت شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں:''یمین''(داہنے ہاتھ) میں عموماً زور وقوت زائد ہوتی ہے یعنی تم ہی تھے جو ہم پر چڑھے آتے تھے بہکانے کو زور دکھلا کر اور مرغوب کر کے۔یا یمین سے مراد خیر و برکت کی جانب لی جائے یعنی تم ہی تھے کہ ہم پر چڑھائی کرتے تھے بھلائی اور نیکی سے روکنے کے لیے۔''(تفسیر عثمانیؒ،ص۵۹۵)

یُؤْتِ مضارع مجزوم ہے۔﴿ وَ اٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴾(5/المآئدہ:20)''اور اس نے دیا تم لوگوں کو جو اس نے نہیں دیا کسی ایک کو تمام جہانوں میں سے۔''

اٰتِ ج:اٰتُوْا۔فعل امر ہے۔تو پہنچا۔تو دے۔﴿ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ ﴾(17/بنی اسرائیل:26)''اور تو پہنچا قرابت والوں کو ان کا حق۔''﴿ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ﴾(2/البقرۃ:43)''اور تم قائم کرو نماز اور تم دو زکوٰۃ۔''

اُوْتِیَ ماضی مجہول ہے۔دیا گیا۔﴿وَ مَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَ عِیْسٰی﴾(2/البقرہ:136)''اور جو دیا گیا موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو۔''﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ﴾(2/البقرہ:144)''بیشک جن لوگوں کو دی گئی کتاب وہ لوگ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے۔''

س و ر

(ن) سَوْرًا دیوار پر چڑھنا۔

سُوْرٌ اسم ذات ہے۔شہر پناہ۔شہر کی چار دیواری کو سُوْرٌ کہتے ہیں۔فصیل۔دیوار۔حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں:''یہ لفظ دراصل شہر پناہ کے لیے بولا جاتا ہے، جو بڑے شہروں کے گرد غنیم (ڈاکو، دشمن) سے حفاظت کے لیے بڑی مضبوط اور مستحکم چوڑی دیوار سے بنایا جاتا ہے، ایسی دیواروں میں فوج کے حفاظتی دستوں کی کمین گاہیں بھی بنی ہوتی ہیں جو حملہ آوروں سے باخبر رہتے ہیں۔''(معارف القرآن، ج۳،ص۵۶۷)﴿فَضُرِبَ بَیْنَهُمْ بِسُوْرٍ﴾(57/الحدید:13)''تو بنا دی گئی ان کے درمیان ایک فصیل۔''

سُوْرَةٌ ج:سُوَرٌ۔اسم ذات ہے۔(1) فضیلت میں بلند۔(2) شہر کی چار دیواری۔(3) کسی چیز کا بقیہ اور بچا ہوا حصہ (4) قرآن مجید کی سورت۔باقی تفصیل آیت بسم اللہ کے بعد دیکھیں۔﴿سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا﴾(24/النور:1)''یہ ایک سورت ہے، ہم نے اتارا اس کو۔''﴿فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ﴾(11/ھود:13)''تو تم لوگ لے آؤ اس کے جیسی دس سورتیں۔''

سِوَارٌ ج: اَسْوِرَةٌ اور اَسَاوِرُ۔اسم ذات ہے۔کنگن۔﴿فَلَوْ لَآ اُلْقِیَ عَلَیْهِ اَسْوِرَةٌ﴾(43/الزخرف:53)''تو کیوں نہیں ڈالے گئے اس پر کنگن سونے کے۔''﴿یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ﴾(18/الکہف:31)''وہ لوگ پہنائے جائیں گے اس میں سونے کے کنگن۔''

(تفعّل) تَسَوَّرًا دیوار پھلانگنا۔﴿اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۙ﴾(38/صٓ:21)''جب ان لوگوں نے پھلانگا محراب کو۔''

مِثْلٌ(م ث ل): البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔

د ع و

(ن) دُعَاءً، دَعْوَةً، دَعْوٰی (1) کسی کو پکارنا، مانگنا یا دعا کرنا۔﴿وَ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ﴾(39/الزمر:8)''اور جب بھی چھوتی ہے انسان کو کوئی تکلیف تو وہ پکارتا ہے اپنے رب کو۔''جب اس کے ساتھ 'لَ' کا صلہ استعمال ہو تو معنی ہوتے ہیں کسی کے حق میں دعا کرنا جیسے دَعَالَهٗ، اس نے اس کے حق میں دعا کی۔جب اس کے ساتھ عَلٰی کا صلہ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے کسی کو بددعا دینا۔جیسے دَعَا عَلَیْهِ۔اس نے اس کو بددعا دی۔

(2) کسی کو یاد کرنا۔اس کا ذکر کرنا۔

(3) کسی کو کسی چیز کی طرف دعوت دینا۔کسی کام یا مقصد کے لیے بلانا۔اِن معنوں میں اس کے ساتھ عام طور پر اِلٰی کا صلہ استعمال ہوتا ہے۔﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰهِ﴾(41/حٰمٓ السجدہ:33)''اور کون زیادہ اچھا ہے ،بلحاظ بات کے، اس سے جس نے بلایا اللہ کی طرف۔''

(4) کسی چیز کے بارے میں دعویٰ کرنا کہ یہ چیزیوں ہے۔﴿ اَنۡ دَعَوۡا لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾ ﴾(19/مریم:91)''اس بات پر کہ لوگوں نے رحمان کے لیے اولاد ہونے کا دعویٰ کیا۔''

حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں:''دعا کا لفظ قرآن میں دو معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے، ایک اللہ کا ذکر، اس کی حمد و ثنا، تسبیح و تمجید کے ساتھ۔ دوسرے حاجات و مشکلات کے وقت اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت طلب کرنا اور مصائب و آفات سے نجات اور مشکلات کی آسانی کی درخواست کرنا۔'' (معارف القرآن، ج۴،ص۱۲۹) اور پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''قرآن کریم کی وہ آیات جہاں دَعَا یَدۡعُوۡ کے فاعل مُشرک ہیں اور مفعول ان کے معبودانِ باطل ہیں۔ وہاں تمام متقدمین علماء تفسیر نے دعا یدعو کا معنی عَبَدَ یَعۡبُدُ (عبادت کرنا) کیا ہے۔'' (ضیاء القرآن، ج۲،ص،۱۱۴)

دُعِیَ ج: دُعُوۡا۔ ماضی مجہول ہے۔ بلایا گیا۔ پکارا گیا۔﴿ اِذَا دُعِیَ اللّٰہُ وَحۡدَہٗ کَفَرۡتُمۡ ۚ ﴾(40/مومن:12)''جب بھی پکارا گیا اللہ واحد کو تو تم لوگوں نے انکار کیا۔''﴿ اِنَّمَا کَانَ قَوۡلَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذَا دُعُوۡۤا اِلَی اللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ لِیَحۡکُمَ بَیۡنَہُمۡ اَنۡ یَّقُوۡلُوۡا سَمِعۡنَا وَ اَطَعۡنَا ؕ ﴾ (24/النور:51)''مومنوں کی بات تو بس یہ ہوتی ہے کہ جب بھی انہیں بلایا جاتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف تاکہ وہ فیصلہ کرے ان کے درمیان تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی۔''

یُدۡعٰی ج: یُدۡعَوۡنَ۔ مضارع مجہول ہے۔ بلایا جاتا ہے۔ پکارا جاتا ہے۔﴿ وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ وَ ہُوَ یُدۡعٰۤی اِلَی الۡاِسۡلَامِ ؕ ﴾(61/الصّف:7)''اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے جھوٹ باندھا اللہ پر اس حال میں کہ اسے بلایا جاتا ہے اسلام کی طرف۔''﴿ یُدۡعَوۡنَ اِلٰی کِتٰبِ اللّٰہِ لِیَحۡکُمَ بَیۡنَہُمۡ ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیۡقٌ مِّنۡہُمۡ ﴾ (3/آل عمران:23)''ان لوگوں کو بلایا جاتا ہے اللہ کی کتاب کی طرف تاکہ وہ فیصلہ کرے ان کے درمیان، تو منہ موڑتا ہے ان میں سے ایک فریق۔''

لَاتَدۡعُ فعل نہی ہے۔ تو مت پکار۔﴿ فَلَا تَدۡعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ فَتَکُوۡنَ مِنَ الۡمُعَذَّبِیۡنَ ﴿۲۱۳﴾ ﴾(26/الشعراء:213)''پس تو مت پکار اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پھر تو ہو جائے گا عذاب دیئے ہوئے لوگوں میں سے۔''

اُدۡعُ فعل امر ہے۔ تو پکار۔ تو بلا۔ تو مانگ۔ تو دعا کر۔﴿ فَادۡعُ لَنَا رَبَّکَ یُخۡرِجۡ لَنَا مِمَّا تُنۡۢبِتُ الۡاَرۡضُ ﴾(2/البقرہ:61)'' پس تو پکار ہمارے لئے اپنے رب کو کہ وہ نکالے ہمارے لئے اس میں سے جو اگاتی ہے زمین۔''﴿ اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَالۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ ﴾(16/النحل:125)''تو بلا اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت سے اور اچھی نصیحت سے۔''

دَاعِ اسم الفاعل ہے۔ پکارنے والا۔ بلانے والا۔﴿ وَ اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیۡ عَنِّیۡ فَاِنِّیۡ قَرِیۡبٌ ؕ اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ ﴾ (2/البقرہ:186) ''اور جب بھی تجھ سے پوچھیں میرے بندے میرے بارے میں تو یقیناً میں قریب ہوں، میں جواب دیتا ہوں پکارنے والے کی پکار کا جب بھی وہ پکارتا ہے مجھ کو۔''

دَعۡوَۃٌ اسم ذات بھی ہے۔ دعا۔ پکار۔ بلاوا۔ دعوت۔ اوپر آیت نمبر۔(2/البقرہ:186) دیکھیں

دُعَآءٌ اسم ذات بھی ہے۔ پکار۔ بلاوا۔ دعا۔﴿ اِنَّکَ سَمِیۡعُ الدُّعَآءِ ﴾(3/آل عمران:38)''بیشک تو ہر وقت اور ہر حال میں دعا کا سننے والا ہے۔''

دَعۡوٰی اسم ذات بھی ہے۔ پکار۔ دعا۔﴿ فَمَا کَانَ دَعۡوٰىہُمۡ اِذۡ جَآءَہُمۡ بَاۡسُنَاۤ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا اِنَّا کُنَّا ظٰلِمِیۡنَ ﴿۵﴾ ﴾

(7/الاعراف:5)''تو نہیں تھی ان کی پکار جب آیا ان کے پاس ہمارا عذاب، سوائے اس کے کہ انہوں نے کہا کہ بیشک ہم ظالم تھے۔''﴿دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ﴾(10/یونس:10)''اُسی میں اُن کا قول ہوگا پاک ہے تو اے اللہ اور اُس میں اُن کی (باہمی) دعا ''سلام'' ہوگی۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔حاشیے میں حضرتؒ فرماتے ہیں: ''دعویٰ یہاں دونوں موقعوں پر دعا یا پکار کے معنی میں لیا گیا ہے۔''

(افعال) اِدْعَاءً باپ کے علاوہ کسی اور سے منصوب کر کے پکارنا۔منہ بولا بیٹا کہنا۔

دَعِیٌّ ج: اَدْعِیَاءُ۔ اسم ذات ہے۔منہ بولا بیٹا۔لے پالک۔فَعِیْلٌ کا وزن ہے بمعنی مَفْعُوْلٌ۔ یعنی مَدْعُوٌّ۔جس کو پکارا گیا۔یعنی جس کو بیٹا کہہ کر پکارا گیا ہو۔﴿وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ؕ﴾(33/الاحزاب:4)''اور اس نے یعنی اللہ نے نہیں بنایا تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے بیٹے۔''

(افتعال) اِدِّعَاءً طلب کرنا۔مانگنا۔﴿لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّ لَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ۚ﴾(36/یٰس:57)''ان کے لئے ہے وہاں میوہ اور ان کے لئے ہے جو وہ مانگیں گے۔''

ش	ھ	د

(س۔ک) (ا) شُهُوْدًا حاضر ہونا۔موقع پر موجود ہونا۔معائنہ کرنا۔﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ﴾(2/البقرہ:185)''تو جو موجود ہو اس مہینے میں یا دیکھے اس مہینہ کو تو اسے چاہیے کہ وہ روزے رکھے اس کے۔''

(ب) شَهَادَةً گواہی دینا۔﴿وَ تُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ ﴾(36/یٰسین:65)''اور بات کریں گے ہم سے ان کے ہاتھ اور گواہی دیں گے ان کے پیر۔'' گواہی عینی بھی ہوسکتی ہے اور قلبی بھی۔عینی گواہی وہ ہے جس کی بنیاد انسان کا اپنا مشاہدہ ہو یعنی جس معاملے کو انسان نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو۔اور قلبی گواہی وہ ہے جس کی بنیاد بصیرت ہو۔بصیرت، دل کی اس روشنی یا بینائی کو کہتے ہیں جس سے انسان چیزوں کی حقیقت سے آگاہ ہوتا ہے۔مثلاً کلمہ شہادت، جو ہر مسلمان گواہی دیتا ہے۔حالانکہ کسی مسلمان نے اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا اور صحابہؓ کے علاوہ دوسرے مسلمانوں نے رسول اللہؐ کو بھی نہیں دیکھا۔ ہر مسلمان یہ گواہی بصیرت کی بنیاد پر دیتا ہے۔پھر یہی قلبی گواہی اپنی ذات سے متعلق ہو تو معنی ہوتے ہیں ''اقرار کرنا'' مثلاً:﴿قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا ﴾(6/الانعام:130)''اور وہ سب عرض کریں گے کہ ہم اپنے اوپر اقرار کرتے ہیں۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔کسی کے حق میں گواہی دینے سے وہ گواہی ایک طرح سے اس کی تقویت کا باعث بنتی ہے۔اس لیے یہ لفظ کسی کے حق میں گواہی دے کر اس کی مدد کرنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔اسی لیے شہید کا ایک معنی ''مددگار'' بھی کیا گیا ہے۔کبھی شہادت کے معنی ''فیصلہ کرنے'' کے بھی آتے ہیں۔مثلاً:﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَآ ۚ﴾(12/یوسف:26)''اور گواہی دی ایک گواہ نے جو اس عورت کے خاندان سے تھا۔'' اس آیت کے تحت علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں:''یہاں شَهِدَ شَاهِدٌ، حَكَمَ حَاكِمٌ کے معنی میں ہے کہ ایک فیصلہ کرنے والے نے فیصلہ کر دیا۔ کیونکہ شہادت کے لیے شاہد کا موقع پر حاضر ہونا ضروری ہے اور جس نے یہ بات کہی وہ موقع پر موجود نہ تھا۔(بحوالہ ضیاء القرآن، ج۲،ص۴۲۵)۔'شہادت' کا اصطلاحی معنی ہے ''اللہ کی راہ میں جان دینا''۔گویا جان دینے والے کو عقیدہ آخرت اور جزا و سزا پر اتنا پختہ یقین ہوتا ہے کہ وہ اپنی جان دے کر اس کی گواہی پیش کرتا ہے۔شَهِدَ کے ساتھ عَلٰی کا صلہ آئے تو عام طور پر اس کے معنی ہوتے ہیں کسی کے خلاف گواہی دینا اور اگر 'لٰ' کا صلہ آئے تو معنی ہوتے ہیں کسی کے حق میں گواہی دینا۔(واللہ اعلم)

مَشْهَدٌ (1) مصدر میمی ہے۔ حاضر ہونا۔ موجود ہونا۔
(2) اسم ظرف مکان یا زمان ہے۔ حاضری کی جگہ یا حاضری کا وقت۔ شہادت گاہ۔ ﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۳۷﴾ (19/مریم:37) ''پس کافروں کے لیے ''ویل'' ہے ایک بڑے سخت دن کی حاضری سے۔'' (ترجمہ احسن البیان)

اِشْهَدْ ج: اِشْهَدُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو گواہی دے۔ تو گواہ رہ۔ ﴿وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝۵۴﴾ (11/ھود:54) ''اور تم لوگ گواہ رہو کہ میں بری ہوں اس سے جو تم لوگ شرک کرتے ہو۔''

شَاهِدٌ ج: شَاهِدُوْنَ۔ شُهُوْدٌ۔ اَشْهَادٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ حاضر رہنے والا۔ گواہی دینے والا۔ ﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَآ﴾ (12/یوسف:26) ''اور گواہی دی ایک گواہی دینے والے نے اس کے گھر والوں میں سے۔'' ﴿اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ۝۱۵۰﴾ (37/الصافات:150) ''کیا ہم نے فرشتوں کو مؤنث پیدا کیا اور وہ دیکھ رہے تھے۔'' ﴿وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ۝۱۲ وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا ۝۱۳﴾ (74/مدثر:13،14) ''اور میں نے بنایا اس کے لئے کثیر مال اور حاضر رہنے والے بیٹے۔'' ﴿وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ﴾ (11/ھود:18) 'اور کہیں گے گواہی دینے والے یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے جھوٹ کہا اپنے رب پر۔''

شَهِيْدٌ ج: شُهَدَاءُ۔ فَعِيْلٌ کا وزن ہے۔ ہمیشہ اور ہر حال میں گواہی دینے والا۔ کسی جگہ موجود ہونے والا۔ حاضر۔ نگران۔ مدد کرنے والا (ابن عباسؓ)۔ ﴿لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ (2/البقرہ:143) ''تاکہ تم لوگ ہو جاؤ گواہی دینے والے لوگوں پر اور ہو جائیں رسول ﷺ تم لوگوں پر گواہی دینے والے۔'' یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے وہ ہستی جس کے علم سے کوئی چیز غائب نہ ہو۔ اور کبھی اس مفہوم کے ساتھ یہ معنی بھی شامل ہوتا ہے کہ وہ قیامت میں خلق پر گواہ ہوگا۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۱۷﴾ (22/الحج:17) ''اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے۔'' اصلاحِ شرع میں شہید وہ شخص ہے جو اللہ کی راہ میں قتل کیا گیا ہو۔ حضرت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''شہید کے اصل معنی گواہ کے ہیں۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے ایمان کی صداقت پر اپنی زندگی کے پورے طرزِ عمل سے شہادت دے۔ اللہ کی راہ میں لڑ کر جان دینے والے کو بھی شہید اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ جان دے کر ثابت کر دیتا ہے کہ وہ جس چیز پر ایمان لایا تھا اسے واقعی سچے دل سے حق سمجھتا تھا اور اسے اتنا عزیز رکھتا تھا کہ اس کے لیے جان قربان کرنے میں بھی اس نے دریغ نہ کیا۔ ایسے راستباز لوگوں کو بھی شہید کہا جاتا ہے جو اس قدر قابلِ اعتماد ہوں کہ جس چیز پر وہ شہادت دیں اس کا صحیح و برحق ہونا بلا تامل تسلیم کر لیا جائے۔'' (تفہیم القرآن، ج۱، ص:۳۷۰)۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں: ''شہید کا وزن فعیل بمعنی فاعل ہے۔ وہ شخص جو کبھی نورِ برہان اور قوت بیان سے اور کبھی شمشیر و سنان سے دینِ الٰہی کی حقانیت کی شہادت دے، وہ شہید کہلاتا ہے اور راہِ خدا میں قتل ہونے والے کو اسی مناسبت سے شہید کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنی جان قربان کر کے دین کی حقانیت کی گواہی دی۔ اس کے معاً بعد امام رازیؒ لکھتے ہیں کہ وہی افراد جو دنیا میں دین کی صداقت کے شاہد رہے وہی قیامت کے روز لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ کے مصداق ہوں گے۔'' (بحوالہ ضیاء القرآن، ج۱، ص۳۶۲)

مَشْهُوْدٌ اسم المفعول ہے۔ جسے حاضر کیا جائے۔ جو دکھلایا جائے۔ جس کا معائنہ کیا جائے۔ جس کے لیے گواہی دی جائے۔ ﴿ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ۝۱۰۳﴾ (11/ھود:103) ''وہ جمع کیے جانے والا دن ہے لوگوں کو اور وہ حاضر کیے جانے والا دن ہے۔''

شَهَادَةٌ ج: شَهَادَاتٌ۔ اسم ذات ہے۔ ظاہر یا حاضر چیز۔ گواہی، وہ بیان جو اس علم کی بنیاد پر ہو جو مشاہدہ بصیرت یا مشاہدہ بصر کے ذریعے حاصل ہو۔ ﴿وَ سَتُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ﴾ (9/توبہ:105) ''اور تم لوگ لوٹائے جاؤ گے حاضر اور غائب کے جاننے والے کی طرف۔'' ﴿وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ﴾ (2/البقرہ:140) ''اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے چھپایا گواہی کو جو اس کے پاس ہے اللہ کی طرف سے۔'' ﴿فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ﴾ (24/نور:6) 'ان میں سے ایک کی گواہی چار گواہیاں ہیں۔''

(افعال) اِشْهَادًا کسی کو گواہ بنانا۔ ﴿وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ﴾ (7/اعراف:172) 'اور جب نکالا تیرے رب نے آدمؑ کی اولاد کو ان کی پشتوں سے اور ان کو گواہ بنایا ان کے نفس پر۔''

اَشْهِدْ ج: اَشْهِدُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو گواہ بنا۔ ﴿وَ اَشْهِدُوْۤا اِذَا تَبَایَعْتُمْ ۪﴾ (2/البقرہ:282) '' اور تم لوگ گواہ بناؤ جب خرید و فروخت کرو۔''

(استفعال) اِسْتِشْهَادًا گواہی کیلئے کہنا۔ گواہ طلب کرنا۔ گواہ بنانا۔

اِسْتَشْهِدْ ج: اِسْتَشْهِدُوْا۔ فعل امر ہے۔ گواہ طلب کرو۔ ﴿فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ﴾ (4/النساء:15) ''تو تم لوگ گواہ طلب کرو ان عورتوں پر اپنوں میں سے چار۔''

دُوْنَ دُوْنَ کا لفظ عربی زبان میں تین مختلف معنوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ایک، کسی اونچی چیز کے مقابلے میں نیچے ہونا۔ دوسرے، کسی افضل و اشرف چیز کے مقابلے میں کم تر ہونا۔ تیسرے، کسی چیز کے ماسوا یا اس کے علاوہ ہونا۔ (تفہیم القرآن، ج۵، ص۲۷۰)

اَللّٰهُ (ء ل ہ): آیت بسم اللہ دیکھیں۔

ص د ق

(ن) صِدْقًا سچ بولنا۔ سچ کر دکھانا۔ سچائی کا مطلب ہے کہ (1) دل اور زبان میں ہم آہنگی ہو (2) بات واقعہ کے مطابق ہو اور (3) عمل قول کے مطابق ہو۔ ﴿هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ صَدَقَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ﴾ (33/الاحزاب:22) ''یہ ہے وہ جو ہم سے وعدہ کیا اللہ نے اور اس کے رسول نے اور سچ کہا اللہ نے اور اس کے رسول نے۔'' ﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْیَا بِالْحَقِّ ۚ﴾ (48/الفتح:27) ''بیشک اللہ نے عملاً سچ کر دیا اپنے رسول کے خواب کو حق کے ساتھ۔'' صِدْقٌ کی ضد کِذْبٌ ہے۔ (کذب کی لغت کے لیے آیت 10 دیکھیں) اصل میں صِدْقٌ اور کِذْبٌ، قول (بات) سے متعلق ہیں۔ کوئی بات سچ اس وقت ہوتی ہے جب دل اور زبان میں بھی ہم آہنگی ہو اور جس کے متعلق جو بات کہی گئی ہو وہ بھی حقیقت میں ویسا ہی ہو۔ اگر ان میں سے کوئی شرط پوری نہ ہو تو یہ ''صدق تام'' (یعنی مکمل سچ) نہ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المنافقون کی آیت 1 میں منافقین کو جو جھوٹا قرار دیا ہے تو وہ اس وجہ سے ہے کہ منافقین زبان سے تو سچ بول رہے تھے اور حضورؐ کے بارے میں جو خبر دے رہے تھے (کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں) وہ بھی صحیح تھی لیکن دل میں اس کے خلاف عقیدہ رکھتے تھے اس لیے ان کی اس گواہی کو سچ نہیں مانا گیا۔ نیز صِدْق کا استعمال افعال جوارح (جارحہ کی جمع۔ انسان کے ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء) کے لیے بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ جب کوئی شخص جنگ کا حق ادا کر دے تو کہا جاتا ہے صَدَقَ فِی الْقِتَالِ وہ جنگ میں سچا رہا یعنی جو کچھ اس پر لازم تھا اس نے کر دکھایا مطلب جان توڑ کر لڑا اور اپنے عمل سے بہادری ثابت کر دی اور اگر اس کے خلاف ہو تو کہا جاتا ہے کہ کَذَبَ فِی الْقِتَالِ وہ جنگ میں جھوٹا رہا یعنی

بزدل ثابت ہوا۔قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ﴾ (الاحزاب:23)''ایمان لانے والوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا ہے۔''نیز اہل عرب کی یہ عادت ہے کہ جس چیز میں ظاہری یا باطنی فضیلت ہو یا جب وہ کسی چیز کی خوبی بیان کریں تو اسے صِدْقٌ کی طرف مضاف کر دیتے ہیں یعنی وہ چیز اتنی عمدہ ہے کہ اس سے بھلائی کی جو توقع کی جائے گی وہ چیز اس پر پوری اترے گی اور توقع کرنے والے کی تصدیق کر دے گی۔اسی لیے قرآن مجید میں قَدَمَ صِدْقٍ، اونچا مرتبہ، بلند مرتبہ (یونس:2)، مُبَوَّاَ صِدْقٍ، پسندیدہ جگہ (یونس:93)، مُدْخَلَ صِدْقٍ، سچا داخل کرنا، مُخْرَجَ صِدْقٍ، سچا نکالنا (بنی اسرائیل:80)، لِسَانَ صِدْقٍ، سچا بول، ذکر خیر (مریم:50، اور الشعراء:84) اور مَقْعَدِ صِدْقٍ، سچی بیٹھک، اعلیٰ مقام (القمر:55) کے الفاظ آئے ہیں۔یاد رہے کہ صَدَقَ کا تعدیہ کبھی دو مفعولوں کی طرف بھی ہوتا ہے جیسے فرمایا:﴿وَ لَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ﴾ (آل عمران:152)''بے شک اللہ نے (تائید و نصرت کا) جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ اُس نے سچا کر دیا۔''

صَادِقٌ ج: صَادِقُوْنَ۔اسم الفاعل ہے۔سچ کہنے والا۔سچ کرنے والا۔سچا۔﴿وَ اِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ؕ﴾ (40/المؤمن:28)''اور اگر وہ ہوا سچ کہنے والا تو آن پہنچے گا اس میں سے بعض جس کا وہ وعدہ کرتا ہے تم سے۔'' ﴿ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۫ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝﴾ (6/الانعام:146)''یہ ہم نے جزا دی ان کو ان کی سرکشی کے سبب سے اور یقیناً ہم سچ کہنے والے ہیں۔''

اَصْدَقُ اسم التفضیل ہے۔زیادہ سچا۔﴿وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ۝﴾ (4/النساء:122)''اور کون زیادہ سچا ہے اللہ سے، بلحاظ بات کے۔''

صِدْقٌ اسم ذات بھی ہے۔سچائی۔﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَ كَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ﴾ (39/الزمر:32) ''اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے جھوٹ کہا اللہ پر اور جھٹلایا سچائی کو جب وہ آئی اس کے پاس۔''

صَدِيْقٌ اسم ذات ہے۔دوست۔﴿فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ۙ۝ وَ لَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ۝﴾ (26/الشعراء:100-101)''تو نہیں ہے ہمارے لئے کوئی شفاعت کرنے والا اور نہ کوئی گرم جوش دوست۔''

صِدِّيْقٌ فِعِّيْلٌ کے وزن پر مبالغے کا صیغہ ہے۔بہت سچا۔انتہائی سچا۔صِدِّيْقٌ وہ ہے جس سے کثرت سے سچائی ظاہر ہوا اور وہ کبھی جھوٹ نہ بولے۔بعض علماء نے فرمایا ہے کہ صدیق وہ ہے جس کو سچائی کی عادت کی وجہ سے جھوٹ بولنا ہی نہ آتا ہو۔﴿وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۚ﴾ (57/الحدید:19)''اور جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر وہ لوگ ہی کامل سچے ہیں۔''حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں:''لفظ صِدِّيْقٌ بکسر صاد قرآن کا ایک اصطلاحی لفظ ہے اس کے معنی اور تعریف میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔بعض نے فرمایا کہ جس شخص نے عمر میں کبھی جھوٹ نہ بولا ہو وہ صدیق ہے بعض نے فرمایا کہ جو شخص اعتقاد اور قول و عمل ہر چیز میں صادق ہو یعنی جو دل میں اعتقاد ہو ٹھیک وہی زبان پر ہو اور اس کا ہر فعل اور ہر حرکت و سکون اسی اعتقاد اور قول کے تابع ہو۔روح المعانی اور مظہری وغیرہ میں اسی آخری معنی کو اختیار کیا ہے اور پھر صدیقیت کے درجات متفاوت (مختلف، فرق والے) ہیں۔اصل صدیق تو نبی و رسول ہی ہو سکتا ہے اور ہر نبی و رسول کے لیے صدیق ہونا وصف لازم ہے مگر اس کا عکس نہیں کہ جو صدیق ہو اس کا نبی ہونا ضروری ہو بلکہ غیر نبی بھی جو اپنے نبی و رسول کے اتباع میں صدق کا یہ مقام حاصل کر لے وہ بھی صدیق کہلائے گا۔

حضرت مریم کو خود قرآن کریم نے اُمّہٗ صِدیقہ کا خطاب دیا ہے حالانکہ جمہور اُمت کے نزدیک وہ نبی نہیں، اور کوئی عورت نبی نہیں ہوسکتی۔'' (معارف القرآن، ج۶،ص ۳۴)

حضرت مولانا مودودیؒ اس لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''صِدِّیْقٌ سے مراد وہ شخص ہے جو نہایت راست باز ہو، جس کے اندر صداقت پسندی اور حق پرستی کمال درجہ پر ہو، جو اپنے معاملات اور برتاؤ میں ہمیشہ سیدھا اور صاف طریقہ اختیار کرے، جب ساتھ دے تو حق اور انصاف ہی کا ساتھ دے اور سچے دل سے دے، اور جس چیز کو حق کے خلاف پائے اس کے مقابلہ میں ڈٹ کر کھڑا ہوجائے اور ذرا کمزوری نہ دکھائے۔ جس کی سیرت ایسی ستھری اور بے لوث ہو کہ اپنے اور غیر کسی کو بھی اس سے خالص راست روی کے سوا کسی دوسرے طرزِ عمل کا اندیشہ نہ ہو۔'' (تفہیم القرآن، ج۱،ص: ۳۷۰)۔ حضرت مولانا مودودیؒ نے اس لفظ کی مزید وضاحت تفہیم القرآن، ج۵،ص ۳۱۶ پر بھی کی ہے۔ وہاں سے بھی ایک نظر دیکھ لیا جائے۔

صَدَقَۃٌ ج: صَدَقَاتٌ۔ اسم ذات ہے۔ خیرات۔ زکوٰۃ۔ یہ عملی سچائی کا مظہر ہے اور لفظ صدقہ فرض خیرات یعنی زکوٰۃ اور نفلی خیرات، دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ﴿یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَ یُرْبِی الصَّدَقٰتِ ؕ﴾ (2/البقرۃ:276) ''اللہ بے برکت کرتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو۔'' حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''صدقہ لغت میں مال کے اس جزء کو کہا جاتا ہے جو اللہ کے لیے خرچ کیا جائے (قاموس)۔ امام راغبؒ نے مفردات القرآن میں فرمایا کہ صدقہ کو صدقہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا دینے والا گویا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں اپنے قول و فعل میں صادق ہوں، اس کے خرچ کرنے کی کوئی غرض دنیوی نہیں، بلکہ صرف اللہ کی رضا کے لیے خرچ کر رہا ہوں، اسی لیے جس صدقہ میں کوئی نام ونمود یا دنیوی غرض شامل ہوجائے قرآن کریم نے اس کو کالعدم قرار دیا ہے۔ لفظ صدقہ اپنے اصلی معنی کی رُو سے عام ہے، نفلی صدقہ کو بھی کہا جاتا ہے، فرض زکوٰۃ کو بھی، نفل کے لیے اس کا استعمال عام ہے ہی، فرض کے لیے بھی قرآن کریم میں بہت جگہ یہ لفظ استعمال ہوا ہے، جیسے خُذْ مِنْ اَمْوَالِھِمْ صَدَقَۃً اور آیت زیر بحث (توبہ:60) اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ وغیرہ، بلکہ قرطبیؒ کی تحقیق تو یہ ہے کہ قرآن میں جب مطلق لفظ صدقہ بولا جاتا ہے تو اس سے صدقۂ فرض ہی مراد ہوتا ہے، اور روایات حدیث میں لفظ صدقہ ہر نیک کام کے لیے بھی استعمال ہوا ہے، جیسے حدیث میں ہے کہ کسی مسلمان سے خوش ہو کر ملنا بھی صدقہ ہے، کسی بوجھ اٹھانے والے کا بوجھ اُٹھوا دینا بھی صدقہ ہے، کنویں سے پانی کا ڈول اپنے لیے نکالا اس میں سے کسی دوسرے کو دے دینا بھی صدقہ ہے، اس حدیث میں لفظ صدقہ مجازی طور پر عام معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔'' (معارف القرآن، ج۴،ص ۳۹۵)

حضرت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''صَدَقَہ اردو زبان میں تو بہت ہی برے معنوں میں بولا جاتا ہے، مگر اسلام کی اصطلاح میں یہ اُس عطیے کو کہتے ہیں جو سچے دل اور خالص نیت کے ساتھ محض اللہ کی خوشنودی کے لیے دیا جائے، جس میں کوئی ریا کاری نہ ہو، کسی پر احسان نہ جتایا جائے، دینے والا صرف اس لیے دے کہ وہ اپنے رب کے لیے عبودیت کا سچا جذبہ رکھتا ہے۔ یہ لفظ صدق سے ماخوذ ہے اس لیے صداقت عین اس کی حقیقت میں شامل ہے۔ کوئی عطیہ اور کوئی صَرفِ مال اُس وقت تک صدقہ نہیں ہوسکتا جب تک اس کی تہ میں انفاق فی سبیل اللہ کا خالص اور بے کھوٹ جذبہ موجود نہ ہو۔'' (تفہیم القرآن، ج۵،ص ۳۱۵)

صَدُقَۃٌ ج: صَدُقَاتٌ۔ بیوی کا حق مہر۔ ﴿وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِھِنَّ نِحْلَۃً ؕ﴾ (4/النساء:4) ''اور عورتوں کے مہر خوشدلی کے ساتھ ادا کرو۔'' حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''صَدُقَۃ اور صُدَاق عورتوں کے مہر کو کہا جاتا ہے، ملا علی قاریؒ

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں: وَسُمِّيَ بِهٖ لِاَنَّهٗ يَظْهَرُ بِهٖ صِدْقُ مَيْلِ الرَّجُلِ اِلَى الْمَرْأَةِ، یعنی مہر کو صُداق اور صَدُقہ اس لیے کہتے ہیں کہ ''صدق'' کے اس مادہ میں سچ کے معنی ہیں، اور مہر سے بھی چونکہ شوہر کا اپنی بیوی کی طرف سچا میلان ظاہر ہوتا ہے اس لیے اس مناسبت سے مہر کو صُداق کہنے لگے۔'' (معارف القرآن، ج ۲، ص ۲۹۹)

(تفعیل) تَصْدِيْقًا (1) کسی کو سچا قرار دینا، کسی کی تصدیق کرنا۔ (2) سچ کر دکھانا۔ ﴿وَ الَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ﴾ (70/المعارج:26) ''اور جو لوگ سچا قرار دیتے ہیں یعنی تصدیق کرتے ہیں بدلے کے دن کی۔''

مُصَدِّقٌ اسم الفاعل ہے۔ تصدیق کرنے والا۔ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ﴾ (4/النساء:47) ''اے لوگو جن کو دی گئی کتاب، تم لوگ ایمان لاؤ اس پر جو ہم نے نازل کیا اس حال میں کہ وہ تصدیق کرنے والا ہے اس کی جو تمہارے پاس ہے۔''

(تفعّل) تَصَدُّقًا تَصَدَّقَ، اِصَّدَّقَ (ماضی) اور يَتَصَدَّقُ، يَصَّدَّقُ (مضارع)۔ اپنے حق سے دست بردار ہونا۔ دوسرے کو حق سے زیادہ دینا۔ خیرات کرنا۔ ﴿وَ اَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ (2/البقرہ:280) ''اور یہ کہ تم لوگ اپنا حق چھوڑ دو، بہتر ہے تمہارے لئے۔''

تَصَدَّقْ فعل امر ہے۔ تُو زیادہ دے۔ تُو خیرات کر۔ ﴿فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَ تَصَدَّقْ عَلَيْنَا﴾ (12/یوسف:88) ''پس تو پورا بھر ہمارے لئے پیمانے کو اور زیادہ دے۔''

مُتَصَدِّقٌ اور مُصَّدِّقٌ اسم الفاعل ہے۔ خیرات کرنے والا۔ ﴿وَ الْمُتَصَدِّقِيْنَ وَ الْمُتَصَدِّقٰتِ وَ الصَّآئِمِيْنَ وَ الصَّآئِمٰتِ﴾ (33/الاحزاب:35) ''اور خیرات کرنے والا اور خیرات کرنے والیاں اور روزے والے اور روزے والیاں''۔ ﴿اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَ الْمُصَّدِّقٰتِ﴾ (57/الحدید:18) ''بیشک خیرات کرنے والے اور خیرات کرنے والیاں۔''

ترکیب 'وَ' استئنافیہ ہے۔ یعنی اس سے نیا جملہ شروع ہو رہا ہے۔ اِنْ شرطیہ ہے اور آگے كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ سے عَلٰى عَبْدِنَا تک پورا جملہ شرط ہے۔ اس میں كُنْتُمْ کا اسم اس میں شامل ضمیر ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے اور فِيْ رَيْبٍ متعلق خبر ہے۔ مِّمَّا میں مِنْ حرف جر ہے اور 'مَا' موصول ہے۔ اگلا جملہ فعلیہ نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا، صلہ ہے 'مَا' موصول کا۔ نَزَّلْنَا فعل ہے اور اس میں شامل ضمیر اس کا فاعل ہے۔ عَلٰى عَبْدِنَا، متعلق فعل ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مجرور ہیں، مِنْ کی وجہ سے اور جار مجرور مل کر صفت ہیں رَيْبٍ کی۔ آگے فَاْتُوْا سے شروع ہونے والا جملہ جواب شرط ہے۔ اس میں 'ف' جواب شرط کے لیے ہے اور اِئْتُوْا فعل امر ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر ہے۔ بِسُوْرَةٍ متعلق فعل ہے۔ بِسُوْرَةٍ میں 'ب' تعدیہ کا ہے جس سے معنی ہو جائیں گے ''تم لے آؤ ایک سورۃ'' مِّنْ مِّثْلِهٖ صفت ہے سورت کی۔ اگر ہوتا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ تو مطلب ہوتا ''اس کے جیسی ایک سورۃ''۔ لیکن یہاں مِنْ کی وجہ سے معنی ہوں گے ''ایک سورۃ جو کسی بھی لحاظ سے یا کسی بھی پہلو سے اس کے جیسی ہو'' (مِنْ تبعیضیہ)۔ مزید یہ کیا گیا کہ سورہ پر 'ال' داخل نہیں کیا یعنی کوئی خاص سورت مراد نہیں لی گئی۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ قرآنِ مجید کی چھوٹی سے چھوٹی سورت بھی اس دعویٰ میں شامل ہو گئی۔ (واللہ اعلم)۔ وَادْعُوْا میں 'وَ' عطف کا ہے اور اُدْعُوْا عطف ہے فَاْتُوْا پر۔ اُدْعُوْا میں شامل ضمیر اس کا فاعل ہے آگے شُهَدَآءَكُمْ اس کا مفعول ہے اور مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ متعلق فعل ہے۔ اگلا جملہ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ پھر جملہ شرطیہ ہے۔ كُنْتُمْ کا اسم اس میں شامل ضمیر ہے اور صٰدِقِيْنَ اس کی خبر ہے۔ اس کا جواب شرط محذوف ہے جو کہ فَافْعَلُوْا ذٰلِكَ ہو سکتا ہے۔ (درویشؒ)۔

ترجمہ	وَاِنْ	كُنْتُمْ	فِيْ رَيْبٍ	مِّمَّا	نَزَّلْنَا	عَلٰى عَبْدِنَا
البقرۃ:23	اور اگر	تم لوگ ہو	کسی شک میں	اس کے بارے میں جو	ہم نے اتارا	اپنے بندے پر

فَاْتُوْا	بِسُوْرَةٍ	مِّنْ مِّثْلِهٖ ص	وَادْعُوْا	شُهَدَآءَكُمْ
تو تم لوگ آؤ	ایک سورہ کے ساتھ	کسی طرح اس کے جیسی	اور تم لوگ بلاؤ	اپنے مددگاروں کو

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اِنْ كُنْتُمْ	صٰدِقِيْنَ ۝۲۳
اللہ کے علاوہ	اگر تم لوگ ہو	سچے

نوٹ:1 حرف شرط اِنْ عام طور پر ماضی پر نہیں آتا۔لیکن اگر آئے تو پھر ماضی کا ترجمہ حال میں ہوتا ہے۔اس لئے اِنْ كُنْتُمْ کے معنی ہیں اگر تم لوگ ہو۔

نوٹ:2 اَتٰى (پہنچنا۔آنا)اور جَاءَ (آنا) ،یہ دو فعل ایسے ہیں جن کے ساتھ مفعول آتا ہے،حالانکہ یہ دونوں افعال لازم ہیں۔جیسے هَلْ اَتٰكَ (کیا وہ پہنچا/آیا تیرے پاس)۔اِذْجَاءَ هُمْ (جب وہ آیا ان کے پاس) اس کو ایک استثناء کی صورت بھی کہہ سکتے ہیں۔لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں افعال کے مفعول سے پہلے عام طور پر لفظ عِنْدَ محذوف ہوتا ہے۔جیسے هَلْ اَتٰكَ دراصل هَلْ اَتٰى عِنْدَكَ ہے۔اور اِذْجَاءَ هُمْ دراصل اِذْجَاءَ عِنْدَهُمْ ہے۔اس طرح دراصل یہ مفعول نہیں بلکہ متعلق فعل ہوتا ہے۔جیسے جَلَسَ عَلَى الْكُرْسِيِّ (وہ بیٹھا کرسی پر) میں عَلَى الْكُرْسِيِّ متعلق فعل ہے۔(از لطف الرحمٰن خان صاحب)

آیت:24

﴿ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝۲۴ ﴾

اِنْ: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔

ف	ع	ل

(ف) **فَعْلًا** کرنا۔﴿ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ﴾(2/البقرۃ:85)''اُن کی سزا اِس کے سوا اور کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل وخوار ہو کر رہیں۔''﴿ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ ﴾(7/الاعراف:155) ''کیا تو ہلاک کرے گا ہمیں بسبب اُس کے جو ہم میں سے بیوقوفوں نے کیا۔''

اِفْعَلْ فعل امر ہے۔تو کر۔﴿ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ﴾(37/الصافات:102)''اُس نے کہا،''ابّا جان، جو کچھ آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اسے کر ڈالئے۔''

فَاعِلٌ اسم الفاعل ہے۔کرنے والا۔﴿ وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝۲۳ ﴾(18/الکہف:23)''اور کسی چیز کے بارے میں کبھی یہ نہ کہا کیجیے کہ میں کل یہ کام کر دوں گا۔''

مَفْعُوْلٌ اسم المفعول ہے۔وہ کام جو کیا جائے۔﴿ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝۴۷ ﴾(4/النساء:47)''اور ہے اللہ کا کام کیا گیا۔''

فِعْلٌ ج:اَفْعَالٌ۔اسم ذات ہے۔کام۔﴿ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ ﴾(21/الانبیاء:73)''اور ہم نے اُن کی طرف نیک کاموں کے کرنے کی وحی کی۔''(بعض کے نزدیک فِعْلٌ بطور مصدر بھی استعمال ہوتا ہے)۔

فَعَّالٌ مبالغے کا صیغہ ہے۔بہت زیادہ کام کرنے والا۔وہ ہستی جو چاہے کر گزرے۔﴿ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ۝۱۰۷ ﴾ (11/ھود:107)''یقیناً تیرا رب جو کچھ چاہے کر گزرتا ہے۔''

اِتَّقُوْا (و ق ی): البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔ اَلنَّارُ (ن و ر): البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ وَقُوْدٌ (و ق د): البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔
اَلنَّاسُ: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔

ح ج ر

(ن) حَجْرًا منع کرنا۔ روک دینا۔ سخت ہونا۔ جب قاضی کسی کو اس کی بے وقوفی یا کم سنی کی وجہ سے اس کے اپنے مال کو خرچ کرنے سے روک دے تو کہتے ہیں حَجَرَ الْقَاضِیْ عَلٰی فُلَانٍ قاضی نے فلاں کو خرچ کرنے سے روک دیا۔ اس مادے کے تمام مشتقات میں بندش اور روک کا مفہوم لازمی ہوتا ہے۔

حِجْرٌ ج: حُجُوْرٌ۔ اسم ذات ہے۔ ممنوع۔ حفاظت۔ حرام چیز۔ گود۔ عقل۔ اصل میں جس جگہ کے اردگرد پتھروں سے احاطہ کیا گیا ہو اسے حِجْرٌ کہا جاتا ہے۔ اسی لیے حطیمِ کعبہ اور دیارِ ثمود کو حجر کہا گیا۔ حطیمِ کعبہ، خانہ کعبہ کا وہ حصہ ہے جسے قریشِ مکہ نے خانہ کعبہ میں شامل نہیں کیا تھا۔ اس لیے طواف کرنے والوں کے لیے اس کے اندر سے طواف کرنا منع ہے۔ طواف کرتے وقت اس کے بیرونی حصے سے گزر جانا چاہیے، جسے دیوار سے ممتاز کر دیا گیا ہے اور ثمود کے بارے میں فرمایا ﴿ وَ لَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ﴾ (حجر:80) ''اور حجر کے رہنے والوں نے بھی پیغمبروں کی تکذیب کی۔'' چونکہ پتھروں سے کسی جگہ کا احاطہ کرنے سے اصل مقصد حفاظت اور روک تھام ہوتی ہے اسی لیے انسانی عقل کو بھی حجر کہا جاتا ہے کیونکہ وہ نقصان دہ، غلط اور حرام چیزوں سے روکتی ہے (اس مفہوم کے اعتبار سے اسے نُهْيَةٌ بھی کہتے ہیں)۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ۭ﴾ (89/الفجر:5) ''کیا اس میں قسم ہے عقل والے کیلئے۔'' اور جس چیز سے روکا اور منع کیا جائے وہ بھی حجر کہلاتی ہے۔ ﴿ وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّ حَرْثٌ حِجْرٌ ۖ﴾ (6/الانعام:138) ''اور ان لوگوں نے کہا یہ مویشی اور کھیتی ہیں جو منع ہے یعنی ان کو کھانا منع ہے۔'' گود کو بھی حجر اس لیے کہتے ہیں کہ گود میں بچے کی حفاظت ہوتی ہے۔ ﴿ وَ رَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ ﴾ (4/النساء:23) ''اور تمہاری سوتیلی بیٹیاں جو تمہاری گودوں میں ہیں۔''

حَجَرٌ ج: حِجَارَةٌ۔ اسم ذات ہے۔ سخت مٹی۔ پتھر۔ ﴿ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ﴾ (2/البقرۃ:60) ''تو ہم نے کہا تم مارو اپنی لاٹھی کو اس پتھر پر۔'' ﴿ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ﴾ (2/البقرۃ:74) ''پھر سخت ہو گئے تمہارے دل اسکے بعد تو وہ پتھروں کی مانند ہیں یا زیادہ شدید بلحاظ سختی کے۔''

حُجْرَةٌ ج: حُجُرَاتٌ۔ سخت مٹی کا بنایا ہوا کمرہ۔ حجرہ۔ ''اصل لغت میں حجرہ ایک چار دیواری سے گھرے ہوئے مکان کو کہتے ہیں جس میں کچھ صحن ہو کچھ مسقّف (جس پر چھت ڈالی گئی ہو) عمارت ہو۔'' (معارف القرآن)۔ ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝﴾ (49/الحجرات:4) ''بیشک جو لوگ پکارتے ہیں آپؐ کو حجروں کے باہر سے ان میں سے اکثر عقل نہیں کرتے۔''

مَحْجُوْرٌ اسم المفعول ہے۔ سخت کیا ہوا۔ منع کیا ہوا۔ مضبوط۔ ﴿ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَ يَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۝﴾ (25/الفرقان:22) ''جس روز یہ لوگ فرشتوں کو دیکھیں گے اُس روز مجرموں کے لیے کوئی خوشی کی بات نہ ہوگی اور یہ (کفار) کہیں گے کہ پناہ پناہ۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ''جس روز وہ دیکھیں گے فرشتوں کو تو کوئی خوشی کی بات نہ ہوگی اُس روز مجرموں کے لیے اور فرشتے کہیں گے تمہارے لیے (جنت کا داخلہ) قطعاً حرام ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

حِجْرٌ مَّحْجُوْرٌ: حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ایک محاورہ ہے۔ جاہلیت کا دستور تھا کہ جب کسی کے سامنے کوئی ایسا شخص آجاتا جس سے اسے اذیت کا خوف ہوتا تو وہ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا کہہ دیتا (یعنی ہم تمہاری پناہ چاہتے ہیں) یہ الفاظ سن کر دشمن

اسے کچھ نہ کہتا، تو قرآن نے یہاں بیان کیا کہ کفار بھی (عذاب کے) فرشتوں کو دیکھ کر (حسب عادت) یہ الفاظ کہیں گے کہ شاید عذاب سے پناہ مل جائے۔ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ایک محاورہ ہے۔ عہد جاہلیت میں جب کسی کو کوئی بلا پیش آتی یا کوئی اپنے دشمن کو دیکھ پاتا اور خیال یہ ہوتا کہ وہ اس پر حملہ کرے گا تو یہی لفظ پکار کر کہتا۔ جیسے اردو محاورہ میں کہتے ہیں دور دور۔ (تفسیر ماجدیؒ، ص ۵۳۷)۔ صاحبؒ ضیاء القرآن نے یَقُوْلُوْنَ کا فاعل فرشتے مراد لیا ہے۔ اس صورت میں حِجْرٌ موصوف ہوگا اور مَحْجُوْرٌ اس کی صفت برائے تاکید ہوگی۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ضیاء القرآن، ج ۳، ص ۳۵۹)

دو چیزوں کے درمیان مضبوط رکاوٹ یا آڑ کو بھی حِجْرٌ مَحْجُوْرٌ کہتے ہیں۔ جیسے فرمایا: ﴿وَ جَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۝۵۳﴾ (25/الفرقان:53) ''اور اس نے بنایا ان دونوں کے مابین ایک پردہ اور ایک مضبوط رکاوٹ۔'' قرآن مجید میں حِجْرٌ مَحْجُوْرٌ دو جگہ ہی استعمال ہوا ہے۔ ایک سورہ الفرقان کی آیت 22 میں جہاں یہ محاورے کے طور پر آیا ہے اور دوسرا سورہ الفرقان ہی کی آیت 53 میں جہاں یہ مضبوط رکاوٹ کے معنی میں آیا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

ع	د	د

(ن) عَدًّا شمار کرنا۔ گننا۔ ﴿ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝۵﴾ (32/السجدہ:5) ''پھر وہ چڑھے گا اس کی طرف ایک دن میں، اس کی مقدار ہے ایک ہزار سال جس سے تم لوگ شمار کرتے ہو۔'' ﴿لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَ عَدَّهُمْ عَدًّا ۝۹۴﴾ (19/مریم:94) ''اُس نے اُن کو احاطے میں لے رکھا ہے اور اُنہیں خوب شمار کر رکھا ہے۔''

عَادٌّ ج: عَادُّوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ گننے والا۔ شمار کرنے والا۔ ﴿لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْـَٔلِ الْعَآدِّيْنَ ۝۱۱۳﴾ (23/المومنون:113) ''ہم رہے ایک دن یا دن کا کوئی حصہ، تو پوچھ لو گننے والوں سے۔''

مَعْدُوْدٌ اسم المفعول ہے (مذکر)۔ گنا ہوا۔ شمار کیا ہوا۔ ﴿وَ مَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ۝۱۰۴﴾ (11/ھود:104) ''ہم اُسے ایک گنی ہوئی مدت کے لیے ملتوی کیے ہوئے ہیں۔''

مَعْدُوْدَةٌ ج: مَعْدُوْدَاتٌ۔ اسم المفعول ہے (مؤنث)۔ گنی ہوئی۔ شمار کی ہوئی۔ ﴿لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً﴾ (2/البقرہ:80) ''ہرگز نہیں چھوئے گی ہم کو آگ مگر گنے ہوئے چند دن۔'' ﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ﴾ (2/البقرہ:203) ''اور تم لوگ یاد کرو اللہ کو گنے ہوئے دنوں میں۔''

عَدَدٌ اسم ذات ہے۔ گنتی۔ شمار۔ ﴿فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّ اَقَلُّ عَدَدًا ۝۲۴﴾ (72/الجن:24) ''تو وہ لوگ جان لیں گے کون زیادہ کمزور ہے بلحاظ مددگار کے اور زیادہ قلیل ہے بلحاظ گنتی کے۔''

عِدَّةٌ اسم ذات ہے۔ گنی ہوئی چیز۔ گنتی۔ شمار۔ شمار کی ہوئی مدت۔ عورت کی عدت بھی اسی معنی میں ہے یعنی اس کے گنے ہوئے دن۔ شرعی اصطلاح میں اس مدت کو عدّت کہا جاتا ہے جس میں عورت ایک شوہر کے نکاح سے نکلنے کے بعد دوسرے نکاح سے ممنوع ہوتی ہے۔ یہ مدت گزر جانے کے بعد اس سے نکاح کرنا حلال ہو جاتا ہے۔ ﴿اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا﴾ (9/التوبۃ:36) ''بیشک مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں۔'' ﴿قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ﴾ (18/الکہف:22) ''آپ ﷺ کہیے میرا رب زیادہ جانتا ہے ان کی مدت کو۔'' ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَ اَحْصُوا الْعِدَّةَ﴾ (65/الطلاق:1) ''اے نبیؐ (اپنی امت

سے کہو کہ) جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دینا چاہو تو اُن کی عدت (کے دنوں کے آغاز) میں اُنہیں طلاق دو اور عدت کا حساب رکھو۔'' (ترجمہ احسن البیان)

	عُدَّۃٌ	ج: عُدَدٌ۔ ساز و سامان۔ مال۔ ہتھیار وغیرہ۔ ﴿ وَ لَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّۃً ﴾ (9/توبہ:46) ''اگر اُن کا ارادہ جہاد کے لیے نکلنے کا ہوتا تو وہ ضرور اس سفر کے لیے سامان کی تیاری رکھتے۔''
(افعال)	اِعْدَادًا	تیار کرنا۔ ﴿ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِیْمًا ﴾ (4/:93) ''اور اس نے تیار کیا اس کے لئے ایک عظیم عذاب۔''
	اُعِدَّ	ماضی مجہول ہے۔ تیار کیا گیا۔ ﴿ وَ جَنَّۃٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴾ (3/آل عمران:133) ''اور جنت، جس کی چوڑائی آسمان اور زمین ہیں، وہ تیار کی گئی متقی لوگوں کیلئے۔''
	اَعِدَّ	ج: اَعِدُّوْا۔ فعل امر ہے۔ تو تیار کر۔ ﴿ وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّۃٍ ﴾ (8/الانفال:60) ''اور تم لوگ تیار کرو ان کے لئے جو تم سے ہو سکے قوت میں سے۔''
(تفعیل)	تَعْدِیْدًا	کثرت سے گننا۔ بار بار گننا۔ ﴿ الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَهٗ ﴾ (104/الھمزۃ:2) ''جس نے جمع کیا مال کو اور بار بار گنا اس کو۔''
(افتعال)	اِعْتِدَادًا	اہتمام سے شمار کرنا۔ گننا۔ ﴿ فَمَا لَكُمْ عَلَیْهِنَّ مِنْ عِدَّۃٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ﴾ (33/الاحزاب:49) ''تو اُن پر تمہارا کوئی حق عدت کا نہیں جسے تم شمار کرو۔''

كٰفِرِیْنَ (ك ف ر): البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔

ترکیب 'فَ' استئنافیہ ہے۔ یعنی اس سے نئی بات شروع ہو رہی ہے۔ اِنْ شرطیہ ہے اور جملہ لَّمْ تَفْعَلُوْا شرط ہے۔ لَمْ جوازمِ مضارع میں سے اور تَفْعَلُوْا مجزوم ہے۔ آگے 'وَ' اعتراضیہ ہے اور لَنْ تَفْعَلُوْا شرط اور جواب شرط کے درمیان، جملہ معترضہ ہے۔ لَنْ نواصب مضارع میں سے ہے اور یہ تَفْعَلُوْا منصوب ہے۔ فَاتَّقُوا النَّارَ میں 'فَ' جواب شرط کے لیے ہے۔ اور اِتَّقُوا النَّارَ جواب شرط ہے۔ اِتَّقُوْا فعل امر کا صیغہ ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر 'اَنْتُمْ' ہے اور اَلنَّارَ اس کا مفعول بہ ہے۔ فَاتَّقُوْا میں 'فَ' کے بارے میں حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: '''فَ' نتیجہ کو بتلا رہا ہے۔ یعنی جب قرآن کی پیش کی ہوئی دلیل کے جواب سے عاجز آ چکے ہو، اور اپنے انکار پر کوئی دلیل خود رکھتے نہیں ہو، تو اب انکارِ حق کیے چلے جانا بجز عناد و خبثِ نفس کے اور کس چیز کا نتیجہ ہو سکتا ہے؟ اور جہنم کا عذاب آتشیں اسی معاندانہ انکارِ حق کا لازمی اور قدرتی نتیجہ ہے۔'' اَلَّتِیْ اسم موصول ہے۔ وَقُوْدُهَا مرکب اضافی، مبتدا ہے۔ اَلنَّاسُ اس کی خبر۔ 'وَ' عطف کا ہے اور اَلْحِجَارَۃُ عطف ہے اَلنَّاسُ پر۔ یہ سارا جملہ اسمیہ صلہ ہے، اَلَّتِیْ کا اور صلہ اور موصول مل کر صفت ہیں اَلنَّارَ کی۔ اُعِدَّتْ، ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ اس کا نائب الفاعل اس میں شامل ضمیر 'هِیَ' ہے جو کہ اَلنَّارَ کے لیے ہے۔ لِلْكٰفِرِیْنَ متعلق فعل ہے اور یہ جملہ حال ہے اَلنَّارَ کا۔

ترجمہ	فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا	وَلَنْ تَفْعَلُوْا	فَاتَّقُوا النَّارَ	الَّتِیْ وَقُوْدُهَا
البقرۃ:24	تو اگر تم لوگ نہ کر سکو	اور تم لوگ ہرگز نہ کر سکو گے	تو بچو اس آگ سے	جس کا ایندھن

النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ	اُعِدَّتْ	لِلْكٰفِرِیْنَ ۝
انسان اور پتھر ہیں	جو تیار کی گئی ہے	کافروں کیلئے

نوٹ: 1 قرآن مجید اور نبی اکرمؐ کا انکار کرنے والوں کو جو ایک سورۃ بنانے کا چیلنج دیا گیا وہ کئی پہلوؤں سے تھا۔ ایک پہلو تو زبان کی فصاحت و بلاغت تھی۔ یعنی قرآنِ مجید کی زبان کی جو فصاحت اور بلاغت ہے اس جیسی یا اس سے ملتی جلتی کوئی ایک سورۃ بناؤ۔ دوسرا پہلو اس میں یہ بھی تھا کہ قرآنِ مجید انسانی زندگی کے مختلف حصوں کے بارے میں جو راہنمائی اپنی آیات میں پیش کر رہا ہے، اس سے بہتر کوئی ہدایت ہے تو لاؤ۔ ہمارے بزرگوں نے اپنی تفاسیر میں اس پہلو کی طرف بھی اشارہ کیا ہے مثلاً حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ آیتِ مبارکہ کا ترجمہ کرتے ہیں ''اور اگر تم (یہ) نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے'' پھر حاشیے میں فرماتے ہیں: ''(قیامت تک) اللہ اکبر! کس زور کی تحدی ہے اور وہ بھی ایک اُمیؐ کی زبان سے اپنی عقل وحکمت، اپنے علوم وفنون پر ناز رکھنے والوں کو کیسا کیسا جوش اُس وقت بھی آیا ہوگا، اور آج بھی آ رہا ہے۔ ع لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی! کتنے نئے نئے مسلک روز پیدا ہو رہے ہیں، کیسی کیسی ''isms'' ہر روز اُٹھ رہی ہیں، اور دنیا کو راہِ نجات دکھانے میں سب کی سب بیکار ہی ثابت ہو رہی ہیں۔ یہ سب گویا قرآن کے جوابات ہی ہیں۔ ہر جواب ناکام اور شرمناک حد تک ناکام!'' (تفسیر ماجدیؒ، ص ۱۵)

نوٹ: 2 ''اَلْحِجَارَۃُ کا لفظ اگرچہ عام ہے لیکن موقع کلام سے واضح ہے کہ اس سے مراد وہی تراشے ہوئے پتھر ہیں جن کی دیوی دیوتا کی حیثیت سے پرستش ہوتی ہے۔ ان کو دوزخ میں پھینکنے سے مقصود دراصل ان کو عذاب دینا نہیں بلکہ ان کے پرستاروں کے عذاب میں اضافہ کرنا ہوگا۔ اس طرح ان کو دکھایا جائے گا کہ جن کے آگے وہ دنیا میں ڈنڈوت کرتے رہے ہیں اور جن کی ضیافت کے لیے دودھ اور حلوے پیش کرتے رہے ہیں ان کی یہاں کیا گت بن رہی ہے۔'' (تدبر قرآن، ج ۱، ص ۱۳۹)

آیت: 25

﴿ وَ بَشِّرِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَہُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ ؕ کُلَّمَا رُزِقُوۡا مِنۡہَا مِنۡ ثَمَرَۃٍ رِّزۡقًا ۙ قَالُوۡا ہٰذَا الَّذِیۡ رُزِقۡنَا مِنۡ قَبۡلُ ۙ وَ اُتُوۡا بِہٖ مُتَشَابِہًا ؕ وَ لَہُمۡ فِیۡہَاۤ اَزۡوَاجٌ مُّطَہَّرَۃٌ ۙ وَّ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۵﴾ ﴾

ب ش ر

(ن۔ض۔س) بَشْرًا اور بَشَرًا کھال کو چھیل کر اسے ظاہر کرنا۔ خوش ہونا۔ خوش کرنا۔ (کیونکہ خوشی میں چہرے کی جلد جگمگا اٹھتی ہے)۔

بُشْرٰی خوشخبری۔ بشارت، جس کو سن کر چہرے پر خوشی کے آثار ظاہر ہو جائیں۔ ﴿ فَاِنَّہٗ نَزَّلَہٗ عَلٰی قَلۡبِکَ بِاِذۡنِ اللّٰہِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡہِ وَ ہُدًی وَّ بُشۡرٰی لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۹۷﴾ ﴾ (2/البقرہ:97) ''تو یقیناً انہوں نے یعنی جبریلؑ نے نازل کیا اس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل پر اللہ کے حکم سے تصدیق کرنے والا ہوتے ہوئے اس کی جو پہلے سے ہے اور ہدایت اور بشارت ہوتے ہوئے مومنوں کے لئے۔''

بَشِیۡرٌ فَعِیۡلٌ کا وزن ہے۔ خوش خبری دینے والا۔ ﴿ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ بِالۡحَقِّ بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا ۙ ﴾ (2/البقرہ:119) ''یقیناً ہم نے بھیجا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا ہوتے ہوئے۔''

بَشِیۡرَۃٌ ج: بُشۡرٌ۔ خوش خبری دینے والی۔ ﴿ وَ ہُوَ الَّذِیۡ یُرۡسِلُ الرِّیٰحَ بُشۡرًۢا بَیۡنَ یَدَیۡ رَحۡمَتِہٖ ۚ ﴾ (25/الفرقان:48) ''اور وہی ہے جو باران رحمت سے پہلے خوش خبری دینے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے۔''

بَشَرٌ اسم ذات ہے۔ انسان۔ کھال، جلد۔ ﴿ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ﴾ (18/الکہف:110) ''آپؐ کہئے کہ کچھ نہیں سوائے اس کے کہ میں ایک بشر ہوں تم لوگوں کی مانند۔'' عربی زبان میں بَشَرَۃٌ، انسان کی جلد کی اوپر کی سطح کو کہتے ہیں اسی سے انسان کو بَشَرٌ کہتے ہیں کیونکہ اس کی جلد دوسرے حیوانات کے مقابلے میں اون، بالوں اور پشم وغیرہ سے کافی حد تک صاف ہوتی ہے جس کی وجہ سے جلد زیادہ ظاہر دکھائی دیتی ہے۔ بشر کا لفظ واحد، جمع، مذکر، مؤنث سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ البتہ اس کا تثنیہ بَشَرَيْنِ استعمال ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿ فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا ﴾ (23/المومنون:47) ''تو کہنے لگے کیا ہم اپنے جیسے دو شخصوں پر ایمان لائیں۔'' بشر کا استعمال اس وقت ہوتا ہے جب انسان کی جسمانی بناوٹ، اس کے ظاہری جسم، اس کے فطری تقاضے، ضروریات اور کمزوریوں کا ذکر کرنا مقصود ہو۔ جیسے اوپر المومنون کی آیت 47 سے واضح ہے۔ اور بشر کے مقابلے میں مَلَكٌ (بمعنی فرشتہ) کا لفظ ہے جو مادی پہلو، یعنی ظاہری جسم اور فطری ضروریات سے پاک ہوتا ہے۔ کفار کا ہمیشہ یہی اعتراض رہا کہ ہم اپنے ہی جیسے ایک بشر جو ہماری طرح پیدا ہوتا ہے اور مرتا ہے، کھاتا پیتا، بازاروں میں چلتا پھرتا اور اپنی ضروریات ہماری طرح ہی پوری کرتا ہے تو اس میں آخر کیا فوقیت ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے۔ ہاں اگر کوئی فرشتہ ہوتا، جو ان ضروریات سے پاک ہوتا تو کوئی بات بھی تھی۔ درج ذیل آیات میں اللہ تعالیٰ نے اسی اعتراض کا جواب دیا ہے: ﴿ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿٩٤﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿٩٥﴾ ﴾ (17/بنی اسرائیل:94، 95) ''اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آ گئی تو ایمان لانے سے اس کے سوا کوئی چیز مانع نہ ہوئی کہ کہنے لگے کہ کیا اللہ نے آدمی کو پیغمبر بنا کے بھیجا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر فرشتے زمین میں آباد ہوتے جو چلتے پھرتے اور آرام کرتے تو ہم ان کے پاس آسمان سے فرشتہ ہی پیغمبر بنا کر بھیجتے۔'' قرآن مجید میں بشر کا لفظ خاص جلد کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ فرمایا: ﴿ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿٢٩﴾ ﴾ (74/المدثر:29) ''جلد کو جھلسا دینے والی۔''

(افعال) اِبْشَارًا خوشخبری حاصل کرنا۔ بشارت لینا۔

اَبْشِرْ ج: اَبْشِرُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو بشارت لے۔ ﴿ وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ ﴾ (41/حٰمٓ السجدہ:30) ''اور تم لوگ بشارت لو جنت کی۔''

(تفعیل) تَبْشِيْرًا خوش خبری سنانا۔ بشارت دینا۔ ایسی خوش خبری دینا کہ جس سے سرور پیدا ہو۔ بَشَّرَ۔ يُبَشِّرُ باب تفعیل میں دو مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ جس کو بشارت دی جاتی ہے وہ بِنَفْسِهٖ (براہِ راست بغیر صلہ کے) آتا ہے۔ اور جو بشارت دی جاتی ہے۔ اس پر کبھی بِ کا صلہ آتا ہے اور کبھی اَنْ یا اَنَّ آتا ہے۔

بَشِّرْ فعل امر ہے۔ تو خوش خبری سنا۔ تو بشارت دے۔ ﴿ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾ (2/البقرۃ:25) ''آپؐ خوش خبری دے دیجئے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور اُنہوں نے نیک عمل کیے کہ اُن کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں۔'' اور قرآن مجید میں یہ جو فرمایا ﴿ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٢١﴾ ﴾ (3/آل عمران:21) ''تو آپؐ بشارت دیں اُن لوگوں کو ایک دردناک عذاب کی۔'' تو یہ اس لیے فرمایا کہ تبشیر کا لفظ بطور استعارہ کے کبھی کبھی غصے کے اظہار کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں کہ تبشیر کے لفظ سے تنبیہ کی گئی ہے یعنی خبردار کیا گیا ہے اور آگاہ کیا گیا ہے کہ سب سے بہتر خوش خبری جو وہ سن سکتے ہیں وہ عذاب الیم کی ہے جس میں وہ قیامت کے دن مبتلا ہوں گے۔ عذاب کے متعلق بَشِّرْ کا لفظ بطور تہکم (ڈانٹ) استعمال ہوتا ہے۔

حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ النساء کی آیت 138 ﴿بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا﴾ کے تحت فرماتے ہیں: ''تبشیر کے معنی ہمیشہ خوشخبری ہی کے نہیں ہوتے۔ لغت میں عام ہے ہر ایسی خبر کے لیے جس کا اثر چہرہ سے ظاہر ہونے لگے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بشارت یہاں طنز وزجر کے معنی میں ہو۔ اور عرب ایسے موقع پر ایسا ہی استعمال کرتے ہیں۔ اردو میں (بھی) تو طنزیہ موقع پر کہتے ہیں۔ لو، اب اپنا انعام لو۔ اب تو مزہ پایا۔ اب دیکھو اپنا تماشا۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص ۲۵۶) اور صاحبؒ ضیاء القرآن بھی اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں: ''بشارت کا عام استعمال تو خوشخبری کے معنی میں ہوتا ہے اور اس عذاب الیم کی خبر کو بشارت سے تعبیر کرنا بطور طنز ہے۔ اور علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ ہر اس اچھی یا بری خبر کو بشارت کہتے ہیں جس کے سننے کے بعد اس کے اثرات چہرہ پر نمایاں ہوجائیں۔'' (ضیاء القرآن، ج ۱، ص ۴۰۴)

(مفاعلہ) **مُبَاشَرَةً** باہم رہنا سہنا۔ مباشرت کرنا۔ ''مُبَاشَرَةً کے اصل معنی تو ایک کی جلد کو دوسرے کی جلد کے ساتھ ملانا کے ہیں مگر کنایۃً عورت سے مجامعت کرنا کے معنی میں آجاتا ہے۔'' (مفردات القرآن)

بَاشِرْ فعل امر ہے۔ تو مباشرت کر۔ ﴿فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ﴾ (2/البقرہ:187) ''تو اب تم لوگ مباشرت کرو ان سے یعنی اپنی بیویوں سے۔''

(استفعال) **اِسْتِبْشَارًا** خوش ہونا۔ خوشی منانا۔

اِسْتَبْشِرْ ج: اِسْتَبْشِرُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو خوش ہوجا۔ تو خوشی منا۔ ﴿فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ﴾ (9/التوبۃ:111) ''پس تم لوگ خوشی مناؤ اپنے سودے کی۔''

مُسْتَبْشِرٌ اسم الفاعل ہے۔ خوشی منانے والا۔ ﴿ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ﴾ (80/عبس:39) ''ہشاش بشاش اور خوش وخرم ہوں گے۔''

اٰمَنُوْا (ء م ن): البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔

ع م ل

(س) **عَمَلًا** کام کرنا۔ عمل ہر اس فعل کو کہتے ہیں جو کسی جاندار سے ارادۃً صادر ہو۔ عمل کا لفظ، فعل سے خاص ہے۔ کیونکہ فعل کا لفظ حیوانات اور کبھی جمادات کی طرف بھی منسوب ہوجاتا ہے مگر عمل کا لفظ ان کی طرف بہت کم منسوب ہوتا ہے۔ عمل کا لفظ اچھے اور برے دونوں قسم کے افعال پر بولا جاتا ہے۔ ﴿مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ (2/البقرۃ:62) ''جو ایمان لایا اللہ پر اور آخری دن پر اور اُس نے نیک عمل کیا تو اُس کا اجر ہے اُس کے رب کے پاس۔'' اور برے کام کے لیے فرمایا: ﴿مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ﴾ (4/النساء:123) ''جو بھی بُرائی کرے گا اُس کی جزا پائے گا۔''

عَمَلٌ ج: اَعْمَالٌ۔ اسم ذات بھی ہے۔ کام۔ ﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى﴾ (3/آل عمران:195) ''پس اُن کے رب نے اُن کی دعا قبول فرمالی کہ تم میں سے کسی کام کرنے والے کے کام کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت میں ہرگز ضائع نہیں کرتا۔'' ﴿اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ﴾ (11/ھود:46) ''اس کے کام بالکل ہی ناشائستہ ہیں۔'' ﴿وَ لَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ﴾ (23/المومنون:63) ''اور اُن کے لیے اُس کے سوا بھی بہت سے اعمال ہیں جنہیں وہ کرنے والے ہیں۔''

اِعْمَلْ ج:اِعْمَلُوْا۔فعل امر ہے۔تو کر۔﴿ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۝ ﴾(41/حم السجدۃ:5)''پس تو کر بے شک ہم بھی کرنے والے ہیں۔''﴿ قُلْ یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَکَانَتِکُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ ۚ ﴾(6/الانعام:135)''آپؐ کہہ دیجئے اے میری قوم تم اپنی جگہ پر عمل کرتے رہو بے شک میں بھی عمل کرنے والا ہوں۔''

عَامِلٌ ج:عَامِلُوْنَ۔عَامِلِیْنَ۔کام کرنے والا۔﴿ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی ۚ ﴾(3/آل عمران:195)''پس اُن کے رب نے اُن کی دعا قبول فرمالی کہ تم میں سے کسی کام کرنے والے کے کام کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت میں ہرگز ضائع نہیں کرتا۔''﴿ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ۝ ﴾(3/آل عمران:136)''کتنا اچھا ہے بدلہ نیک عمل کرنے والوں کا۔''﴿ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ۝ ﴾(11/ھود:121)''بے شک ہم بھی عمل کرنے والے ہیں۔''

عَامِلَةٌ ج:عَامِلَاتٌ اور عَوَامِلُ۔کام کرنے والی۔﴿ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝ ﴾(88/الغاشیۃ:3)''اور محنت کرنے والے تھکے ہوئے ہوں گے۔''

اَلصّٰلِحٰتِ(ص ل ح):البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔

ج ن ن

(ن) (ل) جَنًّا کسی چیز کو ڈھانپ کر چھپا دینا کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو جائے۔ڈھانپنا۔چھپا دینا۔﴿ فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ الَّیْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ ﴾(6/الانعام:76)''تو جب ڈھانپ دیا اس کو رات نے،اس نے دیکھا ایک تارا۔''اس مصدر سے جِنٌّ (جن)،جِنَّةٌ (دیوانگی)،جُنَّةٌ (ڈھال)،جَنَّةٌ (جنت) مشتق ہیں۔

(ب) جُنُوْنًا چھپی ہوئی عقل والا ہونا۔دیوانہ ہونا۔

جِنٌّ اسم ذات ہے۔جن۔انسانوں اور فرشتوں کے علاوہ ایک مخلوق جو آگ سے بنائی گئی اور ان کو جن اس لیے کہتے ہیں کہ یہ مخلوق ہم سے چھپی ہوئی ہے۔ہماری طرح یہ بھی احکام شرعیہ کے مکلف ہیں ان میں توالد وتناسل کا سلسلہ بھی ہے اور نیک و بد بھی ہیں۔﴿ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ ﴾(18/الکہف:50)''تو ان لوگوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے،وہ تھا جنوں میں سے تو وہ نکلا یعنی اس نے خلاف ورزی کی اپنے رب کے حکم کی۔''

جَآنٌّ فَاعِلٌ کا وزن ہے۔لیکن یہ لفظ زیادہ تر جن کے اسم جمع کے طور پر اور سانپ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ جس طرح ابوالبشر کا نام آدم ہے اسی طرح ابوالجن کا نام اَلْجَانُّ ہے۔صاحبؒ ضیاء القرآن فرماتے ہیں:''جَآنّ جنوں کے پہلے باپ کا نام ہے۔جس طرح آدمؑ کی تخلیق مٹی سے ہوئی اسی طرح جَآنّ کی تخلیق خالص آگ سے ہوئی۔پھر جنوں کی نسل کو چلانے کے لیے ازدواج کا وہی نظام یہاں بھی جاری ہے جو انسانوں میں ہے۔''(ضیاء القرآن،ج۵،ص۷۰)۔﴿ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۚ ﴾(55/الرحمٰن:15)''اور اس نے پیدا کیا جنوں کو آگ کی لو سے۔''﴿ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰی مُدْبِرًا ﴾(28/القصص:31)''تو جب اس نے دیکھا اس کو لہراتا ہوا گویا کہ وہ سانپ ہے تو وہ چلا پیٹھ پھیرے کر۔''

جِنَّةٌ اسم ذات ہے۔جن۔دیوانگی،چونکہ دیوانگی عقل کو چھپا دیتی ہے اس لیے اسے جِنَّةٌ کہتے ہیں۔﴿ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ﴿۵﴾ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ﴿۶﴾ ﴾(114/الناس:6-5)''جو وسوسہ اندازی کرتا ہے لوگوں کے سینوں میں، جنات اور انسانوں میں سے۔''﴿ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ ﴾(7/الاعراف:184)''نہیں ہے ان کے صاحب کو کسی

قسم کی کوئی دیوانگی۔''

جُنَّةٌ ڈھال۔ کیونکہ اس سے انسان اپنے آپ کو چھپاتا ہے۔﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً ﴾(63/المنافقون:2)''اُنہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے۔''

جَنَّةٌ ج: جَنَّاتٌ۔اسم ذات ہے۔بہشت۔جنت۔درختوں والا ہر وہ باغ جس کے درخت زمین کو چھپالیں جنت کہلاتا ہے۔ اصطلاح شرع میں مراد وہ عظیم الشان باغ ہے جو بے شمار نعمتیں لیے ہوئے عالم آخرت میں نیک لوگوں کے لیے مخصوص ہے اور آج نظروں سے پوشیدہ ہے۔امام راغبؒ فرماتے ہیں:''بہشت کو جنت یا تو دنیوی باغات سے تشبیہ دے کر کہا گیا ہے، اگرچہ دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے اور یا اس لیے کہ بہشت کی نعمتیں ہم سے مخفی رکھی گئی ہیں جیسے سورہ السجدہ کی آیت 17 میں فرمایا:﴿ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ﴾''کوئی متنفس نہیں جانتا کہ اُن کے لیے کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا رکھی گئی ہے۔'' حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جَنَّاتٍ جمع لانے کی وجہ یہ ہے کہ بہشت سات ہیں۔(۱) جَنَّةُ الْفِرْدوس (۲) جَنَّةُ عَدْنٍ (۳) جَنَّةُ النعيم۔ (٤) دَارُ الْخُلْدِ (٥) جَنَّةُ الْمَاْوٰى (٦)دَارُالسَّلَام (٧)عِلِّيِّيْن(بحوالہ مفردات القرآن،ج۱،ص ۱۹۴)۔﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ﴾ (2/البقرہ:82)''اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل کیے نیک، وہ لوگ جنت والے ہیں۔''﴿وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ﴾(9/التوبۃ:72)''اور پاکیزہ ٹھکانوں کا عدن کے باغات میں۔''

مَجْنُوْنٌ مَفْعُوْلٌ کا وزن ہے۔اسم صفت کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ دیوانہ، پاگل۔﴿ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴾(37/الصافات:36)''کیا ہم چھوڑ دیں اپنے خداؤں کو ایک دیوانے شاعر کے لئے۔''

جَنِيْنٌ فَعِيْلٌ کا وزن ہے۔فَعِيْلٌ کا وزن فاعل اور مفعول، دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔چنانچہ جَنِيْنٌ اگر مفعول کے معنوں میں ہو تو مراد ہوتا ہے چھپایا ہوا، ڈھانپا ہوا اور پھر اس سے وہ بچہ مراد ہوتا ہے جو ماں کے پیٹ میں ہو۔اس صورت میں اس کی جمع اَجِنَّةٌ آتی ہے۔جیسے فرمایا:﴿ وَ اِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ﴾(53/النجم:32) ''اور وہ وقت یاد کرو جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے۔''جَنِيْنٌ اگر فاعل کے معنی میں ہو تو مراد ہوتی ہے چھپانے والی۔اور اس صورت میں یہ لفظ قبر کے لیے استعمال ہوتا ہے۔(واللہ اعلم)۔

ج ر ی

(ض) جَرْيًا بہنا۔جاری ہونا۔چلنا۔تیزی سے گزر جانا(لازم)۔﴿ وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾(2/البقرۃ:25)''اور آپؐ خوشخبری دے دیجئے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور اُنہوں نے نیک عمل کیے کہ اُن کے لیے ایسے باغات ہیں بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں۔''جَرٰی يَجْرِيْ کے ساتھ جب''ب'' کا صلہ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے لے کر چلنا۔لے جانا۔﴿ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ ﴾ (2:البقرۃ164)''اور کشتیوں کا لوگوں کو نفع دینے والی چیزوں کو لیے ہوئے سمندروں میں چلنا۔''

جَارٍ اسم الفاعل ہے۔مذکر۔بہنے والا۔

جَارِيَةٌ ج: جَارِيَاتٌ اور جَوَارٍ-اسم الفاعل ہے۔مؤنث۔ بہنے والی۔کشتی۔﴿فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۝﴾(88/الغاشیہ:12) ''اس میں ہے بہنے والا چشمہ۔''﴿اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۝﴾(69/الحاقۃ:11)''بیشک جب پانی اونچا ہوا تو ہم نے سوار کیا تم لوگوں کو کشتی میں۔''۔﴿وَ مِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ۝﴾ (42/الشوریٰ:32)''اور اس کی نشانیوں میں سے کشتیاں ہیں سمندر میں پہاڑیوں کی مانند۔''﴿فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۝﴾ (51/الزاریات:3)''پھر نرمی سے چلنے والی کشتیوں کی۔''

مَجْرٍ مَفْعِلٌ کا وزن ہے۔(1)اسم الظرف زمان ہے،مطلب ہے بہنے کا وقت۔(2)اسم الظرف مکان ہے،مطلب ہے بہنے کی جگہ۔(3)مصدر میمی ہے،مطلب ہے بہنا یا چلنا۔﴿وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ﴾ (11/ھود:41)''اور نوحؑ نے کہا آؤ اس میں سوار ہو جاؤ اللہ ہی کے نام سے اس کا چلنا ہے اور اس کا ٹھہرنا۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔اس آیت کے حاشیے میں حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں:''مَجْرٖىهَا عربی تلفظ میں می کی آواز صرف یا معروف کی ہے چنانچہ قرآن مجید کے قاری بھی ہر جگہ اس قاعدہ کا لحاظ رکھتے ہیں۔لیکن اس خاص موقع پر مجری کی ی کی آواز یائے مجہول کی نکلے گی اور اسے بجائے''مجری'' کے''مَجرے'' ہی پڑھا جائے گا۔''اس آیت کے تحت صاحبؒ ضیاء القرآن فرماتے ہیں:''مجری و مرسی ظرف زمان اور ظرف مکان دونوں ہو سکتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہوں کشتی چلنے کے وقت اور اس کے ساحل پر لنگر انداز ہونے کے وقت۔یا اس جگہ اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہوں جہاں وہ چلتی ہے اور جہاں وہ رکتی ہے یا یہ دونوں مصدر میمی ہیں یہاں پھر مضاف (وقت) محذوف ماننا پڑے گا۔ای وقت جریھا ووقت ارسائھا۔''(ضیاء القرآن،ج۲،ص۳۶۲)

تَحْتَ ج:تُحُوْتٌ۔نیچے۔اسم ظرف مکان ہے۔یہ فوق (اوپر) کی ضد ہے۔اس لفظ کے لیے اضافت لازم ہے اور جب مضاف الیہ محذوف ہو تو مبنی پر ضمہ استعمال ہوتا ہے۔قرآن میں ہے﴿لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ﴾(المائدۃ:66)''تو وہ ضرور کھاتے اپنے اوپر سے بھی اور اپنے پاؤں کے نیچے سے بھی۔''﴿جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ﴾(البقرۃ:25)''(نعمت کے) باغ میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔''حدیث میں ہے لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَظْهَرَ التُّحُوْتُ کہ قیامت قائم نہیں ہوگی تاوقتیکہ کمینے لوگ غلبہ حاصل نہ کرلیں۔''(تلخیص از مفردات القرآن)۔تحت اور اسفل میں فرق یہ ہے کہ تحت اس چیز کو کہتے ہیں جو دوسری کے نیچے ہو مگر اسفل کسی چیز کے نچلے حصے کو کہتے ہیں جیسے اَلْمَالُ تَحْتَهٗ (مال اس کے نیچے ہے)۔اَسْفَلُهٗ اَغْلَظُ مِنْ اَعْلَاهُ (اس کا نچلا حصہ اعلیٰ حصہ سے سخت ہے)۔

ن ھ ر

(ف) **نَهْرًا** کسی کو جھڑکنا۔پانی کا اپنے بہنے کے لئے راستہ بنانا۔

لَا تَنْهَرْ فعل نہی ہے۔تو مت جھڑک۔﴿فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا﴾(17/بنی اسرائیل:23)''تو تم مت کہو ان دونوں سے اُف تک اور تم مت جھڑکو ان دونوں کو۔''

نَهَرٌ ج: اَنْهَارٌ-اسم ذات ہے۔دریا۔نہر۔﴿اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ﴾(2/البقرہ:249)''بیشک اللہ تم لوگوں کو آزمانے والا ہے ایک نہر سے۔''﴿وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝﴾(71/نوح:12)''اور وہ بنادے گا تمہارے لئے باغات اور وہ بنادے گا تمہارے لئے نہریں۔''

نَهَارٌ اسم ذات ہے۔دن۔﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ﴾(2/البقرہ:274)''جو لوگ خیرات کرتے ہیں اپنے مال رات میں اور دن میں۔''

کُلَّمَا: البقرۃ آیت 20 دیکھیں۔ رُزِقُوْا اور متعلقہ صیغے (ر ز ق): البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔
ثَمَرَۃٌ (ث م ر): البقرۃ آیت 22 دیکھیں۔ قَبْلُ: البقرۃ آیت 4 دیکھیں۔ اُتُوْا (ء ت ی): البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔

ش ب ہ

ثلاثی مجرد سے فعل استعمال نہیں ہوتا۔

(تفعیل) تَشْبِیْهًا شُبِّهَ — (1) کسی چیز کو کسی چیز کے مانند کرنا۔ ملتا جلتا کرنا۔ (2) شبہ یا شک میں ڈالنا (اتنا ملتا جلتا کرنا کہ فرق مشکل ہو جائے) ماضی مجہول ہے۔ مانند کیا گیا۔ مشکوک کیا گیا۔ ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ﴾ (4/النساء:157) ''اور انہوں نے انؑ کو قتل نہیں کیا اور نہ ہی انہوں نے انؑ کو سولی چڑھایا لیکن اُن پر شبہ ڈال دیا گیا۔''

(تفاعل) تَشَابُهًا — ایک دوسرے کے مانند ہونا۔ ﴿اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ﴾ (2/البقرہ:70) ''بیشک تمام گائیں باہم ملتی جلتی ہوئیں ہم پر۔''

مُتَشَابِهٌ — اسم الفاعل ہے۔ باہم مانند ہونے والا۔ ﴿وَّ الزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّ غَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ﴾ (6/الانعام:99) ''اور زیتون اور انار، ملتے جلتے ہونے والے اور باہم مانند نہ ہونے والے۔'' اور آیت زیر مطالعہ۔

(افتعال) اِشْتِبَاهًا — کسی کے مانند ہونا۔

مُشْتَبِهٌ — اسم الفاعل ہے۔ کسی کے مانند ہونے والا۔ ﴿وَّ الزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّ غَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ﴾ (6/الانعام:99) ''اور زیتون اور انار، ملتے جلتے ہونے والے اور باہم مانند نہ ہونے والے۔''

ز و ج

(ن) زَوْجًا — بھڑکانا۔ ملانا۔

زَوْجٌ — ج: اَزْوَاجٌ۔ اسم ذات ہے۔ بہت وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

(1) جوڑا اور جوڑے کا ہر فرد۔ جن حیوانات میں نر اور مادہ ہوتے ہیں ان میں سے ہر ایک دوسرے کا زوج ہے۔ مثلاً شوہر، بیوی کا زوج ہے اور بیوی، شوہر کی زوج ہے۔ اور میاں بیوی دونوں مل کر بھی ایک زوج ہیں۔ عورت کے لیے فرمایا: ﴿وَقُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ﴾ (البقرۃ:35) ''اور ہم نے کہا اے آدمؑ آپ اور آپ کی بیوی جنت میں رہیں۔'' اور مرد کے لیے فرمایا: ﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا﴾ (المجادلہ:1) ''یقیناً اللہ نے سُن لی اُس عورت کی بات جو اپنے شوہر کے معاملہ میں آپؐ سے تکرار کر رہی تھی۔'' عام طور پر بیوی کو زَوْجَةٌ (ۃ کے ساتھ) بھی کہہ دیتے ہیں۔

(2) حیوانات کے علاوہ دوسری چیزوں میں سے جفت (دو چیزوں) کو زوج کہا جاتا ہے۔ جیسے موزے اور جوتے وغیرہ۔

(3) بہت سے درختوں میں بھی نر و مادہ ہوتے ہیں ان کو اس مناسبت سے بھی زوج کہا جا سکتا ہے اور کبھی لفظ زوج ''ایک خاص قسم'' کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے درختوں کی ہر قسم کو زوج کہا جا سکتا ہے۔ مثلاً ﴿اَوَ لَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝﴾ (الشعراء:7) ''کیا نہیں دیکھتے وہ زمین کو کتنی اگائیں ہم نے

اُس میں ہر ایک قسم کی خاصی چیزیں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''کیا اُنہوں نے زمین کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اُس میں کس قدر بوٹیاں عمدہ عمدہ قسم کی اگائی ہیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ''کیا اُنہوں نے زمین پر نظریں نہیں ڈالی کہ ہم نے اُس میں ہر طرح کے نفیس جوڑے کس قدر اگائے ہیں۔'' (ترجمہ احسن البیان) ﴿ فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴾ (طٰہٰ:53) ''پھر نکالی ہم نے اُس سے طرح طرح کی سبزی۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''پھر ہم نے اُس کے ذریعے سے مختلف قسم کے طرح طرح کے نباتات پیدا کیے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ''پھر اُس برسات کی وجہ سے مختلف قسم کی پیداوار بھی ہم ہی پیدا کرتے ہیں۔'' (ترجمہ احسن البیان)

(4) کبھی زوج سے مراد ''ساتھی'' ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا ﴿ اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَ اَزْوَاجَهُمْ وَ مَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴾ (37/الصّٰفّٰت:22) ''جمع کر لو مشرکوں اور اُن کے ہم مشربوں کو اور ان کو جن کی وہ عبادت اللہ کو چھوڑ کر کیا کرتے تھے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت کے حاشیے میں حضرتؒ لکھتے ہیں: ''زوج کے لفظی معنی ساتھی یا مقارن کے ہیں۔ یہاں ازواج بیویوں کے معنی میں نہیں بلکہ رفیقوں، ہم مشربوں کے مرادف ہے۔'' امام راغبؒ نے بھی اس آیت میں ازواج سے ساتھی مراد لیے ہیں۔ شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے بھی آیت کریمہ میں ازواج کا ترجمہ ''ساتھیوں'' سے کیا ہے۔

(5) کبھی زوج سے مراد ''قسم'' یا ''گروہ'' ہوتا ہے۔ (جیسے اوپر نمبر 3 میں بھی بیان ہوا) ﴿ وَّ كُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ﴾ (56/واقعہ:7) ''اور تم تین قسم کے ہو جاؤ گے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ حاشیے میں حضرتؒ فرماتے ہیں: ''زوج یہاں صِنف یا قسم کے معنی میں ہے۔'' یا فرمایا: ﴿ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ (طٰہٰ:131) ''اور اپنی نگاہیں ہرگز اُن چیزوں کی طرف نہ دوڑانا جو ہم نے اُن میں سے مختلف لوگوں کو آرائش دنیا کی دے رکھی ہیں۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔ اس آیت کے حاشیے میں بھی حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ سے مراد کافروں کی مختلف قسمیں ہیں۔ مثلاً یہود، نصاریٰ، مشرکین وغیرہا۔''

(6) زوج کا تثنیہ (زوجان، زوجین) جب استعمال ہو تو اس سے بھی مختلف معنی مراد لیے جاتے ہیں مثلاً (ا) کبھی اس سے ایک ہی جوڑے کے دونوں فرد، نر اور مادہ مراد ہوتے ہیں مثلاً: ﴿ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ ﴾ (ھود:40) ''تو ہم نے نوحؑ کو فرمایا سوار کر لو کشتی میں ہر جنس سے نر اور مادہ دو۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ پیر کرم شاہ صاحبؒ اس آیت کے حاشیے میں فرماتے ہیں: ''زوج جوڑے کے ہر فرد کو بھی کہتے ہیں جس طرح عورت کو بھی زوج کہا جاتا ہے اور مرد کو بھی زوج۔ قرآن کریم میں ہے ﴿ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا ﴾ اس سے اس کا زوج پیدا کیا۔ اس لیے زوجین جب تثنیہ ہوگا تو اس سے جوڑے کے دونوں فرد نر اور مادہ مراد ہوں گے قرآن مجید میں ہے ﴿ وَ اَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰى ﴾ اس نے زوجین یعنی نر اور مادہ پیدا کیے۔ (ضیاء القرآن، ج۲، ص۳۶۰) (ب) کبھی اس سے ''مقابل کی چیزیں'' مراد ہوتی ہیں۔ مثلاً ﴿ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴾ (الذاریات:49) ''اور ہم نے ہر چیز کو دو دو قسم کی بنایا تاکہ تم سمجھو۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ حاشیے میں حضرتؒ فرماتے ہیں: ''زَوْجَيْنِ سے یہاں مراد مقابل کی چیزیں ہیں۔ مثلاً گرمی سردی، جوہر عرض، آسمان زمین، پستی بلندی، بڑی چھوٹی، الٹی سیدھی، وحدت کثرت، نور ظلمت و قس علیٰ ہذا۔ کائنات بھری پڑی ہے ایسی ہی اضداد یا متقابلات سے۔'' حضرت شیخ الہندؒ اس آیت کا ترجمہ کرتے ہیں: ''اور ہر چیز کے بنائے ہم نے جوڑے تاکہ تم دھیان کرو۔'' حاشیے میں حضرتؒ فرماتے ہیں: ''یعنی نر اور مادہ، جیسا کہ

ابن زید نے کہا۔ اور آج جدید حکماء اس کا اعتراف کر رہے ہیں کہ ہر ایک نوع میں نر اور مادہ کی تقسیم پائی جاتی ہے اور یا زوجین سے متقابل ومتضاد چیزیں مراد ہیں۔ مثلاً رات دن، زمین آسمان، اندھیرا اُجالا، سیاہی سفیدی، صحت ومرض، کفر وایمان وغیرذٰلک۔'' (ج) اور کبھی اس سے مراد ''دو قسمیں'' ہوتا ہے۔ مثلاً ﴿ فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ۚ ﴾ (الرحمٰن:52) ''اور ان باغوں میں ہر میوہ کی دو دو قسمیں ہوں گی۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

(7) قرآن مجید میں یہ لفظ اپنے ان تمام مفاہیم کے مجموعے کے ساتھ بھی استعمال ہوا ہے۔ مثلاً ﴿ وَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا ﴾ (الزخرف:12) ''اور جس نے بنائے سب چیز کے جوڑے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ حاشیے میں حضرتؒ فرماتے ہیں: ''یعنی دنیا میں جتنی چیزوں کے جوڑے ہیں اور مخلوق کی جتنی قسمیں اور متماثل یا متقابل انواع ہیں سب کو اللہ ہی نے پیدا کیا۔'' صاحبؒ احسن البیان اس آیت کے حاشیے میں فرماتے ہیں: ''یعنی ہر چیز کو جوڑا جوڑا بنایا، نر اور مادہ، نباتات، کھتیاں، پھل، پھول اور حیوانات سب میں نر اور مادہ کا سلسلہ ہے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد ایک دوسرے کی مخالف چیزیں ہیں جیسے روشنی اور اندھیرا، مرض اور صحت، انصاف اور ظلم، خیر اور شر، ایمان اور کفر، نرمی اور سختی وغیرہ۔ بعض کہتے ہیں ازواج، اصناف کے معنی میں ہے۔ تمام انواع واقسام کا خالق اللہ ہے۔''

(تفعیل) تَزْوِيْجًا (1) کسی کو کسی کا جوڑا بنانا۔ نکاح کر دینا۔ ﴿ زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ ﴾ (33/الاحزاب:37) ''ہم نے جوڑا بنایا آپ ﷺ کا اس کو، تاکہ نہ رہے مومنوں پر کوئی گناہ اپنے منہ بولوں کی بیویوں میں۔''

(2) ساتھی بنا دینا۔ اکٹھا کر دینا۔ جمع کر دینا۔ ﴿ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۙ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّ اِنَاثًا ۚ ﴾ (42/الشوری:50) ''جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے یا اُنہیں جمع کر دیتا ہے بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی۔'' اس آیت مبارکہ میں یُزَوِّجُ کا معنی ہے جمع کر دینا، اکٹھا کر دینا۔ اور اسی طرح فرمایا ﴿ وَ اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۙ ﴾ (81/التکویر:7) ''اور جب جانیں جسموں سے ملا دی جائیں گی۔''

ط ھ ر

(ن۔ک) طُهْرًا اور طَهَارَةً پاک ہونا۔ ﴿ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ ﴾ (2/البقرہ:222) ''اور ان سے قرابت مت کرو یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں۔''

(ف) طَهَّرَ گندگی دور کرنا۔ پاک کرنا۔

طَهُوْرٌ فَعُوْلٌ کے وزن پر اسم المبالغہ ہے۔ پاک کرنے والا۔ بہت پاک کیا ہوا۔ ﴿ وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ﴾ (76/الدہر:21) ''اور پلائے گا ان کو، ان کا رب نہایت پاکیزہ شراب۔'' حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''طہور کا لفظ عربی زبان میں مبالغہ کا صیغہ ہے۔ طہور اس کو کہا جاتا ہے جو خود بھی پاک ہو اور دوسری چیزوں کو بھی اس سے پاک کیا جا سکے۔'' (معارف القرآن، ج۶، ص۴۸۴)۔ ﴿ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴾ (25/الفرقان:48) ''اور ہم آسمان سے پاک پانی برساتے ہیں۔'' اس آیت میں طہور کی وضاحت کرتے ہوئے امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''لفظ طہور معنوی اعتبار سے تطہیر کو چاہتا ہے۔ کیونکہ طاہر (پاکیزہ) دو قسم پر ہوتا ہے ایک وہ جو خود تو پاک ہو مگر دوسری چیز کو بھی پاک کرنے کی اس میں صلاحیت نہ ہو جیسے کپڑا کہ گو یہ پاک ہے مگر دوسری چیز کو پاک نہیں کر سکتا۔ دوم وہ جو خود بھی پاک ہو اور دوسری چیز کو بھی پاک کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو جیسے پانی چنانچہ قرآن پاک نے پانی کو طہور کہہ کر اس

معنی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔'' (مفردات القرآن، ج۲ص۶۳۹)۔صاحبؒ احسن البیان فرماتے ہیں: ''طَهُوْرٌ (بِفَتْحِ الطَّاءِ) فعول کے وزن پر آلے کے معنی میں ہے یعنی ایسی چیز جس سے پاکیزگی حاصل کی جاتی ہے۔ جیسے وضو کے پانی کو وضوا اور ایندھن کو وقود کہا جاتا ہے، اس معنی میں پانی طَاھِرٌ (خود بھی پاک) اور مُطَھِّرٌ (دوسروں کو پاک کرنے والا) بھی ہے۔ حدیث میں بھی ہے ((اِنَّ الْمَآءَ طَھُوْرٌ لَا یُنَجِّسُهٗ شَيْءٌ)) (ابوداود، ترمذی وغیرہ) ''پانی پاک ہے، اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔'' ہاں اگر اس کا رنگ یا بو یا ذائقہ بدل جائے تو ایسا پانی ناپاک ہے۔ کما فی الحدیث۔'' (تفسیر احسن البیان، ص۱۰۰۵)۔ حدیث میں مٹی اور زمین کو بھی طہور کہا گیا ہے۔ (مظاہر حق جدید ج۱ص۳۸۵)

اَطْهَرُ فعل التفضیل کا صیغہ ہے۔ زیادہ پاک۔ ﴿ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَ اَطْهَرُ﴾ (2/البقرۃ:232) ''اس میں تمہاری بہترین صفائی اور پاکیزگی ہے۔''

(تفعیل) **تَطْهِيْرًا** پاک کرنا۔ کثرت سے یا بار بار پاک کرنا۔ یہ لفظ ظاہری اور باطنی دونوں طرح کی نجاستوں سے پاکیزگی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً: ظاہری نجاست کو دور کرنے کے لیے فرمایا: ﴿وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝﴾ (74/المدثر:3،4) ''اور اپنے پروردگار کی بڑھائی کرو اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو'' اور باطنی برائیوں کو صاف کرنے کے لیے فرمایا: ﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝﴾ (33/الاحزاب:33) ''اے (پیغمبرؐ کے) اہل بیت! اللہ چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی کو دور کردے اور تمہیں بالکل پاک صاف کردے جیسا کہ پاکیزگی کا حق ہے۔''

طَهِّرْ فعل امر ہے۔ تو پاک کر۔ تو پاک رکھ۔ ﴿وَّ طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ﴾ (22/الحج:26) ''اور پاک رکھ میرے گھر کو طواف کرنے والوں کیلئے۔''

مُطَهِّرٌ اسم الفاعل ہے۔ پاک کرنے والا۔ ﴿وَ رَافِعُكَ اِلَيَّ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ (3/آل عمران:55) ''اور میں اٹھانے والا ہوں آپؐ کو اپنی طرف اور پاک کرنے والا ہوں آپؐ کو ان سے جنہوں نے انکار کیا۔''

مُطَهَّرٌ ج: مُطَهَّرُوْنَ۔ اسم المفعول ہے۔ مذکر۔ خوب پاک کیا ہوا۔ ﴿لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝﴾ (56/الواقعۃ:79) ''نہیں چھو سکتے اُس کو مگر پاک لوگ۔''

مُطَهَّرَةٌ اسم المفعول ہے۔ مؤنث۔ خوب پاک کی ہوئی۔ ﴿وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ﴾ (2/البقرۃ:25) ''اور اُن کے لیے بیویاں ہیں صاف ستھری۔''

(تفعّل) **تَطَهُّرًا** کوشش کرکے خود کو پاک کرنا۔ پاک ہونا۔ پاک رہنا۔ ﴿فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا﴾ (9/توبہ:108) '''' اس میں ایسے لوگ ہیں جو پسند کرتے ہیں کہ پاک رہیں۔''

اِطَّهَّرْ ج: اِطَّهَّرُوْا۔ فعل امر ہے۔ خود کو پاک کر۔ پاک ہو۔ ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾ (5/المائدہ:6) ''اور اگر تم لوگ ہو ناپاک تو خود کو پاک کرو۔''

مُتَطَهِّرٌ اور مُطَّهِّرٌ ج: مُتَطَهِّرُوْنَ اور مُطَّهِّرُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ پاک ہونے والا۔ خود کو پاک رکھنے والا۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۝﴾ (2/البقرۃ:222) ''بیشک اللہ پسند کرتا ہے خوب توبہ کرنے والوں کو اور وہ پسند کرتا ہے خود کو پاک رکھنے والوں کو۔'' ﴿وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝﴾ (9/التوبہ:108) ''اور اللہ پسند کرتا ہے خود کو پاک رکھنے والوں کو۔''

خ ل د

(ن) خُلُوْدًا کسی تبدیلی کے بغیر عرصہ دراز تک ایک حالت میں رہنا۔ ہمیشہ رہنا۔ صاحبؒ لغات القرآن فرماتے ہیں: ''کسی شے کے بربادی سے بچنے اور اپنی حالت پر باقی رہنے کا نام ''خلود'' ہے، اسی بنا پر اہل عرب عام طور پر خلود کا استعمال اس چیز کے لیے کرتے ہیں کہ جو دیر پا ہو، اور اس میں تغیر وفساد مدت کے بعد پیدا ہو، چنانچہ چولہے کے ان تین پتھروں کو جن پر دیگ چڑھائی جاتی ہے اسی لیے خَوَالِدُ کہتے ہیں کہ وہ دیر تک قائم رہتے ہیں، عالم آخرت کے لیے جہاں خُلُوْدٌ کا استعمال ہوتا ہے، وہاں اس کے اصلی معنی ہیں تمام اشیاء کا اپنی اپنی حالت پر برقرار رہنا۔'' (لغات القرآن، ج۲، ص ۳۲۲)۔ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''خلود کے اصل معنی ہیں کسی چیز کا ایک حال پر قائم و برقرار رہنا اور اس کے اندر کوئی تغیر، کوئی خرابی نہ پیدا ہونا۔ اس سے ثانوی مفہوم دوام وہمیشگی کا پیدا ہو گیا۔ خود قرآن مجید میں اس معنیٰ میں بہت صاف طور پر آیا ہے، جہاں خالد کو باقی کے معنیٰ میں لے کر فانی سے اس کا تقابل کیا ہے۔ ﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۭ اَفَاْىِٕنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴾ (الانبیا:34) ''اور خلود فی الجنۃ اور خلود فی النار سے مراد ہے جنت کی نعمتوں یا جہنم کے عذاب کا دوام اور اہل جنت اور اہل جہنم کا کبھی اپنے اپنے مقام سے باہر نہ نکلنا اہل جنت کے تنعّم اور اہل جہنم کے عذاب کا دائم وغیر منقطع ہونا امت کے اجماعی مسلمات میں سے ہے۔'' (تفسیر ماجدی، ص ۲۳)۔ جنت بھی ہمیشہ رہے گی، جنتی بھی ہمیشہ رہے گا اور جنت کی نعمتیں بھی ہمیشہ رہیں گی۔ ﴿وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴾ (26/الشراء:129) ''اور تم لوگ بناتے ہو قلعے شائد کہ تم لوگ ہمیشہ رہو گے۔'' ﴿ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ﴾ (50/قٓ:34) ''یہ دن ہمیشگی کا ہے۔''

خَالِدٌ ج: خَالِدُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ ہمیشہ رہنے والا۔ ﴿اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾ (2/البقرہ: 82) ''وہ لوگ جنت والے ہیں، وہ لوگ اس میں ہمیشہ ایک حالت میں رہنے والے ہیں۔''

خُلْدٌ اسم ذات ہے۔ دوام۔ ہمیشگی۔ ﴿ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ﴾ (10/یونس:52) ''پھر کہا جائے گا ان لوگوں سے جنہوں نے ظلم کیا تم لوگ چکھو ہمیشگی کا عذاب۔''

(افعال) اِخْلَادًا یہ فعل لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کے معنی ''سدا رہنا، ہمیشہ رہنا'' بھی ہیں اور ''کسی کو دوام بخشنا، ہمیشگی دینا'' بھی ہیں۔ جیسے قرآن مجید میں فرمایا: ﴿يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ﴾ (الھمزۃ:3) اس آیت مبارکہ میں اَخْلَدَهٗ کے دونوں طرح ترجمے کیے گئے ہیں مثلاً: ''خیال کرتا ہے کہ اس کا مال سدا کو رہے گا اس کے ساتھ۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''وہ یہ خیال کر رہا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس سدا رہے گا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ''وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس کے مال نے اُسے لافانی بنا دیا ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے حاشیے میں صاحبؒ احسن البیان فرماتے ہیں: ''اَخْلَدَهٗ کا زیادہ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ ''اسے ہمیشہ زندہ رکھے گا'' یعنی یہ مال، جسے وہ جمع کر کے رکھتا ہے، اس کی عمر میں اضافہ کر دے گا اور اسے مرنے نہیں دے گا۔''

اس فعل کے ساتھ جب 'اِلیٰ' کا صلہ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے کسی کی طرف مائل ہونا۔ کسی ایک طرف جھک جانا۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا: ﴿وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ ﴾ (7/الاعراف:176) ''اور اگر ہم چاہتے تو بلند کر دیتے اُس کا رتبہ ان آیتوں کے باعث لیکن وہ تو جھک گیا پستی کی طرف اور پیروی کرنے لگا اپنی خواہش کی۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ آگے حاشیے میں حضرتؒ فرماتے ہیں: ''اَخْلَدَ کا صلہ جب اِلیٰ ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے اس چیز کی طرف مائل ہونا۔''

(تفعیل) تَخْلِیْدًا کسی کو ہمیشگی دینا۔ ہمیشہ کیلئے بنانا۔

مُخَلَّدٌ ج: مُخَلَّدُوْنَ۔ اسم المفعول ہے۔ ہمیشہ کیلئے بنایا ہوا۔ ہمیشگی دیا ہوا۔ ﴿ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ﴾ (56/واقعہ:17) ''طواف کریں گے ان پر ہمیشگی دیئے ہوئے لڑکے۔''

ترکیب بَشِّرْ فعل امر ہے۔ آگے اَلَّذِیْنَ سے ملانے کے لئے اسے کسرہ دی گئی ہے۔ اَلَّذِیْنَ (موصول) اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (صلہ) یہ پورا جملہ، موصول اور صلہ مل کر، بَشِّرْ کا مفعول اول ہے۔ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ، وہ بشارت ہے جسے دینے کا حکم ہے۔ اس طرح یہ بَشِّرْ کا مفعول ثانی ہے۔

اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ میں جَنّٰتٍ مبتداء موخرنکرہ ہے اور اَنَّ کا اسم ہونے کی وجہ سے حالت نصب میں ہے۔ لَهُمْ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ اس کی خبر ثَابِتٌ یا وَاجِبٌ محذوف ہے۔ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ، یہ جملہ جَنّٰتٍ کی صفت اول ہے۔ تَجْرِیْ فعل ہے، اَلْاَنْهٰرُ اس کا فاعل اور مِنْ تَحْتِهَا متعلق فعل ہے۔ تَحْتِهَا میں هَا کی ضمیر جَنّٰتٍ کے لئے ہے۔

كُلَّمَا حرف شرط ہے رُزِقُوْا سے لے کر رِزْقًا تک بیان شرط ہے اور قَالُوْا سے لے کر مُتَشَابِهًا تک جواب شرط ہے۔ یہ پورا جملہ شرطیہ جَنّٰتٍ کی دوسری صفت ہے۔

رُزِقُوْا ماضی مجہول ہے لیکن شرط ہونے کی وجہ سے اس کا ترجمہ مستقبل میں ہوگا۔ اس میں شامل ضمیر اس کا نائب الفاعل ہے۔ مِنْهَا میں هَا کی ضمیر جنت کے لئے ہے۔ مِنْ ثَمَرَةٍ متعلق ہے رِزْقًا سے اور رِزْقًا مفعول ثانی ہے رُزِقُوْا کا۔ دوسری صورت میں مِنْ ثَمَرَةٍ مفعول ثانی ہے رُزِقُوْا کا جو اصل میں ثَمَرَةً تھا، مِنْ تبعیضیہ کی وجہ سے حالت جر میں چلا گیا اس لیے محلاً منصوب ہے۔ اور رِزْقًا مفعول لَهٗ ہے۔ (واللہ اعلم)۔ آگے هٰذَا مبتدا ہے اور الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ موصول اور صلہ مل کر خبر ہے۔

اُتُوْا بِهٖ کو سمجھ لیں۔ اَتٰی۔ یَاْتِیْ (آنا) فعل لازم ہے جس کا مجہول نہیں آتا۔ لیکن جب اس کے ساتھ 'ب' کا صلہ آئے تو یہ متعدی استعمال ہوتا ہے اور اس کے معنی ہوتے ہیں کوئی چیز لانا یا کسی کو کوئی چیز دینا۔ اس صورت میں اس کا مجہول استعمال ہو جاتا ہے۔ یہاں پر اُتُوْا۔ ماضی مجہول کا صیغہ ہے اور اس میں شامل ضمیر اس کا نائب الفاعل ہے۔ بِهٖ جار مجرور اس کے متعلق ہیں اور 'ہ' ضمیر ثمرۃ کے لیے ہے اور متشابهًا، اس کا حال ہے۔ یعنی وہ پھل جو انہیں دیے جائیں گے وہ باہم ملتے جلتے ہوں گے۔ یہاں اُتُوْا بِهٖ ''دینا'' کے معنوں میں ہے اور ہمارے بزرگوں نے تراجم بھی اسی طرح کیے ہیں مثلاً ''اور دیے جائیں گے ان کو پھل ایک صورت کے'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''اور انہیں وہ (واقعی) دیا ہی جائے گا ملتا جلتا ہوا'' (ترجمہ ماجدیؒ) ''اور دیا گیا اُنہیں پھل (صورت میں) ملتا جلتا'' (ترجمہ ضیاء القرآن) وغیرہ۔

اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ یہ مرکب توصیفی مبتداء موخرنکرہ ہے۔ جبکہ لَهُمْ فِیْهَا قائم مقام خبر مقدم ہے۔ هُمْ مبتدا، فِیْهَا متعلق خبر اور خٰلِدُوْنَ خبر ہے۔

ترجمہ
البقرۃ:25

وَبَشِّرِ	الَّذِیْنَ	اٰمَنُوْا	وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
اور آپ ﷺ بشارت دیجئے	ان لوگوں کو جو	ایمان لائے	اور نیک عمل کیے

اَنَّ	لَهُمْ	جَنّٰتٍ	تَجْرِیْ	مِنْ تَحْتِهَا	الْاَنْهٰرُ
کہ	ان کیلئے	باغات ہیں	بہتی ہیں	جن کے نیچے سے	نہریں

كُلَّمَا	رُزِقُوْا	مِنْهَا	مِنْ ثَمَرَةٍ	رِّزْقًا	قَالُوْا
جب بھی	ان کو دیا جائے گا	اس میں	کوئی پھل	کھانے کو	وہ لوگ کہیں گے

هٰذَا الَّذِیْ	رُزِقْنَا	مِنْ قَبْلُ ۙ	وَاُتُوْا بِهٖ	مُتَشَابِهًا ؕ
یہ ہے جو	ہم کو دیا گیا	(اس) سے پہلے	اور انہیں دیا جائے گا وہ (پھل)	باہم ملتا جلتا

وَلَهُمْ فِیْهَآ	اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ	وَّهُمْ	فِیْهَا	خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾
اور ان کے لیے ہیں اس میں	پاک کیے ہوئے جوڑے	اور وہ لوگ	اس میں	ہمیشہ ایک حالت میں رہنے والے ہیں

نوٹ حروف اِنَّ -اَنَّ -اَنْ اور اِنْ کے متعلق چند باتیں ذہن نشین کرلیں:

(1) اِنَّ کے معنی ہیں ''بیشک'' جبکہ اَنَّ کے معنی ہیں ''کہ''۔ یہ دونوں حروف اسم پر داخل ہوتے ہیں اور دونوں اپنے اسم کو منصوب کرتے ہیں۔

(2) اِنَّ جملہ کے شروع میں آتا ہے جبکہ اَنَّ جملہ کے درمیان میں آتا ہے۔ البتہ قَالَ یا اس کے مشتقات سے شروع ہونے والے جملوں کے درمیان میں اِنَّ آتا ہے لیکن ایسی صورت میں اِنَّ کے معنی ''کہ'' ہوتے ہیں۔ اس کا دوسرا استثناء یہ ہے کہ اگر خبر پر لام تاکید (لام مزحلقہ) آرہا ہو تو پھر جملے کے درمیان میں اَنَّ کی بجائے اِنَّ آتا ہے اور ایسی صورت میں بھی اس کا ترجمہ ''کہ'' کیا جاتا ہے۔ مثلاً سورۃ المنافقون کی پہلی آیت: ﴿اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ﴿۱﴾﴾۔

(3) اَنْ کے معنی ہیں ''کہ'' جبکہ اِنْ کے معنی ہیں ''اگر''۔ یہ دونوں حروف فعل پر داخل ہوتے ہیں۔ اَنْ مضارع کو منصوب کرتا ہے جبکہ اِنْ مضارع کو مجزوم کرتا ہے۔ اَنْ مفسّرہ ہمیشہ اس فعل کے بعد آتا ہے جس میں کہنے کے معنی پائے جائیں خواہ کہنے کے معنی پر اس فعل کی دلالت لفظی ہو جیسے کہ ﴿فَاَوْحَیْنَآ اِلَیْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ﴾ (المومنون:27) ''''پھر ہم نے اس کو حکم بھیجا یہ کہ تو کشتی بنا'' یا دلالت معنوی جیسے ﴿وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا﴾ (صٓ:6) ''اور ان میں سے کئی سردار چل کھڑے ہوئے کہ چلو'' یعنی ان کے اٹھ کر چلنے کا مطلب گویا یہ کہنا ہے کہ تم بھی چلو۔

آیت: 26

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَسْتَحْیٖٓ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَ اَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَیَقُوْلُوْنَ مَا ذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا ۙ وَّ یَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا ؕ وَمَا یُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ ۙ﴿۲۶﴾﴾

اِنَّ: البقرۃ آیت 25 کے آخر میں نوٹ دیکھیں۔ اَللّٰهُ (ء ل ہ): آیت بسم اللہ دیکھیں۔

ح ی ی

(س) (ل) حَیَاءً شرمانا۔ حیا کرنا۔

(ب) حَیَاۃٌ زندہ ہونا۔ زندہ رہنا۔ ﴿لِّیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَیِّنَةٍ وَّ یَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْۢ بَیِّنَةٍ ؕ﴾ (8/الانفال:42) ''تاکہ جو ہلاک ہو، دلیل پر ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ بھی دلیل پر زندہ رہے۔'' ﴿فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰی ﴿۷۴﴾﴾ (20/طٰہٰ:74) ''''تو یقیناً اس کے لئے جہنم ہے، نہ وہ مرے گا اس میں اور نہ زندہ رہے گا۔''

حَیٰوۃٌ اسم ذات ہے۔ زندگی۔ ﴿الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ﴾ (67/الملک:2) ''جس نے پیدا کیا موت اور زندگی کو تاکہ وہ آزمائے تم لوگوں کو کہ تم میں سے کون زیادہ اچھا ہے بلحاظ عمل کے۔''

حَیَوَانٌ اسم ذات ہے۔ اصل زندگی۔ حقیقی زندگی جس کے بعد موت نہیں۔ یہ ح ی ی (س) کا مصدر بھی ہے اور حَیَاۃٌ سے زیادہ

بلیغ اور پرزور بھی ہے۔ اصل میں فَعَلَانٌ کے وزن پہ حَیَیَانٌ تھا۔ یائے ثانی کو وٗ میں تبدیل کر دیا۔ یہ قرآن مجید میں صرف ایک مرتبہ استعمال ہوا ہے مندرجہ ذیل آیت میں۔﴿ وَ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ ۘ ﴾ (29/العنکبوت:64) ''اور دارِ آخرت کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے (جس کے بعد موت نہیں)۔''

حَیٌّ ج: اَحْیَاءٌ۔ اسم صفت ہے۔ زندہ۔ ﴿ وَ تُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ ۫ ﴾ (3/آل عمران:27) ''اور تو نکالتا ہے زندہ کو مردہ میں سے اور تو نکالتا ہے مردہ کو زندہ میں سے۔'' ﴿ وَ مَا یَسْتَوِی الْاَحْیَآءُ وَ لَا الْاَمْوَاتُ ؕ ﴾ (35/فاطر:22) ''اور برابر نہیں ہیں زندہ اور مردہ۔'' حَیٌّ جب اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے وہ ہستی جو ہمیشہ سے زندہ ہے، اب بھی زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گی اور جس کے متعلق موت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اَلْحَیُّ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ ﴿ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ ﴾ (2/البقرۃ:255) ''اللہ، وہ زندۂ جاوید ہستی، جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔''

حَیَّةٌ ج: حَیَّاتٌ۔ اسم جنس ہے۔ ہر قسم کا سانپ۔ مذکر اور مونث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ قَالَ اَلْقِهَا یٰمُوْسٰی ۱۹ فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِیَ حَیَّةٌ تَسْعٰی ۲۰ ﴾ (20/طٰہٰ:19-20) ''اللہ تعالیٰ نے کہا تو ڈال دے لاٹھی کو اے موسیٰ، تو انہوں نے ڈالا اس کو، پھر اُسی وقت وہ لاٹھی سانپ بن گئی دوڑتی ہوئی۔''

مَحْیَا (1) اسم ظرف زمان ہے۔ زندہ رہنے کا زمانہ، عرصۂ حیات۔ (2) مصدر میمی ہے مطلب ہے ''جینا''۔ ﴿ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَ مَمَاتُهُمْ ؕ ﴾ (45/الجاثیہ:21) ''کہ ہم بنا دیں گے ان کو ان کی مانند جو ایمان لائے اور نیکیاں کیں، برابر یعنی ایک جیسا، ان کا جینا اور اُن کا مرنا۔''

حَیَّ اسم فعل ہے۔ غفلت سے جاگو۔ متوجہ ہو۔ آؤ۔ قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

یَحْیٰی اللہ تعالیٰ کے ایک پیغمبر کا نام۔ ﴿ وَ زَكَرِیَّا وَ یَحْیٰی وَ عِیْسٰی وَ اِلْیَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ۙ۸۵ ﴾ (6/الانعام:85) ''اور زکریاؑ کو اور یحییٰؑ کو اور عیسیٰؑ کو اور الیاسؑ کو (ہم نے ہدایت دی) سب نیک لوگوں میں سے تھے۔''

(تفعیل) تَحِیَّةً کسی کو زندگی دینا۔ درازی عمر کی دعا دینا۔ سلام کرنا۔ وہ کلمہ جس کے ذریعے سے کسی آنے والے یا ملنے والے شخص کا استقبال کیا جاتا ہے جیسے سلام یا خوش آمدید یا اھلًا و سھلًا وغیرہ ﴿ وَ اِذَا جَآءُوْكَ حَیَّوْكَ بِمَا لَمْ یُحَیِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ ﴾ (58/المجادلہ:8) ''اور جب آپؐ کے پاس آتے ہیں تو آپؐ کو اُن لفظوں سے سلام کرتے ہیں جن لفظوں سے اللہ تعالیٰ نے نہیں کہا۔'' حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ تَحِیَّةٌ کے لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''تحیّہ کے لفظی معنی ہیں کسی کو ''حَیَّاكَ اللّٰهُ'' کہنا، یعنی اللہ تم کو زندہ رکھے۔ قبل از اسلام عرب کی عادت تھی کہ جب آپس میں ملتے تو ایک دوسرے کو ''حیّاك اللّٰه'' یا ''اَنْعَمَ اللّٰهُ بِكَ عَیْنًا'' یا اَنْعِمْ صَبَاحًا وغیرہ الفاظ سے سلام کیا کرتے تھے، اسلام نے اس طرز تحیہ کو بدل کر اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ کہنے کا طریقہ جاری کیا، جس کے معنی ہیں ''تم ہر تکلیف اور رنج و مصیبت سے سلامت رہو۔'' (معارف القرآن، ج ۲، ص ۵۰۱)۔ پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''تحیۃ باب تفعیل کا مصدر ہے۔ اس کا اصلی معنی زندگی کی درازی کی دعا دینا ہے۔ واصل التحیة الدعاء بالحیاة (قرطبیؒ) اور اس کا معنی ملک بھی ہے التحیات اللہ میں یہی معنی ملحوظ ہے۔'' (ضیاء القرآن، ج ۱، ص ۳۷۳)۔ علامہ عثمانیؒ سورہ ابراہیم، آیت 23 تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ کے تحت فرماتے ہیں: ''حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ دنیا میں ''سلام'' دعاء ہے سلامتی مانگنے کی وہاں (یعنی جنت میں) ''سلام'' کہنا مبارکباد ہے سلامتی ملنے پر۔''

حَيِّ فعل امر ہے۔تو دعا دے۔تو سلام کر۔﴿ وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ﴾(4/النساء:86) ''اور جب سلام دیا جائے تمہیں کسی لفظ دعا سے تو سلام دو تم ایسے لفظ سے جو بہتر ہو اُس سے یا (کم از کم) دہرا دو وہی لفظ۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)

(افعال) اِحْيَاءً زندہ کرنا۔﴿ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ﴾(16/النحل:65)''اور اللہ نے نازل کیا آسمان سے پانی، پھر اس نے زندہ کیا اس سے یعنی پانی سے زمین کو اس کی موت کے بعد۔''نوٹ کر لیجیے کہ مضارع معروف يُحْيِيُ کو قرآنِ مجید میں ایک 'ی' اور کھڑی زیر کے ساتھ يُحْيِي لکھا جاتا ہے اور اسی طرح اس کے باقی صیغے لکھے جاتے ہیں مثلاً اُحْيِي، نُحْيِي وغیرہ۔ اگر آگے ملانا ہو تو ایک ی اور زیر کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ جیسے يُحْيِ اللّٰهُ یا نُحْيِ الْمَوْتٰى وغیرہ۔ اگر اس کے بعد ضمیر ہو تو پھر دو 'ی' کے ساتھ لکھا جاتا ہے جیسے يُحْيِيْكُمْ۔ اور اگر مضارع منصوب ہو تو اصل شکل يُحْيِيَ بنتی ہے جس کو پھر يُحْيِيَ لکھا جاتا ہے جیسے لِّنُحْيِيَ (الفرقان:49) (واللہ اعلم)

مُحْيِ اسم الفاعل ہے۔ مذکر۔ زندہ کرنے والا۔﴿ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ﴾(30/الروم:50)''بے شک وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے۔''

(استفعال) اِسْتِحْيَاءً زندہ رہنے دینا۔ کسی بات سے حیا کرنا۔ شرم کرنا۔ اِسْتِحْيَاءٌ اگر حَيَاةٌ سے مشتق ہو تو معنی ہوگا طَلَبُ الْحَيَاةِ زندگی چاہنا، زندہ رہنے دینا۔ اگر حَيَاءٌ سے مشتق ہو تو معنی ہوگا حیاء کرنا، شرمانا، شرم کا اظہار کرنا۔ قرآن مجید میں دونوں طرح استعمال ہوا ہے۔﴿ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَ يَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ﴾(28/القصص:4)''وہ ذبح کرتا ان کے بیٹوں کو اور زندہ رہنے دیتا ان کی عورتوں کو۔'' ﴿ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ﴾(33/الاحزاب:53)''اور اللہ شرم نہیں کرتا حق بیان کرنے سے۔''﴿ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ﴾(28/القصص:25)''اتنے میں اُن دونوں عورتوں میں سے ایک اُن کی طرف شرم وحیاء سے چلتی ہوئی آئی۔''

اِسْتَحْيِ ج: اِسْتَحْيُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو زندہ رکھ۔ تو حیا کر۔﴿ قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ﴾(40/المومن:25)''ان لوگوں نے کہا تم لوگ قتل کرو ان کے بیٹوں کو جو ایمان لائیں اس کے ساتھ اور زندہ رکھو ان کی عورتوں کو۔''

اَنْ :البقرۃ آیت 25 کے آخر میں نوٹ دیکھیں۔

ض ر ب

(ض) ضَرْبًا عربی زبان کا یہ ایک کثیر المعانی لفظ ہے۔ اس کا بنیادی مفہوم ہے،''ایک چیز کو دوسری چیز پر واقع کرنا۔'' چونکہ اس کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں اس لیے مختلف موقعوں پر اس کے مختلف معانی آتے ہیں۔ مثلاً

(1) مارنا۔﴿ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ ﴾(8/الانفال:50)''وہ یعنی فرشتے مارتے ہیں انکے چہروں پر اور ان کی پیٹھوں پر۔'' جس چیز کے ساتھ مارا جائے اس پر 'ب' کا صلہ آتا ہے جیسے فرمایا:﴿ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ﴾(2/البقرۃ:60)''تو ہم نے کہا آپ ماریں اپنی لاٹھی سے اس پتھر کو۔''

(2) چلنا۔ سفر کرنا، کیونکہ انسان چلتے وقت زمین پر پاؤں رکھتا ہے۔ اس صورت میں اس کے ساتھ عام طور پر ''فِيْ'' کا صلہ آتا ہے۔ جیسے فرمایا:﴿ وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ﴾(4/النساء:101)''اور جب بھی تم لوگ سفر کرو زمین میں تو تم لوگوں پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم لوگ قصر کرو نماز میں۔''﴿ لَا

یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ ﴾ (2/البقرۃ:273) ''وہ زمین پر چلنے پھرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔'' ﴿ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ﴾ (20/طٰہٰ:77) ''اور اُن کے لیے دریا میں خشک راستہ بنا لیجئے۔''

(3) ایک چیز کو دوسری چیز پر لازم کر دینا، مسلط کر دینا، چسپاں کر دینا یا تھوپ دینا۔ اس صورت میں عموماً ''عَلٰی'' کا صلہ استعمال ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿ وَ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ ﴾ (2/البقرہ:61) ''اور تھوپی گئی ان لوگوں پر ذلت۔'' ﴿ وَ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ﴾ (3/آل عمران:112) ''اور ان پر محتاجی و مغلوبی مسلط کر دی گئی۔'' ﴿ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ﴾ (18/الکہف:11) ''سو ہم نے غار میں اُن کے کانوں پر سالہا سال تک (نیند کا) پردہ ڈالے رکھا۔'' یعنی اُن کے کانوں پر نیند کا پردہ مسلط کر دیا گیا اور اُن کے کان بند کر دیے تاکہ کوئی آواز اُن کی نیند میں خلل پیدا نہ کرے۔

(4) بنانا۔ ایک اینٹ کو دوسری اینٹ پر لگانا۔ ﴿ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ ﴾ (57/الحدید:13) ''تو بنا دی گئی ان کے مابین ایک دیوار۔''۔

(5) ضَرَبَ مَثَلًا کا مطلب ہے مثال دینا۔ بیان کرنا۔ کسی ایک بات سے دوسری بات کو واضح کرنا۔ ﴿ وَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ﴾ (24/النور:35) ''اور اللہ بیان کرتا ہے مثالیں لوگوں کے لئے۔'' ضرب المثل مشہور لفظ ہے۔

(6) منہ پھیر لینا۔ نظر انداز کر دینا۔ اس صورت میں عام طور پر 'عَنْ' کا صلہ استعمال ہوتا ہے۔ ضَرَبْتُ عَنْهُ کا مطلب ہے میں نے اسے چھوڑ دیا یا میں اس سے رُک گیا۔ ﴿ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ﴾ (43/الزخرف:5) ''کیا پھیر دیں گے ہم تمہاری طرف سے یہ کتاب موڑ کر اس سبب سے کہ تم ہو ایسے لوگ کہ حد پر نہیں رہتے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''علامہ قرطبیؒ کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی چیز سے منہ پھیر لے اور اسے نظر انداز کر دے تو عرب کہتے ہیں ''قَدْ ضَرَبْتُ عَنْهُ صَفْحًا اِذَا اَعْرَضْتُ عَنْهُ وَ تَرَكْتُهٗ'' (قرطبیؒ) علامہ ابن منظور اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اَیْ نُهْمِلُكُمْ وَلَا نُعَرِّفُكُمْ مَا يَجِبُ عَلَيْكُمْ لِاَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ اَیْ لِاَنْ اَسْرَفْتُمْ (لسان العرب) یعنی کیا ہم تم کو نظر انداز کر دیں گے اور تمہیں ان فرائض و واجبات سے مطلع نہیں کریں گے جن کی تعمیل تم پر لازمی ہے اور یہ اس لیے کہ تم اسراف کے خوگر ہو ''صفحًا'' کے متعلق علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں کہ یہ نَضْرِبُ کا مفعول مطلق ہے جیسے قَعَدْتُ جُلُوْسًا۔ اسے مفعول لَهٗ اور حال بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس وقت صَفْحًا صَافِحِيْنَ کے معنی میں ہوگا۔ (روح المعانی، بحوالہ ضیاء القرآن، ج ۴، ص ۴۰۱)۔

مَثَلًا (م ث ل): البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔

ب ع ض

(س) بَعْضًا مچھر سے تکلیف پہنچنا۔

بَعْضٌ کسی چیز کا جزیا حصہ۔ ﴿ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ﴾ (2/البقرہ:73) ''تو ہم نے یعنی اللہ تعالیٰ نے کہا کہ تم لوگ مارو اس کو یعنی مقتول کو اس کے یعنی گائے کے ٹکڑے سے۔'' ﴿ وَ يَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ﴾ (29/العنکبوت:25) ''اور لعنت کریں گے تم میں سے کچھ لوگ کچھ لوگوں پر۔''

بَعُوْضٌ اسم جنس ہے۔مچھر۔بَعُوْضَةٌ ۔ایک مچھر۔مچھر کا بچہ۔یہ بَعْضٌ سے مشتق ہے، چونکہ تمام حیوانات کی بہ نسبت اس کا جسم ذرا سا ہوتا ہے اس لیے اس کو ''بَعُوْضَةٌ'' کہنے لگے۔

ف و ق

(ن) **فَوْقًا** بلند ہونا۔اوپر ہونا۔

فَوْقٌ ظرف بھی ہے اور بطور صفت بھی استعمال ہوتا ہے ۔اس کے مفاہیم بھی متعدد ہیں۔(1) کسی کے اوپر ﴿وَ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ﴾ (2/البقرہ:63) ''اور ہم نے بلند کیا تمہارے اوپر طور کو۔''۔اس صورت میں اس کی ضد تحت ہے جس کے معنی نیچے کے ہیں۔جیسے فرمایا: ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ﴾ (6/الانعام:65) ''کہہ دو کہ وہ اس پر قدرت رکھتا ہے کہ تم پر اُوپر کی طرف سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے عذاب بھیجے۔'' فَوْقَ اگر حالت جر میں ہو تو عموماً اس کے معنی ''اوپر یا اوپر سے'' مراد ہوتے ہیں جیسے: مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ ، مِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ، مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ،وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا، عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ۔

(2) کسی جگہ سے بلند سطح یا بلندی کی جانب سے۔ ﴿اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ﴾ (33/الاحزاب:10) ''جب وہ لوگ آئے تمہارے پاس تم سے بلند جگہ سے اور تم سے پست جگہ سے۔''۔اس صورت میں اس کی ضد اسفل آتی ہے یعنی پستی کی جانب سے۔

(3) گنتی میں زیادہ۔ ﴿فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ﴾ (4/النساء:11) ''پھر اگر ان کی لڑکیاں دو سے زیادہ ہیں۔''

(4) جسامت کے لحاظ سے بڑا یا چھوٹا۔جیسے آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ﴾ اس آیت مبارکہ میں فَوْقَهَا کے دونوں معنی بیان کیے گئے ہیں یعنی مچھر یا مچھر سے بڑی چیز (جیسے مکھی یا مکڑی) یا چھوٹی چیز (جیسے مچھر کا پر یا بازو جیسے بعض احادیث میں آیا بھی ہے)۔

(5) حقارت اور ذلت میں زیادہ۔آیت زیر مطالعہ میں ﴿بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ﴾ میں فَوْقَهَا سے بعض بزرگوں نے ''حقارت میں زیادہ ہونا'' معنی مراد لیے ہیں۔یعنی مچھر اور مچھر سے بھی زیادہ حقیر چیز۔(واللہ اعلم)

(6) رُتبہ اور فضیلت میں زیادہ۔ ﴿وَ رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ﴾ (43/الزخرف:32) ''اور ہم نے بلند کیا ان میں سے کچھ لوگوں کو رتبہ میں زیادہ کچھ لوگوں سے۔''

(افعال) **اِفَاقَةً** (1) بے ہوشی یا غشی کے بعد ہوش میں آنا۔مرض کے بعد قوت پانا۔صحت یاب ہونا۔ ﴿وَخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ﴾ (7/الاعراف:143) ''اور گرے موسیٰؑ بے ہوش ہو کر پھر جب ہوش آیا تو کہا پاکی تیری ہے۔''

(2) دودھ دوہنے کے بعد دودھ کا پھر تھنوں میں لوٹ آنا۔

فَوَاقٌ درمیانی وقفہ۔وہ وقفہ جو دو مرتبہ دودھ دوہنے کے درمیان ہوتا ہے۔دوہنے والا ایک مرتبہ دودھ دوہنے کے بعد پھر بچے کو پینے کے لیے چھوڑ دیتا ہے، بچے کے پینے سے جانور کے تھنوں میں دوبارہ دودھ اُتر آتا ہے۔اور دودھ دوہنے والا بچے کو ہٹا کر خود

دوبارہ دوہ لیتا ہے۔اس درمیانی وقفے کا نام اصل لغت میں فواق ہے اور بعض کے نزدیک اس کے معنی سکون، راحت اور افاقہ کے ہیں (واللہ اعلم)۔﴿ وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ﴾(38/صٓ:15) ''اُنہیں صرف ایک چیخ کا انتظار ہے جس میں کوئی توقف اور ڈھیل نہیں ہے۔'' یعنی صور پھونکنے کے بعد اتنا وقفہ بھی نہیں ملے گا جتنا دو مرتبہ دودھ دوہنے کے درمیان ہوتا ہے، بلکہ صور پھونکنے کی دیر ہوگی کہ قیامت کا زلزلہ برپا ہو جائے گا۔

اَمَّا اَمَّا حرف ہے جو کسی اجمال کی تفصیل کے لیے آتا ہے اور اَحَدُ الشَّيْئَيْنِ (دو چیزوں میں سے ایک) کے معنی دیتا ہے۔ یہ کلام میں دوبار استعمال ہوتا ہے۔اس میں شرط کا مفہوم بھی ہوتا ہے اس لیے اس کے جواب پر کلمہ 'ف' آتا ہے۔اَمَّا کے بعد جو اسم آتا ہے وہ مبتدا اور جس پر 'ف' آئے وہ خبر ہوتی ہے۔

اَمَّا کبھی کلام کی ابتداء کے لیے بھی آتا ہے جیسے اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّهٗ كَذَا۔

اٰمَنُوْا (ء م ن): البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ يَعْلَمُوْنَ (ع ل م): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔

ح ق ق

(ن۔ض) **حَقًّا** کسی چیز یا بات کا کسی چیز یا بات کے مطابق اور موافق ہونا۔امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''حق کے اصل معنی مطابقت اور موافقت کے ہیں۔جیسا کہ دروازے کی چول اپنے گڑھے میں اس طرح فٹ آجاتی ہے کہ وہ استقامت کے ساتھ اس میں گھومتی رہتی ہے۔اس بنیادی مفہوم کے ساتھ پھر یہ لفظ مختلف مفاہیم میں استعمال ہوتا ہے۔(1) ثابت ہونا یعنی کسی چیز کا دعویٰ کے مطابق ہونا۔﴿ وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ﴾(17/بنی اسرائیل:16) ''اور جب کبھی ہم ارادہ کرتے ہیں کہ ہم ہلاک کریں کسی بستی کو تو ہم حکم دیتے ہیں اس کے خوشحال لوگوں کو، پھر وہ حکم عدولی کرتے ہیں اس میں، تو ثابت ہوتی ہے بات اس بستی پر، تو ہم تباہ کرتے ہیں اس کو جیسے تباہ کرنے کا حق ہے۔'' (2) سچ ہونا یعنی کسی دعوے کا چیز کے مطابق ہونا۔﴿ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ۚ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ﴾(37/الصافات:31) ''تو سچ ہوا ہم پر ہمارے رب کا فرمان، بیشک ہم چکھنے والے ہیں یعنی عذاب چکھنے والے ہیں۔''۔(3) بامقصد ہونا یعنی کسی چیز کا اس کے مقصد کے مطابق ہونا۔(4) واجب اور لازم ہونا۔جو چیز ثابت ہو، سچ ہو اور بامقصد ہو، اسے لازم ہونا چاہیے۔ ﴿ اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ﴾(39/الزمر:19) ''تو کیا جس پر لازم ہوا عذاب کا فرمان۔''﴿ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾(30/الروم:47) ''اور ہم پر مومنوں کی مدد کرنا لازم ہے۔''

حُقَّ ماضی مجہول ہے۔اُس پر لازم ہوا۔اُس پر ثابت ہوا۔﴿ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴾(84/الانشقاق:2) ''اور کان لگا کر سنے گا اپنے رب کا فرمان اور اُس پر فرض بھی یہی ہے۔''

حَقٌّ اسم ذات بھی ہے۔امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''اَلْحَقُّ لِلْفِعْلِ وَالْقَوْلِ: اَلْوَاقِعُ بِحَسْبِ مَا يُجِبُ وَ قَدْرِ مَا يَجِبُ وَ فِي الْوَقْتِ الَّذِيْ يَجِبُ۔یعنی وہ قول یا عمل حق ہے جو اس طرح واقع ہو جس طرح اس کا ہونا ضروری ہے اور اسی مقدار اور اسی وقت میں ہو جس مقدار میں اور جس وقت میں اس کا ہونا واجب ہے جیسے قرآن مجید کے بارے میں خود قرآن میں فرمایا گیا:﴿ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ﴾(آل عمران:3) ''اُتاری تجھ پر کتاب سچی۔'' اس آیت کے حاشیے میں علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: ''یعنی قرآن کریم جو عین حکمت کے موافق، نہایت بروقت، سچائی اور انصاف کو اپنی آغوش میں لے کر اترا۔'' حضرت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''حق کا لفظ باطل کی ضد ہے اور بالعموم یہ دو معنوں میں استعمال

ہوتا ہے۔ایک صحیح اور سچی اور مطابق عدل وانصاف اور مطابق حقیقت بات،خواہ وہ عقیدہ وایمان سے تعلق رکھتی ہو یا دنیا کے معاملات سے دوسرے، وہ حق جس کا ادا کرنا انسان پر واجب ہو،خواہ وہ خدا کا حق ہو یا بندوں کا حق یا خود اپنے نفس کا حق۔'' (تفہیم القرآن، ج۶،ص ۴۵۳)۔اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ لفظ ''حق'' کئی طرح استعمال ہوتا ہے جس کی مختصر سی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

(1) ثابت شدہ حقیقت، ثابت شدہ سچائی، ٹھیک بات۔ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ط﴾ (2/البقرہ:144) ''اور جن کو ملی ہے کتاب وہ یقیناً جانتے ہیں کہ یہ ہی ٹھیک ہے اُن کے رب کی طرف سے۔''

(2) ہر وہ چیز جو با مقصد ہو اور حکمت کے تحت بنائی گئی ہو۔اس لیے اللہ تعالیٰ کا ہر کام حق ہے۔چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا: ﴿مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ج﴾ (10/یونس:5) ''نہیں پیدا کیں اللہ نے یہ چیزیں مگر با مقصد۔'' ﴿وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ط﴾ (6/الانعام:73) ''اور وہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا حق کے ساتھ۔'' یعنی یہ تخلیق پُرحکمت اور با مقصد ہے۔

(3) اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہو تو مراد ہوتا ہے وہ ہستی جو حکمت کے تحت چیزوں کو ایجاد کرے۔اسی لیے اَلْحَقُّ اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ ﴿فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ج﴾ (10/یونس:32) ''سو یہ اللہ ہے رب تمہارا سچا۔'' ﴿ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ط﴾ (6/الانعام:62) ''پھر وہ سب واپس لائے جائیں گے اپنے مالک حقیقی کے پاس۔''

(4) کسی چیز کے بارے میں اس طرح اعتقاد رکھنا جیسا کہ فی الحقیقت وہ ہے۔چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ جزا وسزا، جنت و دوزخ کے متعلق فلاں کا اعتقاد حق ہے۔ ﴿فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ط﴾ (2/البقرۃ:213) ''پھر ہدایت کی اللہ نے ایمان والوں کو اُس سچی بات کی جس میں وہ جھگڑ رہے تھے اپنے حکم سے۔''

(5) ثابت شدہ لازم چیز۔ ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ﴾ (3/آل عمران:102) ''اے لوگو تم لوگ تقویٰ کرو اللہ کا، جیسا اسکا تقویٰ لازم ہے۔''۔ ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ﴾ (17/بنی اسرائیل:26) ''اور تو دے قرابت والے کو اسکی ثابت شدہ لازم چیز یعنی اس کا حق۔''

حَقِیْقٌ سزاوار، لائق، ثابت، قائم۔حَقٌّ سے بروزن فَعِیْلٌ صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ ﴿حَقِیْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ط﴾ (7/الاعراف:105) ''قائم ہوں اس بات پر کہ نا کہوں اللہ کی طرف سے مگر جو سچ ہے۔'' اس آیت کے تحت علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: ''اکثر مفسرین نے حقیق کے معنی جدیر (لائق) کے لیے ہیں۔اسی لیے ''علیٰ'' کو بمعنی ''با'' لینا پڑا ہے یعنی میری شان کے یہ ہی لائق ہے کہ خدا کی طرف سے کوئی ناحق اور غلط بات نہ کہوں بعض نے ''حقیق'' کو بمعنی ''حریص'' لیا ہے لیکن مترجم محقق رحمۃ اللہ نے ''حقیق'' کو ''قائم وثابت'' کے معنی میں لیا۔جس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں بدون ادنیٰ تزلزل اور تذبذب کے پوری مضبوطی اور استقلال کے ساتھ اس پر قائم ہوں کہ سچ کے سوا کوئی چیز زبان سے نہ نکالوں، خدا کا پیام بلا کم و کاست تم کو پہنچا دوں۔اور تمہاری تکذیب وتخویف کی وجہ سے ذرا بھی نہ ڈگمگاؤں۔'' بعض قرأتوں میں حَقِیْقٌ عَلَیَّ بھی آیا ہے۔اس کے مطابق حقیق کا معنی ''واجب'' ہوگا۔یعنی مجھ پر واجب ہے کہ سچی بات ہی کہوں۔چنانچہ بعض بزرگوں نے ترجمہ کیا ہے ''واجب ہے مجھ پر کہ میں نہ کہوں اللہ پر سوائے سچی بات کے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ قرآن مجید میں حقیق ایک ہی دفعہ استعمال ہوا ہے مندرجہ بالا آیت مبارکہ میں۔

حَاقٌّ فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل۔ثابت، سچا، لازم ہونے والا۔

حَاقَّةٌ حَاقٌّ کی مونث۔ ثابت، سچی، لازم ہونے والی۔﴿ اَلْحَآقَّةُ ۙ﴿۱﴾ مَا الْحَآقَّةُ ۚ﴿۲﴾ ﴾(69/العنکبوت:1-2) ''ثابت ہونے والی، کیا ہے ثابت ہونے والی یعنی قیامت۔'' الحاقہ کی وضاحت کرتے ہوئے مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''لفظ حاقہ کے معنی حق اور ثابت کے بھی آتے ہیں اور دوسری چیزوں کو حق ثابت کرنے والی چیز کو بھی حاقہ کہتے ہیں۔ قیامت پر یہ لفظ دونوں معنی کے استعمال سے صادق آتا ہے کیونکہ قیامت خود بھی حق ہے اور اس کا وقوع ثابت اور یقینی ہے اور قیامت مومنین کے لیے جنت اور کفار کے لیے جہنم ثابت اور مقرر کرنے والی بھی ہے۔'' (معارف القرآن، ج۸،ص۵۴۵)۔

اَحَقُّ افعل التفضیل ہے۔ زیادہ حقدار۔﴿ وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ ﴾(2/البقرہ:247) ''اور ہم اس سے زیادہ حقدار ہیں سلطنت کے۔''

(افعال) اِحْقَاقًا ثابت کرنا۔﴿ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾ ﴾(10/یونس:82) ''اور اللہ ثابت کرتا ہے سچ کو اپنے فرمانوں سے اگرچہ ناپسند کریں مجرم لوگ۔''

(استفعال) اِسْتِحْقَاقًا حق دار ہونا۔ مستحق ہونا۔﴿ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ ﴾(5/المائدۃ:107) ''پھر اگر پتہ چل جائے کہ وہ دونوں مستحق ہوئے گناہ کے تو دوسرے دو کھڑے ہوں اُن دونوں کی جگہ پر اُن لوگوں میں سے جن کا حق دبایا گیا جو زیادہ قریب ہوں میت کے۔''

رَبٌّ (ر ب ب): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ كَفَرُوْا (ك ف ر): البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔ يَقُوْلُوْنَ (ق و ل): البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔

ر و د

(ن) رَوْدًا نرمی کے ساتھ بار بار کسی چیز کی طلب میں گھومنا۔ چلنا پھرنا۔

رُوَيْدٌ رُوَيْدٌ دراصل اِرْوَادٌ کی تصغیر ہے اور اس کے معنی ہیں ''کسی کو تھوڑی تھوڑی مہلت دیتے جانا'' یا ''آہستہ آہستہ، چپکے چپکے کسی کی رسی دراز کرتے جانا تاکہ وہ اپنے انجام کو پہنچ جائے۔''﴿ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿۱۷﴾ ﴾(86/الطارق:17) ''سو ڈھیل دے منکروں کو، ڈھیل دے اُن کو تھوڑے دنوں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ''پس آپؐ کفار کو تھوڑی سی مہلت اور دے دیں، کچھ وقت اُنہیں کچھ نہ کہیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت صاحبؒ ضیاء القرآن فرماتے ہیں: ''رُوَيْدٌ، اِرْوَادٌ سے حروفِ زوائد کو حذف کر کے رُوَيْدٌ اس کی تصغیر بنائی گئی ہے۔ اس کو تصغیرِ ترخیم کہتے ہیں یہ راودت الریح و تَرُوْدُ رَوْدًا سے ماخوذ ہے جب ہوا آہستہ آہستہ چلے اور یہ لفظ ہمیشہ مصغّر ہی استعمال ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں دھمکی دی جا رہی ہے۔'' (ضیاء القرآن، ج۵،ص۵۳۸)۔ اور رُوَيْدٌ قرآن مجید میں صرف ایک ہی دفعہ مندرجہ بالا آیت مبارکہ میں استعمال ہوا ہے۔ (واللہ اعلم)

(افعال) اِرَادَةً طلب کرنا۔ چاہنا۔ خواہش کرنا۔ ارادہ کرنا۔ ارادہ نام ہے اس قوت کا جس میں خواہش، ضرورت اور آرزو کے ملے جلے جذبات ہوں۔ اس کا مرکز دل ہے۔ صاحبؒ تدبر قرآن فرماتے ہیں: ''ارادہ کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک تو قطعی فیصلہ اور حتمی ارادہ کے معنی میں، دوسرے چاہنے کے معنی میں جب پہلے معنی مراد ہوتے ہیں تو اس کے بعد 'لْ' آتا ہے اور جب مجرد چاہنے کے معنی میں آتا ہے تو اس کے بعد 'اَنْ' آتا ہے مثلاً﴿ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ ﴾(33/الاحزاب:33) ''اللہ کا ارادہ تو بس یہ ہے، اے اہل بیت نبی کہ تم سے ناپاکی کو دور کرے۔''﴿ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾(9/التوبۃ:55) ''اللہ تو بس یہ ارادہ کیے ہوئے ہے کہ اس کے ذریعے سے ان کو دنیا کی زندگی میں عذاب دے۔''﴿ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ﴾

(4/النساء:27)''ہاں، اللہ تو تم پر رحمت کے ساتھ توجہ کرنا چاہتا ہے۔''﴿وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ﴾(25/الفرقان:62)''اور وہ ہے جس نے بنایا رات کو اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے، اس کے لئے جو چاہے کہ وہ یاددہانی حاصل کرے۔'' اللہ تعالیٰ کے لیے جب یہ لفظ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے کسی کام کا فیصلہ کرنا جیسے فرمایا:﴿اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً﴾(33/الاحزاب:17)''یعنی اگر اللہ تمہاری برائی کا فیصلہ کرے یا تم پر اپنا فضل و کرم کرنا چاہے۔'' یا کسی کام کا حکم دینا۔﴿یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾(2/البقرۃ:188)''اللہ تمہارے ساتھ آسانی کرنا چاہتا ہے تمہارے ساتھ سختی نہیں کرنا چاہتا۔''یعنی اللہ تعالیٰ آسان کاموں کا حکم دیتا ہے اور ایسے کاموں کا حکم نہیں دیتا جس سے تم سختی میں مبتلا ہو جاؤ۔ارادہ کا لفظ حیوانات اور جمادات دونوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے قرآن مجید میں دیوار کے متعلق فرمایا:﴿فَوَجَدَا فِیْهَا جِدَارًا یُّرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ﴾(18/الکہف:77)''تو وہاں اُن دونوں نے ایک دیوار پائی جو گرا ہی چاہتی تھی۔تو اس نے اسے ٹھیک کر دیا۔''اور عربی زبان میں کہا جاتا ہے فَرَسِیْ تُرِیْدُ الْتِبْنَ میری گھوڑی بھوسہ کھانا چاہتی ہے۔(واللہ اعلم)

(مفاعلہ) رِوَادًا، مُرَاوَدَةً کسی کو پھسلانا، بہکانا۔کسی کو ایسے کام کے لیے آمادہ کرنا جس کو کرنے کا وہ ارادہ نہ رکھتا ہو۔عربی میں کہتے ہیں رَاوَدْتُّ فُلَانًا عَنْ كَذَا میں نے اس کو اس کام سے پھسلانے کی کوشش کی۔ عام طور پر اس کے ساتھ عَنْ کا صلہ آتا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا:﴿قَالَ هِیَ رَاوَدَتْنِیْ عَنْ نَّفْسِیْ﴾(12/یوسف:26)''یوسفؑ نے کہا: یہی مجھے پھسلانے کی کوشش کر رہی تھی۔''﴿وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَیْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْیُنَهُمْ﴾(54/القمر:37)''اور یقیناً انہوں نے پھسلایا اس کو یعنی حضرت لوطؑ کو ان کے مہمان کے بارے میں تو ہم نے مٹا دیا ان کی آنکھوں کو۔''

یُضِلُّ (ض ل ل): الفاتحہ آیت 7 دیکھیں۔

ك ث ر

(ک) كَثْرَةً تعداد اور مقدار میں زیادہ ہونا۔فضیلت میں زیادہ ہونا۔﴿مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ﴾(4/النساء:7)''اس میں سے جو کم ہو اس میں یا زیادہ ہو۔''

كَثْرَةٌ اسم ذات بھی ہے۔ زیادتی۔ کثرت۔﴿لَا یَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِیْثِ﴾(5/المآئدہ:100)''برابر نہیں ہوتے خبیث اور پاکیزہ چاہے بھلی لگے تجھ کو خبیث کی کثرت۔''

اَكْثَرُ افعل التفضیل ہے۔ زیادہ تر۔ اکثریت۔﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾(7/الاعراف:187)''اور لیکن لوگوں کی اکثریت نہیں جانتی۔''

كَثِیْرٌ (ضد قَلِیْلٌ)۔ فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔بمعنی زیادہ۔مقدار اور تعداد دونوں صورتوں میں آتا ہے۔ اس کا استعمال عام ہے۔ مادی اور معنوی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا كَثِیْرًا﴾(2/البقرۃ:269)''اور جسے حکمت عطا کی گئی۔اسے گویا بہت بھلائی دے دی گئی۔'' مذکورہ آیت میں كَثِیْرٌ کا استعمال مقدار کے لیے معنوی طور پر ہوا ہے اور درج ذیل آیت کے ٹکڑا میں اس کا استعمال حِسّی طور پر ہے اور تعداد کے لیے ہے۔﴿فَاٰتَیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾(57/الحدید:27)''تو جو لوگ ان میں سے ایمان لائے انہیں ہم نے ان کا بدلہ دیا۔اور زیادہ تو ان میں سے نافرمان ہی

تھے۔'' اور اسی طرح کی اور بہت سی آیات ہیں۔

كَثِيْرَةٌ كَثِيْرٌ کا مونث۔ ﴿ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ﴾ (2/البقرۃ:245) ''تم میں کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسن دے تا کہ اللہ اسے کئی گنا بڑھا چڑھا کر واپس کرے۔''

كُثْرٌ کسی چیز کی بہتات۔ یہ لفظ قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

كَوْثَرٌ کوثر، كُثْرٌ یا كَثْرَةٌ سے مبالغے کا صیغہ ہے۔ اس کا وزن فَوْعَلٌ ہے۔ اس کے لغوی معنی ہیں کسی چیز کا اتنا کثیر ہونا کہ اس کا اندازہ نہ لگایا جا سکے۔ جو چیز تعداد میں، قدر و قیمت میں اور اپنی اہمیت کے لحاظ سے بہت زیادہ ہو اسے عرب کوثر کہتے ہیں۔ ﴿ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ ﴾ (108/الکوثر:1) ''بیشک ہم نے عطا کیا آپؐ کو بے انتہا۔'' علمائے تفسیر نے الکوثر کی تفسیر میں متعدد اقوال نقل کیے ہیں جو کہ کتب تفاسیر میں سے دیکھے جا سکتے ہیں۔ حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''کوثر کے لفظی معنی خیر کثیر کے ہیں اور یہ لفظ دنیا اور آخرت، دونوں کی ساری بھلائیوں کا جامع ہے۔''

(افعال) اِكْثَارًا زیادہ کرنا۔ ﴿ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ۝ ﴾ (89/الفجر:12) ''پھر انہوں نے زیادہ کیا اس میں فساد کو۔''

(تفعیل) تَكْثِيْرًا بتدریج زیادہ کرنا۔ ﴿ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۪ ﴾ (7/الاعراف:86) ''اور یاد کرو جب تم لوگ تھوڑے تھے تو اس نے زیادہ کیا تم لوگوں کو۔''

(تفاعل) تَكَاثُرًا تکاثر کے تین معنی ہیں: (1) زیادہ سے زیادہ کثرت حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔ کثرت میں تمام فوائد و منافع، مال و دولت، سامان عیش، اسباب لذت، وسائل قوت و اقتدار، اولاد، سب شامل ہیں۔

(2) کثرت کے حصول میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا۔

(3) کثرت پر فخر کرنا۔ ﴿ وَتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ﴾ (57/الحدید:20) ''اور ایک دوسرے پر فخر کرنا تمہارے مابین اور ایک دوسرے سے زیادہ ہونے کی کوشش کرنا مال میں اور اولاد میں۔''

(استفعال) اِسْتِكْثَارًا کسی چیز کی کثرت چاہنا۔ جمع کرنا۔ ﴿ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ ﴾ (7/الاعراف:188) ''اور اگر میں جانتا ہوتا غیب کو تو میں جمع کرتا بھلائی میں سے۔''

يَهْدِيْ (ھ د ی): الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔

ف س ق

(ن۔ک) فِسْقًا اور فُسُوْقًا فِسْقٌ کے لغوی معنی ہیں نکلنا۔ جب چوہا اپنے بل سے نکلتا ہے تو عرب کہتے ہیں فَسَقَتِ الْفَاْرَةُ مِنْ جُحْرِهَا۔ اسی طرح کھجور جب اپنے چھلکے سے باہر نکل آتی ہے تو عرب کہتے ہیں فَسَقَ الرُّطَبُ عَنْ قِشْرِهٖ۔ شریعت کی اصطلاح میں فسق کے معنی ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے گناہ کر کے خارج ہو جانا۔ اطاعت کے دائرے سے باہر نکلنا۔ نافرمانی کرنا۔ اسلام سے پہلے فسق کا لفظ انسانوں کے لیے استعمال نہیں ہوتا تھا بلکہ صرف کھجور کا اپنے چھلکے سے باہر نکلنے کے لیے یہ لفظ بولا جاتا تھا۔ انسانوں کے لیے فاسق کا لفظ قرآنِ کریم نے استعمال کیا۔ (واللہ اعلم)۔ ﴿ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۭ ﴾ (18/الکہف:50) ''تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ وہ تھا جنوں میں سے تو وہ نکل گیا اپنے رب کے حکم سے۔'' ﴿ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ ﴾ (6/الانعام:49) ''اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلائیں ان کو عذاب پہنچے گا اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرتے ہیں۔'' (اس لفظ کی مزید تشریح آگے نوٹ 2 میں دیکھیں)۔

فِسْقٌ اسم ذات ہے۔ نافرمانی۔ ﴿وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ﴾ (6/الانعام:121) ''اور تم لوگ مت کھاؤ اس میں سے جس پر نہیں لیا گیا اللہ کا نام اور یقیناً یہ نافرمانی ہے۔''

فُسُوْقٌ یہ بھی اسم ذات ہے۔ نافرمانی۔ گناہ۔ ﴿وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ﴾ (49/الحجرات:7) ''اور اُس نے ناپسند بنا دیا تمہارے لیے کفر کو اور گناہ کو اور نافرمانی کو۔'' ﴿بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ﴾ (49/الحجرات:11) ''ایمان کے بعد فسق برا نام ہے۔''

فَاسِقٌ ج: فَاسِقُوْنَ: اسم الفاعل ہے۔ نافرمانی کرنے والا۔ ﴿اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ﴾ (49/الحجرات:6) ''اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے۔'' ﴿فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝﴾ (3/آل عمران:82) ''تو جو وعدہ سے پھرے اس کے بعد تو وہ لوگ ہی نافرمانی کرنے والے ہیں۔''

ترکیب اِنَّ حرف مشبہ بالفعل اور اللہ اس کا اسم ہے۔ لَا یَسْتَحْیٖٓ سے لے کر فَمَا فَوْقَهَا تک پورا جملہ فعلیہ اس کی خبر ہے۔ اس میں لَا نفی کا ہے اور فعل مضارع یَسْتَحْیٖ کا فاعل اس میں شامل ضمیر هُوَ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اَنْ حرف مصدر یہ ہے جس نے اگلے فعل یَضْرِبَ کے ساتھ مل کر اس میں مصدری معنی پیدا کر دیے ہیں اور اَنْ نواصب مضارع میں سے بھی ہے اس لیے یَضْرِبَ حالت نصب میں ہے۔ مَثَلًا مفعول بِہٖ ہے یَضْرِبَ کا۔ اور یہ مصدر مؤوّل، مفعول بِہٖ ہے یَسْتَحْیٖ کا۔ مَثَلًا کے آگے جو 'مَا' ہے اسے ''مَا ابہامیہ'' کہتے ہیں۔ جو نکرہ اسم کے عموم اور ابہام کو اور زیادہ کر دیتا ہے یعنی اس کے مفہوم کو اور غیر واضح کر دیتا ہے۔ مثلاً عربی میں اِئْتِنِیْ کِتَابًا کا مطلب ہے تم مجھے ایک کتاب دو۔ اِئْتِنِیْ کِتَابًا مَّا کا مطلب ہے تم مجھے کوئی سی بھی کتاب دے دو۔ چنانچہ مَثَلًا مَّا کا مطلب ہے کوئی سی بھی مثال۔ صاحبؒ تفسیر ماجدی فرماتے ہیں: ''مَثَلًا کا لفظ خود نکرہ تھا، مَا کے اضافے نے اس کے وصفِ تنکیر کو اور بڑھا دیا۔'' بَعُوْضَةً۔ یہ بدل ہے مَثَلًا کا۔ 'ف' عطف کا ہے اور 'مَا' نکرہ موصوفہ ہے۔ اور فَوْقَهَا اس کی صفت ہے اور یہ 'مَا'، بَعُوْضَةً پر عطف ہے۔ فَوْقَهَا میں 'هَا' ضمیر بَعُوْضَةً کے لیے ہے۔ فَوْقَهَا میں ''فَوْقَ'' کے عموماً دو مفہوم مراد لیے گئے ہیں۔ ایک جو مچھر سے حقارت میں بڑھ کر ہو جیسے مچھر کا پر یا بازو۔ دوسرے جو جسامت میں مچھر سے بڑھ کر ہو یعنی مکھی یا مکڑی (واللہ اعلم)۔ فَاَمَّا میں 'ف' استئنافیہ ہے اور اَمَّا حرف شرط و تفصیل ہے۔ اَلَّذِیْنَ موصول اور اٰمَنُوْا اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مبتدا ہیں۔ اور آگے جملہ فعلیہ فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ، خبر ہے۔ اس میں 'ف' جواب شرط کے لیے ہے۔ یَعْلَمُوْنَ فعل مضارع اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر ہے۔ اَنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے اور 'ہ' ضمیر اس کا اسم جو کہ مثال کے لیے ہے۔ اور اَلْحَقُّ، اَنَّ کی خبر ہے مِنْ رَّبِّهِمْ متعلق خبر ہے۔ یہ جملہ اسمیہ مفعول ہے یَعْلَمُوْنَ کا۔ آگے 'ف' عطف کا ہے اور اَمَّا حرف شرط و تفصیل ہے۔ اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا، موصول اور صلہ مل کر مبتدا ہیں، اور فَیَقُوْلُوْنَ مَاذَآ سے بِهٰذَا مَثَلًا تک خبر ہے۔ یاد کر لیجیے کہ اسمائے استفہام جملے میں مبتدا، فاعل، مفعول اور جن اسماء میں ظرفیت کے معنی پائے جاتے ہیں وہ خبر بن کر، استعمال ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہاں مَاذَآ، مفعول مقدم ہے اَرَادَ کا اور اَللّٰهُ فاعل ہے۔ بِهٰذَا متعلق فعل ہے اور مَثَلًا تمیز ہے۔ یُضِلُّ کا فاعل اس میں شامل هُوَ کی ضمیر ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ بِهٖ متعلق فعل ہے اور یہ ضمیر مثال کے لیے ہے یعنی اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے اس مثال سے۔ کَثِیْرًا مفعول ہے۔ 'وَ' عطف کا ہے اور یَهْدِیْ عطف ہے یُضِلُّ پر۔ آگے وَمَا یُضِلُّ بِهٖٓ میں 'وَ' استئنافیہ ہے اور 'مَا' نافیہ ہے۔ اِلَّا حصر کے لیے ہے۔ 'مَا' اور اِلَّا زور دار نفی پیدا کر رہے ہیں۔ اَلْفٰسِقِیْنَ، مفعول ہے یُضِلُّ کا۔ (واللہ اعلم)۔

ترجمہ
البقرۃ:26

اِنَّ اللّٰهَ	لَا یَسْتَحْیٖ	اَنْ یَّضْرِبَ	مَثَلًا مَّا	بَعُوْضَةً
بیشک اللہ	حیا نہیں کرتا	کہ وہ بیان کرے	کوئی سی بھی مثال	مچھر کے بچے کی

فَمَا فَوْقَهَا ؕ	فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	فَیَعْلَمُوْنَ
یا جو اس سے بڑھ کر ہے (حقارت میں یا حجم میں)	پس وہ لوگ جو ایمان لائے	وہ لوگ تو جانتے ہیں

اَنَّهُ الْحَقُّ	مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ	وَ اَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	فَيَقُوْلُوْنَ
کہ یہ (مثال) صحیح ہے	ان کے رب کی طرف سے	اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا	تو وہ لوگ کہتے ہیں

مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ	بِهٰذَا	مَثَلًا ۘ	يُضِلُّ بِهٖ	كَثِيْرًا ۙ
اللہ نے کیا ارادہ کیا	اس سے	بطور مثال کے	وہ گمراہ کرتا ہے اس (مثال) سے	بہتوں کو

وَّيَهْدِيْ بِهٖ	كَثِيْرًا ۭ	وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ
اور وہ ہدایت دیتا ہے اس (مثال) سے	بہتوں کو	اور وہ گمراہ نہیں کرتا اس (مثال) سے

اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ
مگر نافرمانی کرنے والوں کو

نوٹ۔1 اس آیت کا یہ شانِ نزول معروف ہے کہ قرآن مجید میں جب مکھی، مکڑی وغیرہ کی مثالیں دی گئیں تو مخالفین نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اس سے اعلیٰ وارفع ہے کہ اتنی حقیر چیزوں کی مثال دے۔ اس لئے قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہوسکتا۔ ان کی اس بات کا جواب اس آیت میں دیا گیا۔

لیکن ایک رائے یہ بھی ہے کہ یہ آیت خود ایک مستقل مثال ہے جو دنیا کی دی گئی ہے۔ مچھر جب تک بھوکا یا کم خوراک ہوتا ہے زندہ رہتا ہے۔ جب زیادہ خوراک کی وجہ سے موٹا تازہ ہوجاتا ہے تو مرجاتا ہے۔ اسی طرح لوگ جب دنیا کو دل کھول کر حاصل کر لیتے ہیں تو ان کی پکڑ آجاتی ہے۔ (ابن کثیرؒ)

نوٹ۔2 **فِسْقٌ**: صاحبؒ تفسیر حقانی فرماتے ہیں: ''فسق نکلنے کو کہتے ہیں۔ عرب بولتے ہیں: **فسقت الرطبة عن قشرها** کہ چھوہارا اپنے پوست (چھلکے) سے باہر ہوگیا اور عرف شرع میں فسق خدا کی فرمانبرداری سے گناہ کر کے خارج ہونے کو کہتے ہیں اور اس کے تین درجے ہیں:

(1) ایک فاسق وہ ہے جو نافرمانی کو برا سمجھتا ہے لیکن بشری تقاضے کے تحت کبھی نافرمانی کا ارتکاب ہوجاتا ہے اور اس کے متعلق فکرمند رہتا ہے۔

(2) ایک فاسق وہ ہے جو کسی نافرمانی کا عادی ہوجاتا ہے اور اس کے متعلق فکرمند بھی نہیں رہتا۔

(3) ایک فاسق وہ ہے جو کسی نافرمانی کو اچھا عمل سمجھ کر اختیار کرتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمان کو حقیقت نہیں سمجھتا۔

پہلے دو درجے تک فاسق مومن رہتا ہے کیونکہ تصدیق قلبی جو اصل ایمان ہے اس کے دل میں موجود ہے اور صرف تیسرے درجے میں کافر ہوتا ہے۔ (تفسیر حقانی، ج۱، ص۴۰۴، تلخیصاً)۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''فسق کے لفظی معنی خروج اور باہر نکل جانے کے ہیں، اصطلاحِ شرح میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل جانے کو فسق کہتے ہیں اور اطاعت الٰہیہ سے نکل جانا کفر و انکار کے ذریعہ بھی ہوتا ہے، اور عملی نافرمانی کے ذریعہ بھی، اس لیے لفظ فاسق کافر کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں بیشتر لفظ فاسقین، کافروں ہی کے لیے استعمال ہوا ہے اور مومن گناہگار کو بھی فاسق کہا جاتا ہے۔ فقہاء کی اصطلاح میں عموماً لفظ فاسق اسی معنی کے لیے استعمال ہوا ہے ان کی اصطلاح میں فاسق کو کافر کے بالمقابل اس کی قسم قرار دیا گیا ہے۔ جو شخص کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے اور پھر اس سے توبہ بھی نہ کرے، یا صغیرہ گناہ پر اصرار کرے، اس کی عادت بنالے وہ فقہاء کی اصطلاح میں فاسق کہلاتا ہے، (مظہری) اور جو شخص یہ فسق کے کام اور گناہ علانیہ جرأت کے ساتھ کرتا پھرے اس کو فاجر کہا جاتا ہے۔ (معارف القرآن، ج۱، ص۱۶۸)۔

مولانا امین احسن اصلاحیؒ فرماتے ہیں: ''فسق کے اصل معنی خروج کے ہیں۔ یہاں یہ لفظ معروف سے منکر اور اطاعت سے نافرمانی کی طرف نکل جانے

کے لیے استعمال ہوا ہے۔قرآن مجید میں ابلیس کے متعلق ہے: ﴿ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ﴾(18/الکھف:50)''وہ جنات میں سے تھا پس اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔''معروف سے منکر اور اطاعت سے نافرمانی کی طرف نکل جانے کے مختلف مدارج ہو سکتے ہیں۔منکر چھوٹا بھی ہوسکتا ہے اور بڑا بھی،اسی طرح نافرمانی معمولی درجہ کی بھی ہوسکتی ہے اور بغاوت کے درجہ کی بھی۔چنانچہ قرآن میں یہ لفظ عام منکرات سے لے کر کفر و بغاوت تک سب کے لیے استعمال ہوا ہے بلکہ زیادہ تر اس کا استعمال ان بڑی نافرمانیوں ہی کے لیے ہوا ہے جن کے ساتھ ایمان جمع نہیں ہوتا اس وجہ سے قرآن میں اس لفظ کو اس ہلکے معنی میں ہرگز نہیں لینا چاہیے جس معنی میں اس کو عام طور پر ہمارے فقہاء اور متکلمین نے لیا ہے۔(تدبر قرآن، ج ا ص ۱۴۲)۔

حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں:''فسق کہتے ہیں احکام سے تجاوز کر جانے کو۔اور فاسق وہ ہے جو دائرہ اطاعت سے بار بار نکل جائے۔ائمہ لغت نے کہا ہے کہ فاسق کے استعمال کی مثال عربی میں اسلام سے قبل،عہد جاہلی میں نہیں ملتی۔فسق بہ حیثیت فعل،بے جان چیزوں کے سلسلہ میں ضرور استعمال میں تھا۔لیکن بحیثیت اسم،فاسق کا استعمال انسان کے لیے کلام عرب میں نہیں ملتا۔اس اصطلاحی معنی میں جس میں اس کا استعمال اب عربی بلکہ اردو میں عام ہے،یہ تمامتر ایک اسلامی لفظ ہے۔اور ان چند لفظوں میں سے ہے،جو قرآن نے آکر عربی زبان کو دیے۔''(تفسیر ماجدیؒ۔ص ۱۷)۔

آیت:27

﴿ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَ يَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ ﴾

ن ق ض

(ن) نَقْضًا — کسی بنی ہوئی چیز کو توڑنا۔عمارت مسمار کرنا۔رسی کا بل کھولنا۔﴿ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِىْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ ﴾(16/النحل:92)''اور تم لوگ مت ہو اس خاتون کی مانند جس نے توڑا اپنے سوت کو مضبوطی کے بعد ریزہ ریزہ کر کے۔''نقض کا لفظ معنوی طور پر کسی چیز کو توڑنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے آیت زیر مطالعہ میں فرمایا اَلَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ۔

لَاتَنْقُضُوْا — فعل نہی ہے۔تم لوگ مت توڑو۔﴿ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا ﴾(16/النحل:91)''اور تم لوگ مت توڑو قسموں کو ان کی تاکید کے بعد۔''

(افعال) اِنْقَاضًا — بوجھل کرنا۔بوجھ کی وجہ سے ٹوٹنے کے قریب کرنا یا توڑ دینا۔کسی چیز کا لاغر اور دُبلا ہونا۔''ویسے لغتِ عرب میں جب اونٹ کی پُشت پر زیادہ بوجھ لادا جائے تو اس کی پسلیوں سے ایک قسم کی ''کڑکڑ'' کی آواز نکلتی ہے اسے بھی انقاض کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔''(ضیاء القران)۔﴿ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝ الَّذِىْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝ ﴾(94/الانشراح:2-3)''اور ہم نے اتارا آپ ﷺ سے آپ ﷺ کے بوجھ کو جس نے بوجھل کیا آپ ﷺ کی پیٹھ کو۔''

ع ھ د

(س) عَهْدًا — (1) مسلسل نگہداشت کرنا۔وعدہ کرنا۔﴿ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ ﴾(7/الاعراف:134)''انہوں نے کہا اے موسیٰ ہمارے لیے اپنے رب سے اس بات کی دعا کیجئے جس کا اُس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے۔''(2) کسی سے عہد لے کر اسے اس پر قائم رہنے کی تاکید کرنا۔چنانچہ یہ لفظ تاکید کرنا۔ذمہ دار بنانا۔وعدہ لینا۔کوئی کام کسی کے سپرد کرنا کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے اور عام طور پر ان معنوں میں اِلٰی کا صلہ استعمال ہوتا ہے۔

﴿وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ﴾ (2/البقرہ:125) ''اور تاکید کی ہم نے ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کو کہ وہ دونوں پاک رکھیں میرے گھر کو۔'' ﴿اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِىٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ﴾ (36/یٰسین:60) ''کیا میں نے وعدہ نہیں لیا تم لوگوں سے اے آدمؑ کی اولاد کہ تم لوگ بندگی مت کرنا شیطان کی۔''

عَهْدٌ ج: عُهُوْدٌ۔ اسم ذات بھی ہے۔ ایسا وعدہ جس کی مسلسل نگہداشت کی جائے۔ عہد۔ ﴿وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ﴾ (17/بنی اسرائیل:34) ''اور تم لوگ پورا کرو وعدہ کو۔'' عام طور پر عہد ایسے معاہدے کو کہتے ہیں جو دو شخصوں کے درمیان طے ہو جائے اور وعدہ عموماً یک طرفہ ہوتا ہے۔ 'عہد' کی وضاحت کرتے ہوئے صاحبؒ تفسیر حقانیؒ فرماتے ہیں: ''عہد لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں جس کی حفاظت اور رعایت کی جاتی ہے۔ جیسا کہ وصیت، قسم اور گھر۔ گھر کو عرب عہد اس لیے کہتے ہیں کہ ہر طرف سے پھر کر انسان وہاں آتا ہے۔ اور اس کی طرف خیال رکھتا ہے۔ تاریخ کو بھی عہد اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی محافظت ہوتی ہے۔'' (تفسیر حقانیؒ، ج۱، ص۴۰۴)۔ اور مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''لفظ عہد ان تمام معاملات و معاہدات کو شامل ہے جن کا زبان سے التزام کیا جائے یعنی اس کی ذمہ داری لی جائے خواہ اس پر قسم کھائے یا نہ کھائے، خواہ وہ کسی کام کے کرنے سے متعلق ہو یا نہ کرنے سے۔'' (معارف القرآن، ج۵، ص۳۹۵)

(مفاعلہ) **مُعَاهَدَةً** باہم وعدہ کرنا۔ معاہدہ کرنا۔ ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ﴾ (9/التوبۃ:75) ''اور ان میں سے وہ بھی ہیں جنہوں نے معاہدہ کیا اللہ سے کہ اگر وہ دے گا ہم کو اپنے فضل میں سے تو ہم لازماً خیرات کریں گے۔''

اَللّٰهُ (ء ل ہ): آیت بسم اللہ دیکھیں۔

بَعْدُ بعد۔ ظرف زمان ہے۔ قَبْلُ کی ضد ہے۔ اضافت اس کو لازمی ہے۔ اس کی اعرابی حالت وہی ہوتی ہے جو قَبْلُ کی ہوتی ہے۔

و ث ق

(ض) **ثِقَةً، وُثُوْقًا** اعتبار کرنا۔ بھروسہ کرنا۔

ثِقَةٌ قابل بھروسہ آدمی کو کہتے ہیں۔ واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے رَجُل ثِقَةٌ اور قَوْمٌ ثِقَةٌ۔

(ک) **وَثَاقَةً** بہت مضبوط ہونا۔

وَثَاقٌ اسم ذات ہے۔ یہ وَثَاقٌ اور وِثَاقٌ دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ اس رسی یا زنجیر کو کہتے ہیں جس سے کسی چیز کو کس کر باندھ دیا جائے۔ بندھن، بندش۔ ﴿حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ﴾ (47/محمد:4) ''یہاں تک کہ جب تم قتل کر چکو ان کو تو اب خوب مضبوط قید و بند سے گرفتار کرو۔'' ﴿وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ﴾ (89/الفجر:26) ''اور کوئی نہیں جکڑے گا اس کے جکڑ جیسی۔''

مَوْثِقٌ مَفْعِلٌ کا وزن ہے لیکن اسم الظرف کے بجائے اسم ذات کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ پختہ وعدہ۔ ﴿فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ﴾ (12/یوسف:66) ''تو جب انہوں نے دیا ان کو یعنی یعقوبؑ کو اپنا پختہ وعدہ تو انہوں نے کہا اللہ ذمہ دار ہے اس کا جو ہم کہتے ہیں۔''

وُثْقٰى اسم التفضیل ہے۔ مونث۔ بہت مضبوط۔ ﴿فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى﴾ (2/البقرۃ:256) ''تو اُس نے تھام لیا ایک مضبوط حلقہ۔''

مِیۡثَاقٌ مِفۡعَالٌ کے وزن پر اسم الالہ ہے۔جکڑنے کی زنجیر یا رسی۔پھر جکڑی ہوئی چیز کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور مراد اس سے ہوتا ہے وہ پختہ عہد جس کو قسموں کے ساتھ مضبوط کیا گیا ہو یا لکھ کر فریقین کو معاہدہ کا پابند کر دیا گیا ہو۔﴿ وَاِذۡ اَخَذَ اللّٰہُ مِیۡثَاقَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّہٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَکۡتُمُوۡنَہٗ ﴾(3/آل عمران:187)''اور جب لیا اللہ نے ان کا پختہ وعدہ جن کو کتاب دی گئی کہ تم لوگ لازماً واضح کرو گے اس کو لوگوں کے لئے اور اس کو نہیں چھپاؤ گے۔''اور آیت زیر مطالعہ۔

(افعال) اِیۡثَاقًا کسی کو جکڑنا۔مضبوط باندھنا۔﴿ وَّ لَا یُوۡثِقُ وَثَاقَہٗۤ اَحَدٌ ﴾(89/الفجر:26)''اور کوئی نہیں جکڑے گا اُس کے جکڑ جیسی۔''

(مفاعلہ) وِثَاقًا باہم معاہدہ کرنا۔کسی کو معاہدہ کا پابند کرنا۔ایک دوسرے کو معاہدے میں جکڑنا۔﴿ وَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَۃَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ وَ مِیۡثَاقَہُ الَّذِیۡ وَاثَقَکُمۡ بِہٖۤ ﴾(5/المآئدہ:7)''اور تم لوگ یاد کرو اللہ کی نعمت کو اپنے اوپر،اور اس کے پختہ عہد کو جس کا اُس نے پابند کیا تھا تم کو۔''

ق ط ع

(ف) قَطۡعًا کاٹنا۔کسی چیز کو کاٹ کر علیحدہ کر دینا۔جدا کر دینا۔یہ لفظ مادی طور پر بھی استعمال ہوتا ہے اور معنوی طور پر بھی۔مثلاً مادی طور پر فرمایا:﴿ لَاُقَطِّعَنَّ اَیۡدِیَکُمۡ وَ اَرۡجُلَکُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ ﴾(7/الاعراف:124)''میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹوا دوں گا۔''اور معنوی طور پر پھر یہ بہت سے محاوروں میں استعمال ہوتا ہے مثلاً

(1) قَطۡعُ الرَّحِمِ کا مطلب ہے رحمی رشتوں کو کاٹ دینا یعنی رشتے داروں سے حسن سلوک نہ کرنا۔ جیسے آیت زیر مطالعہ میں فرمایا:وَ یَقۡطَعُوۡنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖۤ اَنۡ یُّوۡصَلَ ''اور جس چیز (یعنی رشتہ،قرابت) کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے یہ اس کو کاٹ ڈالتے ہیں۔''

(2) قَطۡعُ السَّبِیۡلِ یا قَطۡعُ الطَّرِیۡقِ کا لفظی مطلب ہے راستہ کاٹنا۔ پھر اس کے دو معنی مراد لیے جاتے ہیں۔(ا) راستہ طے کرنا۔ان معنوں میں قرآن مجید کی یہ آیت ہے﴿ وَّ لَا یَقۡطَعُوۡنَ وَادِیًا اِلَّا کُتِبَ لَہُمۡ ﴾(9/التوبۃ:121)''اور جتنے میدان اُن کو طے کرنے پڑے یہ سب بھی اُن کے نام لکھا گیا۔''(ب) راہزنی کرنا۔راستہ گزرتے لوگوں کو لوٹنا۔راہزنی کی وجہ سے لوگ اس راستے پر چلنا چھوڑ دیتے ہیں اور راستہ بند ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا:﴿ اَئِنَّکُمۡ لَتَاۡتُوۡنَ الرِّجَالَ وَ تَقۡطَعُوۡنَ السَّبِیۡلَ ۙ﴾(29/العنکبوت:29)''ارے تم تو مردوں سے فعل کرتے ہو اور تم راہزنی کرتے ہو۔''(ترجمہ ماجدیؒ)''کیا تم بدفعلی کرتے ہو مردوں کے ساتھ اور ڈاکے ڈالتے ہو عام راستوں پر۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔قَطۡعُ الطَّرِیۡقِ کے ایک معنی قطع نسل بھی کیے گئے ہیں۔یعنی جو لوگ اپنی جنسی خواہش مردوں سے پوری کرتے ہیں وہ اپنی نسل بڑھنے کے سلسلے کو کاٹتے ہیں۔حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ عنکبوت۔29 میں تَقۡطَعُوۡنَ السَّبِیۡلَ کا ترجمہ کرتے ہیں:''راہ مارتے ہو''اور حاشیے میں فرماتے ہیں:''راہ مارنے سے مراد ممکن ہے ڈاکہ زانی ہو،یہ بھی اُن میں رائج ہوگی،یا اسی بدکاری سے مسافروں کی راہ مارتے تھے کہ ڈر کے مارے اُس طرف ہو کر نہ نکلیں یا تَقۡطَعُوۡنَ السَّبِیۡلَ کا مطلب یہ ہو کہ فطری اور معتاد راستہ کو چھوڑ کر تو الد و تناسل کا سلسلہ منقطع کر رہے تھے۔''

(3) قَطۡعُ الدَّابِرِ کا مطلب ہے کسی چیز کی جڑ کاٹ دینا۔کسی کو نیست و نابود کر دینا۔جیسے فرمایا:﴿ وَ قَطَعۡنَا دَابِرَ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا ﴾(7/الاعراف:72)''اور کاٹا ہم نے ان لوگوں کی پیٹھ کو جو جھٹلاتے تھے ہماری نشانیوں کو۔''

(4) قَطۡعُ الۡاَمۡرِ کا مطلب ہے کسی کام کا حتمی فیصلہ کرنا گویا ایک شق پر فیصلہ کر کے دیگر شقوں اور احتمالات کو

کاٹ دیا۔ جیسے فرمایا: ﴿مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ۝۳۲﴾ (27/النمل:32) ''میں کسی معاملے کا فیصلہ نہیں کرتی جب تک تم میرے پاس موجود نہ ہو۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

اِقْطَعْ ج: اِقْطَعُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو کاٹ۔ ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا﴾ (5/المآئدہ:38) ''اور مرد چور ہو اور عورت چور ہو تو تم لوگ کاٹو ان کے ہاتھ۔''

قَاطِعٌ اسم الفاعل ہے۔ کاٹنے والا۔ ﴿مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ۝۳۲﴾ (27/النمل:32) ''میں کاٹنے والی نہیں کوئی فیصلہ یعنی قطعی یا حتمی فیصلہ کرنے والی نہیں یہاں تک کہ تم لوگ موقع پر موجود ہو۔''

مَقْطُوْعٌ اسم المفعول ہے۔ کاٹا ہوا۔ روکا ہوا۔ ختم ہونے والا۔ ﴿وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ۝۳۲ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ۝۳۳﴾ (56/الواقعہ:32-33) ''اور کثیر میوے، نہ روکے ہوئے اور نہ منع کئے ہوئے۔''

قِطْعٌ اسم ذات ہے۔ کسی چیز کا ٹکڑا۔ حصہ۔ یہ لفظ واحد ہے اس کی جمع اَقْطَاعٌ ہے۔ ﴿فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ﴾ (11/ھود:81) ''تو آپ یعنی لوطؑ سفر پر روانہ ہوں اپنے اہل کے ساتھ رات کے ایک حصے میں۔''

قِطَعٌ ٹکڑے۔ یہ لفظ جمع ہے۔ اس کی واحد قِطْعَةٌ ہے۔ (لغات القرآن)۔ ﴿كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا﴾ (10/یونس:27) ''گویا کہ ڈھانک دیے گئے اُن کے چہرے اندھیری رات کے ٹکڑوں سے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ﴾ (13/الرعد:4) ''اور زمین میں (مختلف قسم کے) ٹکڑے ہیں جو قریب قریب ہیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

(تفعیل) تَقْطِيْعًا ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔ تقسیم کرنا۔ حسی اور معنوی دونوں چیزوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ ﴿وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ۝۱۵﴾ (47/محمد:15) ''اور ان کو پلایا جائے گا کھولتا ہوا پانی تو وہ ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا ان کی آنتوں کو۔''۔ ﴿وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا﴾ (7/الاعراف:160) ''اور ہم نے تقسیم کیا ان کو بارہ نسلی گروہوں میں۔''

قُطِّعَتْ ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ ﴿فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ﴾ (22/الحج:19) ''ان میں سے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اُن کے لیے آگ کے لباس کاٹے جا چکے ہیں۔'' (ترجمہ تفہیم القرآن)

(تفعّل) تَقَطُّعًا ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا۔ ٹکڑے ٹکڑے کر دینا۔ (لازم و متعدی) ﴿اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ۝۱۶۶﴾ (2/البقرہ:166) ''جب بیزاری ظاہر کریں گے وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی ان لوگوں سے جنہوں نے پیروی کی، اور وہ لوگ دیکھیں گے عذاب کو تو ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے ان کے تعلقات۔''۔ ﴿وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ﴾ (21/الانبیاء:93) ''اور ان لوگوں نے ٹکڑے ٹکڑے کیا اپنے کام کو اپنے مابین یعنی فرقے فرقے ہو گئے۔''

ء م ر

(ک) اِمَارَةً بااختیار ہونا۔ حاکم ہونا۔

(ن) اَمْرًا کسی کو کسی کام کیلئے کہنا۔ (1) حکم دینا۔ ﴿قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ﴾ (7/الاعراف:12) ''اس نے یعنی اللہ تعالیٰ نے کہا کس چیز نے منع کیا تجھ کو کہ تو سجدہ نہ کرے جب میں نے حکم دیا تجھ کو۔'' جب امر 'حکم' کے معنی میں آئے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ امر ہی کے صیغے میں ہو بلکہ یہ حکم خبر یا اشارہ و کنایہ سے بھی دیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ جب حضرت ابراہیمؑ

نے حضرت اسمٰعیلؑ کو خواب میں اپنے ہاتھ سے ذبح کرتے ہوئے دیکھا تو معلوم ہوا کہ بچے کی قربانی کا حکم ہے، کیونکہ نبی کا خواب سچا ہوتا ہے اس لیے قرآن نے جب اس واقعے کو بیان کیا تو حضرت اسماعیلؑ کی زبانی اس کو امر قرار دیا۔ چنانچہ فرمایا قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ (الصافات-102) ''ابا جان آپ کیجئے جس کا آپ کو حکم ہوا ہے۔'' (2) ترغیب دینا۔ ﴿ لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ ﴾ (4/النساء:114) ''کوئی خیر نہیں ہے ان کے اکثر مشوروں میں سوائے اسکے جو ترغیب دے خیرات کی یا بھلائی کی۔''۔ (3) مشورہ دینا ﴿ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴾ (7/الاعراف:110) ''وہ یعنی موسیٰؑ ارادہ کرتا ہے کہ وہ نکالے تم لوگوں کو تمہاری زمین سے تو تم لوگ کیا مشورہ دیتے ہو۔''

اُؤْمُرْ، مُرْ فعل امر ہے۔ تو حکم دے۔ مہموز الفاء کا امر دونوں طرح آتا ہے۔ ﴿ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ﴾ (20/طٰہٰ:132) ''اور تو حکم دے اپنے اہل کو نماز کا اور ثابت قدم رہ اس پر۔'' حدیث مبارک میں ہے: ''مُرُوْا اَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ اَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِيْنَ اپنے بچوں کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دو۔''

اٰمِرٌ ج: اٰمِرُوْنَ- اسم الفاعل ہے۔ حکم دینے والا۔ ﴿ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ (9/التوبۃ:112) ''اور ترغیب دینے والے بھلائی کی اور منع کرنے والے برائی سے۔''

اَمَّارٌ فَعَّالٌ کے وزن پر مبالغے کا صیغہ ہے۔ بطور اسم الفاعل استعمال ہوتا ہے۔ بار بار حکم دینے والا۔

اَمَّارَةٌ فَعَّالَةٌ کا وزن ہے۔ بار بار حکم دینے والی۔ ﴿ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ ﴾ (12/یوسف:53) ''بے شک نفس تو برائی پر ابھارنے والا ہی ہے۔''

اَمْرٌ اَمْرٌ کا لفظ عربی زبان میں بہت سے معنوں میں آتا ہے۔ مثلاً

(ا) بطور مصدر، جیسے اوپر لغت میں بیان کیا گیا۔ اس صورت میں اس کا مطلب ہوتا ہے حکم دینا۔

(ب) بطور اسم ذات بمعنی حکم۔ اس صورت میں اس کی جمع اَوَامِرُ آتی ہے جیسے فرمایا: ﴿ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ﴾ (3/154:) ''آپؐ کہہ دیجئے کل کا کل حکم اللہ کے لیے ہی ہے۔'' اور اسی معنی کے لحاظ سے اولی الامر کا مطلب ہے ''حکم والے۔'' جیسے سورۃ النساء کی آیت 59 میں فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اُن لوگوں کی جو تم میں سے صاحبِ امر ہوں۔''

(ج) اَمْرٌ کی جمع جب اُمُوْرٌ آئے تو بھی یہ بطور اسم ذات کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً

(1) ہر شاندار قول و فعل کو کہتے ہیں۔

(2) اختیار۔ جیسے فرمایا: ﴿ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ﴾ (3/آل عمران:154) ''وہ لوگ کہتے ہیں کیا ہمارے لئے ہے اختیار میں سے کچھ بھی۔''

(3) فرائض۔ کام۔ جیسے فرمایا: ﴿ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ﴾ (41/حٰمٓ السجدۃ:12) ''اور اس نے وحی کیا ہر آسمان میں اس کے مناسب احکام (یعنی اُن کے مخصوص کام)۔'' ﴿ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴾ (3/آل عمران:186) ''اور اگر تم لوگ ثابت قدم رہو اور تقویٰ اختیار کرو تو یقیناً یہ بڑے حوصلے کے کاموں میں سے ہے۔''

(4) معاملات: ﴿ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ ﴾ (11/ھود:123) ''اور اس کی طرف ہی لوٹائے جائیں گے کل کے

کل معاملات۔''

(5) اللہ تعالیٰ کی ایک مخصوص صفت کے لیے ہے جیسے فرمایا: ﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ﴾(7/الاعراف:54)''آگاہ ہوجاؤ، اُسی کے لیے ہے خلق اور امر۔''اس آیت مبارکہ میں خلق اور امر کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں پہلا مفہوم یہ کہ اس آیت مبارکہ میں خلق سے مراد ہے پیدا کرنا اور امر سے مراد ہے ان کی تدبیر کرنا اور ان کے لیے تکوینی اور تشریعی احکام دینا۔دوسرے مفہوم کے اعتبار سے خلق سے مراد''عالم خلق'' ہے یعنی زمین وآسمان اور جو کچھ اس میں شامل ہے اور امر سے مراد''عالم امر'' ہے، جہاں نہ وقت درکار ہوتا ہے اور نہ مادے کی ضرورت ہوتی ہے۔وہاں صرف ''کُنْ'' کہہ دیا جاتا ہے اور چیز وجود میں آجاتی ہے۔فرشتوں، انسانی ارواح اور وحی کا تعلق اسی 'عالم امر' سے ہے۔اسی لیے قرآن مجید میں فرمایا: ﴿قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ۝۸۵﴾(17/بنی اسراءیل:85)''آپؐ جواب دے دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمہیں بہت ہی کم علم دیا گیا ہے۔''

اِمْرٌ اسم ذات ہے۔ناپسندیدہ یا بری بات۔خلاف شرع اور خلاف عقل سلیم بات۔﴿لَقَدْ جِئْتَ شَیْئًا اِمْرًا ۝۷۱﴾ (18/الکہف:71)''تو آیا ہے ایک ناپسندیدہ چیز کے پاس یعنی تو نے ایک بہت برا کام کیا ہے۔''

(افتعال) اِیْتِمَارًا مشورہ کرنا۔سازش کرنا۔﴿قَالَ یٰمُوْسٰۤی اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِیَقْتُلُوْكَ﴾(28/القصص:20)''اس نے کہا اے موسیٰؑ بیشک سردار لوگ مشورہ کرتے ہیں آپؑ کے لئے کہ وہ لوگ آپؑ کو قتل کردیں۔''

و ص ل

(ض) (ا)وَصْلًا (1) ملنا(لازم)۔ملانا، جوڑنا (متعدی)۔﴿وَالَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ یُّوْصَلَ﴾(13/الرعد:21) ''اور وہ لوگ جو جوڑتے ہیں اس کو جس کا حکم دیا اللہ نے کہ وہ جوڑا جائے۔''

(2) کسی سے تعلق رکھنا۔﴿اِلَّا الَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ اِلٰی قَوْمٍ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ﴾(4/النساء:90)''سوائے ان لوگوں کے جو تعلق رکھتے ہیں ایک ایسی قوم سے تمہارے اور جس کے مابین معاہدہ ہے۔''

(ب) وُصُوْلًا پہنچنا۔اِلٰی صلہ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے جیسے وُصُوْل اِلَی اللّٰہِ۔﴿قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ یَّصِلُوْۤا اِلَیْكَ﴾(11/ھود:81)''انہوں نے کہا اے لوطؑ بیشک ہم آپ (یعنی لوطؑ) کے رب کے رسول ہیں، یہ لوگ ہرگز نہیں پہنچیں گے آپؑ تک۔''

وَصِیْلَةٌ اس کے معنی میں اختلاف ہے۔بعض بزرگوں کے مطابق اس سے مراد وہ اونٹنی ہے جس سے پہلی مرتبہ بھی مادہ پیدا ہوا اور پھر دوبارہ بھی مادہ ہی پیدا ہو۔اس معنی کے اعتبار سے اس اونٹنی کو وصیلہ اس لیے کہتے ہیں کہ ایک مادہ کے بعد دوسری مادہ مل گئی اور ان کے درمیان کسی نر سے تفریق نہیں ہوئی۔ اس اونٹنی کو وہ اپنے بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔اور بعض بزرگوں کی رائے کے مطابق عربوں میں جو بکری مسلسل مادہ بچے دینے کے بعد کسی حمل میں نر اور مادہ بچے اکٹھے دے تو وہ اس مادہ بچے کی وجہ سے نر بچے کو ذبح نہ کرتے اور کہتے وَصَلَتِ الْاُنْثٰی اَخَاهَا پھر اس مادہ بکری کو نر بکرے کے ساتھ ملا کر بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے۔یہ مادہ بکری جو اپنے بھائی کے ساتھ مل کر بتوں کی نذر ہوتی اس کو وصیلہ کہتے تھے۔ (واللہ اعلم)۔﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِیْرَةٍ وَّلَا سَآىِٕبَةٍ وَّلَا وَصِیْلَةٍ﴾(5/المائدۃ:103)''اللہ نے نہ کوئی بحیرہ مقرر کیا ہے نہ سائبہ اور نہ وصیلہ۔''

(تفعیل) تَوْصِیْلًا ملانا۔پہنچانا۔رسی کے مختلف ٹکڑوں کو آپس میں جوڑنا اور اُسے مضبوط کرنا۔عربی زبان میں تَوْصِیْلُ الْقَوْلِ کا مطلب

ہے کسی بات کو بار بار اور مسلسل بیان کرتے رہنا۔ جیسے قرآن مجید میں فرمایا: ﴿وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝﴾ (28/القصص:51) ''اور ہم نے اس کلام کو اُن لوگوں کے لیے یکے بعد دیگرے بھیجا تا کہ یہ لوگ نصیحت مانیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت کے حاشیے میں مولانا ماجدیؒ فرماتے ہیں: ''توصیل قول کے معنی ہیں بات کو بار بار اور مسلسل بیان کرتے رہنا۔ یہاں مراد یہ ہے کہ ہم قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے مسلسل نازل کرتے رہے اور اس کے نظم کو نہایت مرتبط رکھا۔''

يُفْسِدُوْنَ (ف س د): البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔

خ س ر

(س) خَسَارًا، خَسَرًا راس المال میں کمی ہو جانا۔ خود نقصان اٹھانا۔ کسی کو نقصان یا گھاٹے میں ڈالنا۔ (لازم و متعدی)۔ اس کی ضد رَبِحَ (نفع ہونا) ہے۔ ﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ﴾ (10/یونس:45) ''گھاٹے میں رہے وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا اللہ سے ملنے کو۔'' ﴿وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾ (7/الاعراف:9) ''اور جن کے ہلکے ہوئے ترازو تو یہ لوگ ہیں جنہوں نے گھاٹے میں ڈالا اپنے نفس کو۔'' اس کا استعمال مادی طور پر مال و اسباب میں کمی کے لیے بھی ہوتا ہے اور معنوی طور پر صحت، عقل، ایمان و ثواب میں نقصان کے لیے بھی ہوتا ہے۔ جن لوگوں نے دنیا میں کفر کیا اور کفر کی حالت میں ہی مر گئے وہ لوگ قیامت کے روز سب سے زیادہ نقصان میں ہوں گے۔ اس کو قرآن مجید نے اَلْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ کہا ہے۔ ﴿قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۝﴾ (39/الزمر:15) ''آپؐ کہہ دیجئے کہ حقیقی نقصان اٹھانے والے وہ ہیں جو اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن نقصان میں ڈال دیں یاد رکھو کھلم کھلا نقصان یہی ہے۔'' امام راغبؒ کے مطابق قران مجید میں جہاں خُسْرَان کا لفظ آیا ہے وہاں ایمان و ثواب میں نقصان اٹھانا ہی مراد ہے، دنیاوی کاروبار و دیگر چیزوں میں نقصان اٹھانا مراد نہیں۔ (واللہ اعلم)۔

خَاسِرٌ ج: خَاسِرُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ نقصان اٹھانے والا۔ ﴿وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝﴾ (3/آل عمران:85) ''اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہے۔''

اَخْسَرُ ج: اَخْسَرُوْنَ۔ اسم التفضیل ہے۔ زیادہ گھاٹے میں ہونے والا۔ ﴿لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝﴾ (11/ھود:22) ''یقیناً یہی لوگ ہیں جو آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔'' ﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۭ﴾ (18/الکہف:103) ''آپ ﷺ کہیے کیا ہم خبر دیں تم لوگوں کو سب سے زیادہ گھاٹے میں ہونے والوں کی بلحاظ اعمال کے۔''

خُسْرَانٌ فُعْلَانٌ کے وزن پر اسم المبالغہ ہے۔ بے انتہا گھاٹا۔ ﴿اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۝﴾ (39/الزمر:15) ''سن لو یہ واضح طور پر بے انتہا گھاٹا ہے۔''

خُسْرٌ اسم ذات ہے۔ گھاٹا۔ نقصان۔ ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝﴾ (103/العصر:2) ''یقینا تمام انسان خسارے میں ہیں۔''

خَسَارٌ اسم ذات ہے۔ گھاٹا۔ نقصان۔ ﴿وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ۝﴾ (35/فاطر:39) ''اور زیادہ نہیں کرتا کافروں کو ان کا کفر کرنا سوائے گھاٹے کے۔''

(افعال) اِخْسَارًا گھاٹا دینا۔کمی کرنا۔﴿وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝﴾(55/الرحمٰن:9)''اورتم لوگ کمی مت کروترازو میں یعنی تول میں۔''

مُخْسِرٌ ج: مُخْسِرُوْنَ۔اسم الفاعل ہے۔کمی کرنے والا۔﴿اَوْفُوا الْكَيْلَ وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ۝﴾(26/الشعراء:181)''تم لوگ پورا بھرو پیمانے کواورمت ہوجاؤ کمی کرنے والوں میں سے۔''

(تفعیل) تَخْسِيْرًا کسی کوگھاٹے میں ڈالنا۔نقصان پہنچانا۔ہلاک کرنا۔﴿فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ۝﴾(11/ھود:63)''تم تو میرا نقصان ہی بڑھارہے ہو۔''

ترکیب اَلَّذِيْنَ اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ اس کا صلہ ہے۔صلہ اور موصول مل کر صفت ہے گزشتہ آیت کے آخری لفظ اَلْفٰسِقِيْنَ کی۔اس لیے اَلَّذِيْنَ محلاً حالت نصب میں ہے کیونکہ اَلْفٰسِقِيْنَ، يُضِلُّ کا مفعول ہونے کی وجہ سے حالت نصب میں ہے۔عَهْدَ اللّٰهِ، يَنْقُضُوْنَ کا مفعول ہونے کی وجہ سے حالت نصب میں ہے۔مِيْثَاقِهٖ کی ضمیر عہد کے لیے ہے۔يَقْطَعُوْنَ عطف ہے يَنْقُضُوْنَ پر۔'مَا' اسم موصول ہے اور مفعول ہے۔اَمَرَ فعل ہے اور اَللّٰهُ اس کا فاعل۔بِهٖ جار مجرور متعلق ہے اَمَرَ سے اس میں 'ہ' ضمیر اسم موصول 'مَا' کی ضمیر عائد ہے۔اردو میں عام طور پر اسکے ترجمے کی ضرورت نہیں پڑتی کیونکہ اردو میں بیان کا یہ اسلوب رائج نہیں۔آگے اَنْ يُّوْصَلَ میں اَنْ مصدر یہ ہے جس نے اگلے فعل میں مصدری معنی پیدا کردیے ہیں۔يُّوْصَلَ مضارع مجہول ہے اور اَنْ کی وجہ سے حالت نصب میں ہے اور اس کا نائب الفاعل اس میں شامل 'هُوَ' ضمیر ہے۔اور یہ مصدر مؤوّل بدل ہے۔بِهٖ میں 'ہ' ضمیر کا یعنی وَيَقْطَعُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِوَصْلِهٖ (درویشؒ) یعنی''اور وہ لوگ کاٹتے ہیں اُسے، حکم دیا اللہ نے جس کے جوڑنے کا۔'' آگے يُفْسِدُوْنَ عطف ہے يَقْطَعُوْنَ پر فِي الْاَرْضِ متعلق فعل ہے۔اُولٰٓئِكَ مبتدا۔هُمُ ضمیر فاصل ہے اور تاکید کے لیے ہے اور اَلْخٰسِرُوْنَ خبر ہے۔(واللہ اعلم)۔

ترجمہ
البقرۃ:27

اَلَّذِيْنَ	يَنْقُضُوْنَ	عَهْدَ اللّٰهِ	مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۪	وَيَقْطَعُوْنَ
وہ لوگ	توڑتے ہیں	اللہ کے وعدے کو	اُس کو مضبوط کرنے کے بعد	اور وہ لوگ کاٹتے ہیں

مَآ	اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ	اَنْ يُّوْصَلَ	وَيُفْسِدُوْنَ
اسے	حکم دیا اللہ نے	جس کے جوڑنے کا	اور وہ لوگ فساد کرتے ہیں

فِي الْاَرْضِ ؕ	اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝
زمین میں	وہ لوگ ہی نقصان اٹھانے والے ہیں

نوٹ:1 عَهْدُ اللّٰهِ سے مراد وہ ازلی عہد ہے جسے''عہد الست'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، جب اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کی ارواح کو، اس دنیا میں پیدا کرنے سے پہلے، جمع کر کے فرمایا تھا'' اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ''کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔اس وقت سب نے یک زبان ہوکر کہا بَلٰی یعنی کیوں نہیں آپ ہی ہمارے رب ہیں۔اس میں بڑی تاکید کے ساتھ اس بات کا اقرار ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہمارا رب اور پروردگار ہے اور اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اسکی ہی اطاعت کی جائے۔یہ وہ ازلی عہد ہے جو انسان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہو چکا۔اب دنیا میں پیدا ہونے کے بعد تمام انبیاء اور آسمانی کتابیں اسی عہد کی یاددہانی اور اس پر عمل کی تفصیلات بتانے کے لیے آئے۔تقریباً تمام بزرگوں نے اس آیت مبارکہ میں عہد اللہ کی یہ ہی تفسیر کی ہے۔مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:''بادشاہ اپنے ملازموں اور رعایا کے نام جو فرمان یا ہدایات جاری کرتا ہے، ان کو عربی محاورے میں عہد سے تعبیر کیا جاتا ہے، کیونکہ ان کی تعمیل رعایا پر واجب ہوتی ہے۔یہاں عہد کا لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔اللہ کے عہد سے مراد اس کا وہ مستقل فرمان ہے، جس کی رو سے تمام نوعِ انسانی صرف اسی کی بندگی، اطاعت اور پرستش کرنے پر مامور ہے''مضبوط باندھ لینے کے بعد'' سے اشارہ اس طرف ہے کہ آدم کی تخلیق کے وقت تمام نوع انسانی سے اس فرمان کی پابندی کا اقرار لے لیا گیا تھا۔سورۂ اعراف، آیت ۱۷۲ میں اس عہد و اقرار پر نسبتاً زیادہ تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔''(تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۶۰)

نوٹ:2 آیت مبارکہ میں یہ جو فرمایا وَ یَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ تو اس سے مراد ہے کہ وہ ان تمام تعلقات کو توڑ ڈالتے ہیں جن کو جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا۔ ان تعلقات میں وہ تعلق بھی داخل ہے جو اللہ اور بندے کے درمیان ہے اور وہ تعلقات بھی شامل ہیں جو ایک انسان کے اپنے گھر والوں، عزیزوں، پڑوسیوں اور عام مسلمانوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اِن تمام تعلقات کے حقوق ادا کرنے کا نام ہی اسلام ہے اور اِن میں کوتاہی کرنے سے ہی فساد برپا ہوتا ہے اسی لیے آگے فرمایا وَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ اور اس فساد مچانے کا لازمی نتیجہ ہے آخرت میں نقصان۔ اسی لیے آگے فرمایا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ (واللہ اعلم)۔

آیت:28

﴿ کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَ کُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاکُمْ ۚ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾ ﴾

کَیْفَ کَیْفَ اسمائے استفہام میں سے ہے اور کسی چیز کی حالت دریافت کرنے کے لیے آتا ہے۔ معنی ہوتا ہے کیسا یا کیسے۔ اسمائے استفہام جملے میں مبتداء، خبر، فاعل اور مفعول بن کر استعمال ہوتے ہیں۔ البتہ کیف کے متعلق بعض علماء کا قول ہے کہ یہ صرف خبر بنتا ہے، مبتدا نہیں بن سکتا کیونکہ اس میں ظرفیت کے معنی پائے جاتے ہیں۔ (واللہ اعلم)۔ کیف جملے میں بطور حال بھی آتا ہے جیسے فرمایا: فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍۭ بِشَھِیْدٍ تو اس وقت ان کا کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہی دینے والا لائیں گے۔ جہاں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے متعلق کیف استعمال ہو تو وہاں اظہارِ تعجب یا مخاطب کو تنبیہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ یا فرمایا: کَیْفَ یَکُوْنُ لِلْمُشْرِکِیْنَ عَھْدٌ عِنْدَ اللّٰہِ وغیرہ۔

تَکْفُرُوْنَ (ك ف ر): البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔ اَللّٰہُ (ء ل ہ): آیت بسم اللہ دیکھیں۔ کُنْتُمْ (ك و ن): البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔
اَمْوَاتًا اور یُمِیْتُ (م و ت): البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ اَحْیَا اور یُحْیِیْ (ح ی ی): البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔
تُرْجَعُوْنَ (ر ج ع): البقرۃ آیت 18 دیکھیں۔

ترکیب کَیْفَ اسم استفہام ہے۔ تَکْفُرُوْنَ فعل اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ ہے جو آیت 26 میں مذکور فاسقین کے لیے ہے اور بِاللّٰہِ متعلق فعل ہے۔ کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ جملہ استفہام ہے اور کَیْفَ یہاں اظہارِ تعجب یا کافروں کو تنبیہ کے لیے آیا ہے۔ وَ کُنْتُمْ میں 'وَ' حالیہ ہے اور کُنْتُمْ کا اسم اس میں شامل ضمیر ہے اور اَمْوَاتًا، کَانَ کی خبر ہے اسی لیے حالت نصب میں ہے اور یہ جملہ حال بیان کر رہا ہے تَکْفُرُوْنَ کی ضمیر فاعلی کا۔ فَاَحْیَاکُمْ میں 'فَ' حرف عطف ہے اور اَحْیَا فعل اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور کُمْ اس کا مفعول ہے اس جملے کا عطف جملہ ماقبل پر ہے۔ ثُمَّ حرف عطف ہے اور یُمِیْتُ فعل با فاعل اور کُمْ ضمیر مفعولی ہے۔ یُمِیْتُ کی ضمیر فاعلی بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور اس جملے کا عطف بھی جملہ ماقبل پر ہے۔ یہی ترکیب یُحْیِیْکُمْ کی ہے۔ آگے ثُمَّ حرف عطف ہے۔ اِلَیْہِ متعلق ہے تُرْجَعُوْنَ سے اور یہ حصر کا مفہوم پیدا کر رہا ہے۔ تُرْجَعُوْنَ، مضارع مجہول ہے اور اس کا نائب الفاعل اس میں شامل ضمیر ہے۔ (واللہ اعلم)۔

ترجمہ
البقرۃ:28

کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ	وَ کُنْتُمْ	اَمْوَاتًا
تم لوگ کیسے انکار کرتے ہو اللہ کا	حالانکہ تم لوگ	مردہ تھے

فَاَحْیَاکُمْ ۚ	ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ	ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ
تو اس (اللہ) نے زندہ کیا تم کو	پھر وہ موت دے گا تم کو	پھر وہ زندہ کرے گا تم کو

ثُمَّ اِلَیْہِ	تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾
پھر اس ہی کی طرف	تم لوٹائے جاؤ گے

آیت:29

﴿هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ لَکُمۡ مَّا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا ٭ ثُمَّ اسۡتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىہُنَّ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَ ہُوَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۲۹﴾﴾

خَلَقَ (خ ل ق): البقرۃ آیت 21 دیکھیں۔	اَلۡاَرۡضِ (ء ر ض): البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔

ج م ع

(ف) **جَمۡعًا** متفرق چیزوں کو باہم ملا دینا۔ اکٹھا کرنا۔ جمع کرنا۔ (متعدی)۔ ﴿فَکَیۡفَ اِذَا جَمَعۡنٰہُمۡ لِیَوۡمٍ لَّا رَیۡبَ فِیۡہِ ۟﴾ (3/آل عمران:25) ''تو کیسا ہوگا جب ہم اکٹھا کریں گے ان کو اس دن کے لئے جس میں کوئی شک نہیں ہے۔'' ﴿اِنَّ عَلَیۡنَا جَمۡعَہٗ وَ قُرۡاٰنَہٗ ﴿ۚۖ۱۷﴾﴾ (75/القیامۃ:17) ''یقیناً ہم پر ہے اسکا یعنی قرآن کا جمع کرنا اور اسکا پڑھنا۔''

جَمۡعٌ تثنیہ: جَمۡعَانِ۔ مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ جمع کی ہوئی چیز یعنی جماعت۔ ﴿سَیُہۡزَمُ الۡجَمۡعُ وَ یُوَلُّوۡنَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾﴾ (54/القمر:45) ''شکست دی جائے گی اس جماعت کو اور وہ لوگ پیٹھ پھیریں گے۔'' ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ تَوَلَّوۡا مِنۡکُمۡ یَوۡمَ الۡتَقَی الۡجَمۡعٰنِ ۙ﴾ (3/آل عمران:155) ''تم میں سے جن لوگوں نے اُس دن پیٹھ دکھائی جس دن دو جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں۔''

جَامِعٌ اسم الفاعل ہے۔ جمع کرنے والا۔ ﴿رَبَّنَاۤ اِنَّکَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَوۡمٍ لَّا رَیۡبَ فِیۡہِ ؕ﴾ (3/آل عمران:9) ''اے ہمارے رب بیشک تو لوگوں کو جمع کرنے والا ہے اس دن کے لئے جس میں کوئی شک نہیں ہے۔''

مَجۡمُوۡعٌ ج: مَجۡمُوۡعُوۡنَ۔ اسم المفعول ہے۔ جمع کیا گیا۔ جمع کیا ہوا۔ ﴿ذٰلِکَ یَوۡمٌ مَّجۡمُوۡعٌ ۙ لَّہُ النَّاسُ﴾ (11/ھود:103) ''وہ دن جس میں سب لوگ جمع کیے جائیں گے۔'' ﴿اِنَّ الۡاَوَّلِیۡنَ وَ الۡاٰخِرِیۡنَ ﴿ۙ۴۹﴾ لَمَجۡمُوۡعُوۡنَ ۬ۙ﴾ (56/الواقعہ:49-50) ''بیشک اگلے اور پچھلے یعنی سب جمع کیے جانے والے ہیں۔''

مَجۡمَعٌ اسم الظرف ہے۔ جمع کرنے کی جگہ۔ ﴿لَاۤ اَبۡرَحُ حَتّٰۤی اَبۡلُغَ مَجۡمَعَ الۡبَحۡرَیۡنِ﴾ (18/الکھف:60) ''میں نہیں ٹلوں گا یہاں تک کہ میں پہنچوں دو سمندروں کو ملانے کی جگہ۔''

جُمُعَۃٌ اور **جُمۡعَۃٌ** دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ لفظی معنی ہے اجتماع۔ جمعہ کا دن، چونکہ اس دن سب نماز کے لیے ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اس لیے جمعہ کہلاتا ہے۔ ﴿اِذَا نُوۡدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنۡ یَّوۡمِ الۡجُمُعَۃِ فَاسۡعَوۡا اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰہِ﴾ (62/الجمعہ:9) ''جب ندا دی جائے نماز کے لئے جمعہ کے دن تو لپکو اللہ کی یاد کی طرف۔''

جَمِیۡعٌ فَعِیۡلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ کُل کے کُل۔ سب کے سب۔ جماعت۔ ﴿قُلۡنَا اہۡبِطُوۡا مِنۡہَا جَمِیۡعًا ۚ﴾ (2/البقرہ:38) ''ہم نے کہا تم لوگ اترو اس میں سے سب کے سب۔'' ﴿اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ نَحۡنُ جَمِیۡعٌ مُّنۡتَصِرٌ ﴿۴۴﴾﴾ (54/القمر:44) ''یا یہ کہتے ہیں کہ ہم غلبہ پانے والی جماعت ہیں۔''

اَجۡمَعُ ج: اَجۡمَعُوۡنَ۔ اَفۡعَلُ کے وزن پر صفت ہے۔ سب۔ تمام۔ ﴿فَسَجَدَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ کُلُّہُمۡ اَجۡمَعُوۡنَ ﴿ۙ۳۰﴾﴾ (15/الحجر:30) ''چنانچہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔'' ﴿اُولٰٓئِکَ عَلَیۡہِمۡ لَعۡنَۃُ اللّٰہِ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ وَ النَّاسِ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۱۶۱﴾﴾ (2/البقرہ:161) ''یہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی۔''

(افعال) اِجْمَاعًا کسی بات یا کام پر جمع ہونا۔ اتفاق کرنا۔ پختہ ارادہ کرنا۔ اکٹھا کرنا۔ ﴿وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ﴾ (12/یوسف:102) ''اور آپؐ اُن کے پاس نہیں تھے جب وہ متفق ہو گئے تھے اس بات پر۔'' ﴿فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ﴾ (12/یوسف:15) ''اور متفق ہوئے کہ ڈالیں اُس کو گمنام کنویں میں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''اور پختہ ارادہ کرلیا کہ اُنہیں اندھیرے کنویں میں ڈال دیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اسی سے ''اجماع امت'' ہے جو کہ اصول اربعہ میں سے ایک مستقل اصول ہے یعنی قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس۔

اَجْمِعْ ج: اَجْمِعُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو جمع کر۔ ﴿فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ﴾ (10/یونس:71) ''تو تم جمع کرلو اپنی تدبیر اور اپنے شریکوں کو۔''

(افتعال) اِجْتِمَاعًا لوگوں یا چیزوں کا جمع ہونا۔ (لازم)۔ ﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ﴾ (17/بنی اسرائیل:88) ''آپ ﷺ کہیے کہ اگر اکٹھے ہوں تمام انسان اور تمام جن اس پر کہ وہ لے آئیں اس قرآن کی مانند تو وہ نہ لاسکیں گے اس جیسا۔''

مُجْتَمِعٌ ج: مُجْتَمِعُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ جمع ہونے والا۔ ﴿وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ۝﴾ (26/الشعراء:39) ''اور کہا گیا لوگوں سے کیا تم لوگ جمع ہونے والے ہو۔''

اِسْتَوٰٓى اور سَوّٰى (س و ی): البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔ اَلسَّمَآءُ اور سَمٰوٰتٍ (س م و): آیت بسم اللہ دیکھیں۔
كُلٌّ (ك ل ل): البقرۃ آیت 20 دیکھیں۔ شَيْءٍ (ش ی ء): البقرۃ آیت 20 دیکھیں۔ عَلِيْمٌ (ع ل م): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔

ترکیب هُوَ مبتدا ہے اور یہ ضمیر گذشتہ آیت میں مذکور لفظ اللہ کے لیے ہے۔ اَلَّذِيْ اسم موصول ہے۔ اور جملہ فعلیہ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر خبر ہے هُوَ کی۔ خَلَقَ کا مفعول 'مَا' ہے جَمِيْعًا حال ہے اسم موصول 'مَا' کا۔ لَكُمْ، خَلَقَ سے متعلق ہے۔ ثُمَّ حرف عطف ہے۔ اِسْتَوٰٓى فعل اور اس میں شامل ضمیر ''هُوَ'' اس کا فاعل ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اِلَى السَّمَآءِ متعلق فعل ہے۔ فَسَوّٰىهُنَّ میں ف عطف کا ہے اور سَوّٰى فعل بافاعل اور هُنَّ اس کا مفعول ہے۔ ضمیر هُنَّ، اَلسَّمَآءِ کے لیے ہے جو کہ واحد اور جمع دونوں طرح استعمال ہوتا ہے اس لیے اس کے لیے ضمیر هُنَّ جائز ہے۔ اور بعض بزرگوں کے نزدیک ''اَلسَّمَآءِ'' یہاں اسم جنس کے طور پر آیا ہے اور معناً جمع ہے۔ اس لیے ''هُنَّ'' کی ضمیر آئی ہے۔ (ماجدیؒ)۔ سَبْعَ حال یا بدل ہے، هُنَّ ضمیر کا۔ اور سَمٰوٰتٍ مضاف الیہ اور تمیز ہے۔ هُوَ۔ مبتدا، بِكُلِّ شَيْءٍ متعلق خبر مقدم اور عَلِيْمٌ خبر ہے۔ (واللہ اعلم)۔

ترجمہ
البقرۃ:29

هُوَ الَّذِيْ	خَلَقَ	لَكُمْ	مَّا فِي الْاَرْضِ	جَمِيْعًا	ثُمَّ
وہی (اللہ) ہے جس نے	پیدا کیا	تمہارے لئے	جو کچھ زمین میں ہے	کُل کا کُل	پھر

اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ	فَسَوّٰىهُنَّ		سَبْعَ سَمٰوٰتٍ
وہ متوجہ ہوا آسمان کی طرف	تو اس نے ٹھیک ٹھیک بنا دیا	اُنہیں	سات آسمان

وَهُوَ	بِكُلِّ شَيْءٍ	عَلِيْمٌ ۝
اور وہ	ہر چیز کو	جاننے والا ہے

نوٹ:1 لَكُمْ میں لام تملیک یعنی ملکیت ظاہر کرنے والا لام نہیں ہے۔ انسان اس زمین کی کسی بھی چیز کا مالک نہیں ہے۔ انسان خلیفہ ہے اور خلیفہ مالک نہیں ہوتا۔ لَكُمْ کا لام تمتع کا ہے یعنی فائدہ اٹھانے کے لئے ہے۔ اس لئے یہ مفہوم ''تمہارے لئے'' یا ''تمہاری خاطر'' کے ترجمہ سے ادا کیا جاسکتا ہے۔

نوٹ:2 اَلسَّمَآءُ کی لغوی بحث آپ آیت بسم اللہ کے تحت پڑھ چکے ہیں۔ یہاں آیت مبارکہ میں ''اَلسَّمَآءُ '' سے اَجرام عُلوی (یعنی سورج، چاند، ستارے) اسمتِ عُلوی (اوپر کی طرف یا بلندی) مراد لیا گیا ہے۔ تراجم میں عام طور پر اس کا ترجمہ ''آسمان'' سے ہی کیا گیا ہے۔ البتہ اس لفظ کے لغوی معنی سے بھی ترجمہ کیا گیا ہے۔ مثلاً صاحبِ ضیاء القرآن فرماتے ہیں ''پھر توجہ فرمائی اوپر کی طرف۔'' اور صاحبِ تفہیم القرآن فرماتے ہیں: ''پھر اوپر کی طرف توجہ فرمائی۔'' صاحبِ تفسیر حقانی اس آیت میں اَلسَّمَآءُ کے لفظ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اَلسَّمَآءُ کی ہمزہ، واؤ سے بدلی ہوئی ہے۔ پہلے واؤ تھا اور جو واؤ، الف کے بعد زائد ہو، بیشتر عرب اس کو ہمزہ سے بدل دیتے ہیں۔ لغت میں لفظ سماء کا چند معانی پر اطلاق ہوتا ہے۔ بادل کو بھی کہتے ہیں اور افق کو بھی اور اوپر کی جانب کو بھی اور اس نیلی چھت کو بھی کہ جو ایک گول گنبد سا نظر آتا ہے۔ قرآن میں جو جابجا سماء کا ذکر ہے کہ ہم نے اس کو اپنے ہاتھ سے بنایا۔ ﴿ وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ ﴾ وغیرہ من الآیات۔ پس اس سے وہی آخری معنی مراد ہیں کہ جس کو ہماری زبان میں آسمان اور ہندی میں اکاش اور انبر کہتے ہیں اور ہر زبان میں اس کا نام ہے۔ (تفسیر حقانیؒ ج ۱ ص ۴۰۹، تلخیصاً)

آیت:30

﴿ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۰ ﴾

اِذْ جب، جبکہ۔ اِذْ ظرف زمان ہے یعنی اس میں کسی کام کے کرنے یا ہونے کے وقت کا مفہوم ہوتا ہے۔ اِذْ، اکثر زمانہ ماضی کے لیے آتا ہے اگرچہ مضارع پر داخل ہوا ہو۔ جیسے فرمایا: ﴿ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ اِسْمٰعِيْلُ ؕ ﴾ ''اور وہ وقت یاد کرو جب حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے۔'' اِذْ کے بعد فعل بھی آ سکتا ہے (جیسے اوپر آیت میں آیا) اور اسم بھی آ سکتا ہے جیسے فرمایا اِذْ هُمَا فِى الْغَارِ ''جب وہ دونوں غار میں تھے۔'' قرآنِ مجید میں جہاں کہیں آیت کے شروع میں اِذْ آیا ہے وہاں اُذْكُرْ یا اُذْكُرُوْا محذوف مانا جاتا ہے جیسے وَاِذْ يَرْفَعُ کے معنی ہیں ''اور وہ وقت یاد کرو جب''۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ اِذْ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''عربی زبان میں جب کلام کا آغاز ''اِذْ'' سے ہوتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس سے پہلے خیال کرو۔ تصور کرو، یاد کرو یا ان کے ہم معنی کوئی فعل یہاں محذوف ہے۔ عموماً اس کے بعد کسی ایسی ہی سرگزشت یا واقعہ کا حوالہ آتا ہے جو یا تو مخاطب کے علم میں ہو، یا خود متکلم اس کی قطعیت پر اس درجہ مطمئن ہو کہ ایک معلوم و معروف حقیقت کی حیثیت سے اس کا حوالہ دے سکے۔'' (تدبر قرآن، ج ۱ ص ۱۵۶)

قَالَ، قَالُوْا (ق و ل): البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ رَبُّ (ر ب ب): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ اَلْمَلٰٓئِكَةُ (م ل ك): الفاتحہ آیت 3 دیکھیں۔ جَاعِلٌ، تَجْعَلُ (ج ع ل): البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ اَلْاَرْضُ (ء ر ض): البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔

خ ل ف

(ن) خِلَافَةً کسی کا جانشین ہونا۔ کسی کا قائم مقام ہونا۔

خَلْفًا کسی کے پیچھے آنا۔ ﴿ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ ﴾ (7/الاعراف:169) ''پھر اُن کے پیچھے آئے ناخلف۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ﴿ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ ﴾ (19/مریم:59) ''پھر اُن کے بعد بعض ایسے ناخلف جانشین ہوئے جنہوں نے نماز کو برباد کیا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ﴿ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِىْ مِنْۢ بَعْدِىْ ۚ ﴾ (7/الاعراف:150) ''تو (حضرت موسیٰؑ نے) فرمایا تم نے میرے بعد بڑی بری جانشینی کی۔'' (ترجمہ احسن البیان)

خَلْفٌ (1) جانشین۔ واحد اور جمع دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ خَلْفٌ اس نسل کو کہتے ہیں جو دوسری نسل کے بعد آئے۔ عربی زبان میں خَلَفٌ (لام کی زبر کے ساتھ) کے معنی بھی جانشین کے ہوتے ہیں۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ خَلْفٌ (لام کے سکون کے ساتھ) عام طور پر برے جانشین اور بری اولاد کے لیے استعمال ہوتا ہے اور خَلَفٌ (لام کی زبر کے ساتھ) اچھے جانشین اور اچھی اولاد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ خَلْفٌ قرآن مجید میں دو مرتبہ آیا ہے (الاعراف۔169) اور (مریم۔59) اور دونوں جگہ مذمت ہی کے انداز میں ان کا ذکر ہوا ہے۔ خَلَفٌ کا لفظ قرآنِ مجید میں استعمال نہیں ہوا۔ (واللہ اعلم)

(2) خَلْفٌ، ظرف کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ مطلب ہوتا ہے ''پیچھے''۔ یعنی جہاتِ ستّہ میں سے ہے (اَمَام۔ خَلْف) (یَمِیْن۔ شِمَال) (فَوْق۔ تَحْت) ﴿یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ۚ﴾ (2/البقرہ:255) ''وہ جانتا ہے جو ان کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے۔''

اُخْلُفْ فعل امر ہے۔ تو پیچھے رہ۔ تو جانشینی کر۔ ﴿وَ قَالَ مُوْسٰی لِاَخِیْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ﴾ (7/الاعراف:142) ''اور کہا موسیٰؑ نے اپنے بھائی ہارونؑ کو، تو میرے پیچھے رہ میری قوم میں یا تو میری قوم میں میری جانشینی کر۔''

خَالِفٌ ج: خَالِفُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ پیچھے رہنے والا، خَلْفًا مصدر سے۔ ﴿فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِیْنَ ۝﴾ (9/التوبۃ:83) ''تو تم لوگ بیٹھو پیچھے رہنے والوں کے ساتھ۔'' پیر کرم شاہ صاحبؒ اس آیت میں خٰلِفِیْنَ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''خَالِفٌ کا ایک معنی تو یہ ہے پیچھے رہ جانے والا۔ لیکن علامہ قرطبیؒ نے فرمایا ہے کہ خلف بمعنی فساد کے ہے جس طرح کہتے ہیں خَلَفَ اللَّبَنُ دودھ خراب ہو گیا۔ یا عرب کہتے ہیں کہ فُلَانٌ خلافة اَهْلِ بَیْتِهٖ۔ فلاں شخص اپنے سارے کنبہ سے فسادی ہے۔ اسی سے خَلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ ہے جبکہ منہ کی بو روزہ رکھنے سے خراب ہو جاتی ہے۔ اب آیت کا معنی یہ ہوگا فَاقْعُدُوْا مَعَ الْفَاسِدِیْنَ یعنی فساد برپا کرنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔'' (ضیاء القرآن، ج۲، ص۲۳۹)

خَالِفَةٌ ج: خَوَالِفُ۔ اسم الفاعل خَالِفٌ کا مؤنث ہے۔ پیچھے رہنے والی عورتوں کو کہتے ہیں جو مردوں کے جانے کے بعد گھروں میں رہتی ہیں۔ ﴿رَضُوْا بِاَنْ یَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ﴾ (9/التوبۃ:87) ''راضی ہوئے اس پر کہ وہ لوگ ہوں پیچھے رہنے والیوں کے ساتھ۔''

خَلِیْفَةٌ ج: خُلَفَاءُ اور خَلَائِفُ۔ جانشین۔ نائب۔ فَعِیْلٌ کے وزن پر خَلِیْفٌ تھا لیکن ۃ مبالغہ کا اضافہ کر کے خَلِیْفَةٌ بنایا گیا۔ ۃ مبالغے کے لیے بھی آتی ہے جیسے عَلَّامَةٌ، خَائِنَةٌ وغیرہ۔ خلیفہ وہ ہے جو کسی کے ملک میں اس کے نائب کی حیثیت سے اس کے احکام کے مطابق عمل کرائے۔ خلیفہ مالک نہیں ہوتا۔ بلکہ اصل مالک کا نائب ہوتا ہے۔ ﴿یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ﴾ (38/صٓ:26) ''اے داؤد بیشک ہم نے بنایا تم کو جانشین زمین میں۔'' ﴿اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ﴾ (7/الاعراف:69) ''جب اس نے بنایا تم لوگوں کو جانشین، نوحؑ کی قوم کے بعد۔ ﴿هُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ ؕ﴾ (35/فاطر:39) ''وہ ہے جس نے بنایا تم لوگوں کو جانشین زمین میں۔''

خِلْفَةٌ کسی کے پیچھے پیچھے آنے والا۔ اصل میں مصدر ہے جس کا مطلب ہے لگاتار ایک دوسرے کے پیچھے آنا۔ ﴿وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً﴾ (25/الفرقان:62) ''وہ ہے جس نے بنایا رات کو اور دن کو پیچھے پیچھے آنے والا ہوتے ہوئے۔''

(افعال) اِخْلَافًا (1) وعدہ کے خلاف کرنا۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ۝﴾ (3/آل عمران:9) ''بیشک اللہ وعدہ کے خلاف نہیں

کرتا۔''(2) کسی چیز کے بدلے میں کچھ دینا۔﴿ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ ﴾(34/سبا:39)''اور جو تم لوگ خرچ کرتے ہو، کوئی بھی چیز، تو وہ اس کے بدلے میں دے گا۔''

مُخْلِفٌ اسم الفاعل ہے۔ وعدہ کے خلاف کرنے والا۔﴿ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ﴾(14/ابراہیم:47)''تو ہرگز گمان مت کر اللہ کو اپنے وعدہ کے خلاف کرنے والا، اپنے رسولوں سے۔''

(تفعیل) **تَخْلِیْفًا** کسی کو پیچھے کر دینا۔ پیچھے چھوڑ دینا۔﴿ وَّعَلَی الثَّلٰثَةِ الَّذِیْنَ خُلِّفُوْا ﴾(9/التوبۃ:118)''اور اُن تین شخصوں پر جن کو پیچھے رکھا تھا۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ خُلِّفُوْا ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔

مُخَلَّفٌ ج: مُخَلَّفُوْنَ۔ اسم المفعول ہے۔ پیچھے چھوڑ ہوا۔ یعنی جس کو چھوڑ دیا گیا ہو۔﴿ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ ﴾(9/التوبۃ:81)''خوش ہوئے پیچھے چھوڑے ہوئے لوگ اپنے بیٹھ رہنے پر۔''

(مفاعلہ) **مُخَالَفَةً** اور **خِلَافًا** کسی کی مخالفت کرنا۔ کسی کے خلاف روش اختیار کرنا۔﴿ فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ ﴾(24/النور:63)''تو چاہیے کہ وہ لوگ ڈریں جو خلاف کرتے ہیں اُس کے حکم کے۔'' خِلَافٌ کے معنی ''بعد'' یا ''پیچھے'' کے بھی آتے ہیں جیسے فرمایا:﴿ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﴾(9/التوبۃ:81)''پیچھے رہ جانے والے لوگ رسول اللہؐ کے جانے کے بعد اپنے بیٹھے رہنے پر خوش ہیں۔''(ترجمہ احسن البیان)۔ اس آیت کے حاشیے میں صاحبِ احسن البیان فرماتے ہیں:''خلاف کے معنی ہیں، پیچھے یا مخالفت۔ یعنی رسول اللہؐ کے جانے کے بعد آپؐ کے پیچھے یا آپؐ کی مخالفت میں مدینہ میں بیٹھے رہے۔'' اسی طرح فرمایا:﴿ وَاِذًا لَّا یَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِیْلًا ۝ ﴾(17/بنی اسرائیل:76)''اور اُس وقت نہ ٹھہریں گے وہ بھی تیرے پیچھے مگر تھوڑا۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)''اور اس حالت میں یہ بھی آپؐ کے بعد بہت کم ٹھہرنے پاتے۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت کے حاشیے میں مولانا عبدالماجدؒ فرماتے ہیں:''خلاف یہاں بَعْد کے معنی میں ہے۔'' خلاف کے معنی ''مخالف جانب'' یا ''اُلٹی طرف سے'' کے بھی آتے ہیں، جیسے فرمایا:﴿ اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ ﴾(5/المائدۃ:33)''یا مخالف جانب سے اُن کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جائیں۔''(ترجمہ احسن البیان)

(تفعّل) **تَخَلُّفًا** پیچھے رہنا۔﴿ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِیْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ یَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﴾(9/التوبۃ:120)''مناسب نہیں تھا مدینہ والوں کیلئے اور جو ان کے گرد بدو ہیں کہ وہ لوگ پیچھے رہیں اللہ کے رسولؐ سے۔''

(افتعال) **اِخْتِلَافًا** (1) کسی چیز یا رائے کے خلاف ہونا۔ مختلف ہونا۔﴿ وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ﴾(30/الروم:22)''اور اس کی نشانیوں میں سے ہے زمین اور آسمانوں کی پیدائش اور مختلف ہونا تمہاری زبانوں کا اور تمہارے رنگوں کا۔''﴿ اِلَی اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ ﴾(5/المائدہ:48)''اللہ ہی کی طرف تم سب کا پلٹنا ہے تو وہ جتا دے گا تم کو وہ جس میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔''

(2) آنا جانا، اِلی کے صلے کے ساتھ۔ عربی میں کہتے ہیں فُلَانٌ یَخْتَلِفُ اِلَیْنَا، فلاں ہمارے پاس آتا جاتا ہے۔

مُخْتَلِفٌ اسم الفاعل ہے۔ مختلف ہونے والا۔ مختلف۔﴿ یَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ ﴾(16/النحل:69)''اُس کے پیٹ کے اندر سے ایک مشروب نکلتا ہے اُس کی رنگتیں مختلف ہوتی ہیں۔''(ترجمہ ماجدیؒ)

(استفعال) **اِسْتِخْلَافًا** کسی کو جانشین مقرر کرنا۔ نائب بنانا۔﴿ اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَیَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا یَشَآءُ ﴾(6/الانعام:133)''اگر وہ چاہے تو لے جائے تم لوگوں کو اور جانشین مقرر کرے تمہارے بعد جسے چاہے۔''

مُسْتَخْلَفٌ ج: مُسْتَخْلَفُوْنَ۔ اسم المفعول ہے۔ جس کو جانشین یا نائب بنایا گیا۔﴿ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْهِ ﴾(57/الحدید:7)''اور جس مال میں اُس نے تم کو دوسروں کا جانشین بنایا ہے اُس میں سے خرچ کرو۔''

مَنْ: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ یُفْسِدُ (ف س د): البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔

س ف ك

(ض) سَفْكًا خون ریزی کرنا۔کسی چیز کو بہانا۔﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ﴾(2/البقرۃ:84)''اور جب ہم نے لیا پختہ وعدہ تم سے کہ تم لوگ نہیں بہاؤ گے اپنوں کا خون۔''اسی سے انتہائی قاتل یا ظالم شخص کو سَفّاک اور ایسی کارروائی کو سفّاکیت کہہ دیا جاتا ہے۔

د م ی

(س) دَمًی زخم سے خون نکلنا۔

دَمٌ ج:دِمَاءٌ۔اسم ذات ہے۔خون۔﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ﴾(5/المآئدہ:3)''حرام کیا گیا تم پر مردار اور (بہنے والا) خون۔''﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا﴾(22/الحج:37)''ہرگز نہیں پہنچتے اللہ کو ان کے گوشت اور نہ ہی ان کے خون۔''

س ب ح

(ف) (ا)سَبْحًا پانی یا ہوا میں تیز رفتاری سے گزر جانا۔اس بنیادی مفہوم کے ساتھ یہ لفظ آسمان میں ستاروں اور سیاروں کی گردش اور تیز رفتاری کے لیے استعمال ہوتا ہے۔عربی زبان میں وہ گھوڑا جو بہت تیز رفتار ہو اسے فَرَسٌ سَابِحٌ کہتے ہیں اور سَبَّاحٌ تیراک کو کہتے ہیں۔چنانچہ ستاروں کے متعلق فرمایا:﴿وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝﴾(21/الانبیاء:33)''وہی ہے جس نے پیدا کیا رات کو اور دن کو اور سورج کو اور چاند کو،سب آسمان میں تیرتے ہیں۔''پھر یہ لفظ کسی کام میں مشغول ہونے اور مصروف ہونے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے فرمایا:﴿اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ۝﴾(73/المزمل:7)''بیشک آپؐ کے لئے دن میں طویل مصروفیت ہے۔''

(ب)سُبْحَانًا اپنے بلند مقام پر برقرار رہنا یعنی ہر نقص اور عیب،کمی اور کوتاہی سے پاک ہونا۔یہ مصدر،مضاف،مضاف الیہ بن کر استعمال ہوتا ہے۔کسی مفرد اسم کی طرف اس کی اضافت لازمی ہے خواہ وہ اسم ظاہر ہو جیسے سُبْحَانَ اللّٰهِ(اللہ پاک ہے) یا سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى (پاک ہے وہ ذات جو لے گئی) یا ضمیر ہو،جیسے سُبْحَانَهٗ (وہ پاک ہے) سُبْحَانَكَ (تو پاک ہے) وغیرہ۔اس کی نصب محذوف فعل کی وجہ سے آتی ہے۔یعنی اُسَبِّحُ/ نُسَبِّحُ سُبْحَانَهٗ میں یا ہم اس کی پاکی بیان کرتے ہیں۔سُبْحَانَ اس ترکیب میں مفعول مطلق ہوتا ہے۔سُبْحَانَ کا لفظ ایسے موقع پر بھی بولتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں انسان کو حیرت میں ڈال دیں۔ہماری زبان میں ''سبحان تیری قدرت'' ایسے ہی موقع پر بولتے ہیں۔(واللہ اعلم)۔﴿وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝﴾(12/یوسف:108)''اور اللہ پاک ہے اور میں نہیں ہوں شرک کرنے والوں میں سے۔''

سَابِحٌ مؤنث: سَابِحَةٌ ج:سَابِحَاتٌ۔اسم الفاعل ہے۔تیرنے والا۔﴿وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۝﴾(79/النزعت:3)''قسم ہے تیرنے والیوں کی جیسا کہ تیرنے کا حق ہے۔''

(تفعیل) تَسْبِيْحًا کسی کو اس کی سطح پر برقرار رکھنا۔تیرانا۔ہر نقص وعیب سے اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرنا۔اصل میں اس کے معنی عبادت الٰہی میں تیزی کرنا کے ہیں۔پھر اس کا استعمال ہر فعل خیر پر ہونے لگا۔پس تسبیح کا لفظ قولی،فعلی،قلبی ہر قسم کی عبادت پر بولا جاتا ہے۔یہ سَبْحٌ سے ہے جس کے معنی پانی یا ہوا میں تیز رفتاری سے گزر جانے کے ہیں۔پھر استعارۃً فلک میں نجوم کی

گردش اور تیز رفتاری کے لیے استعمال ہونے لگا۔ پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''تسبیح کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کو تمام ایسی چیزوں سے منزّہ اور پاک سمجھنا جو اس کے شایان شان نہیں۔ انسان کا اعتقاد بھی یہی ہو، وہ اپنے قول سے بھی اس کا اقرار کرے اور اس کا عمل بھی اس کی شہادت دے رہا ہو۔'' (ضیاء القران)۔ جس طرح تیرنے والا پانی میں ڈوبنے سے بچتا ہے اسی طرح تسبیح کرنے والا شرک سے نجات پاتا ہے۔ ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ﴾ (42/الشوریٰ:5) ''اور فرشتے پاکی بیان کرتے ہیں اپنے رب کی حمد کے ساتھ۔'' ﴿كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ تَسْبِيْحَهٗ ؕ﴾ (24/النور:41) ''ہر ایک کی نماز اور تسبیح اُسے معلوم ہے۔''

سَبِّحْ فعل امر ہے۔ تو پاکی بیان کر۔ ﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّ سَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ۝﴾ (3/آل عمران:41) ''اور یاد کر اپنے رب کو کثرت سے اور پاکی بیان کر رات اور صبح کو۔''

مُسَبِّحٌ ج: مُسَبِّحُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ پاکی بیان کرنے والا۔ ﴿وَ اِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ۝﴾ (37/الصافات:166) ''اور بیشک ہم پاکی بیان کرنے والے ہیں۔''

حَمْدٌ (ح م د): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔

ق د س

(ک) قُدْسًا، قُدْسًا (1) تمام بری صفات سے پاک ہونا۔ اس میں محسوس نجاست کی بجائے معنوی نجاست سے پاک ہونے کا مفہوم ہے یعنی کسی خیال یا اندازے کی غلطی سے پاک ہونا یا شرک سے پاک ہونا وغیرہ۔

(2) بابرکت ہونا۔

قُدُسٌ اسم ذات بھی ہے۔ پاکیزگی۔ ﴿وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَ اَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ﴾ (2/البقرہ:87) ''اور ہم نے دیں عیسیٰؑ بن مریم کو واضح نشانیاں اور ان کو تقویت دی پاکیزگی کی روح سے۔'' روح القدس حضرت جبریلؑ کا لقب ہے۔ انہی کو دوسرے مقام پر روح الامین بھی کہا گیا ہے۔

قُدُّوْسٌ صیغہ مبالغہ ہے۔ بہت پاک۔ بہت برکت والا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔ ﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ﴾ (59/الحشر:23) ''وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ حقیقی بادشاہ ہے، نہایت پاک ہے۔'' مولانا مودودیؒ اس آیت میں قُدُّوْسٌ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اصل میں لفظ قُدُّوْس استعمال ہوا ہے جو مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس کا مادہ قدس ہے۔ قدس کے معنی ہیں تمام بری صفات سے پاکیزہ اور منزّہ ہونا۔ اور قُدُّوس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس سے بدرجہا بالا و برتر ہے کہ اس کی ذات میں کوئی عیب، یا نقص، یا کوئی قبیح صفت پائی جائے۔ بلکہ وہ ایک پاکیزہ ترین ہستی ہے جس کے بارے میں کسی برائی کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔'' (تفہیم القرآن، ج ۵، ص ۴۱۳)

(تفعیل) تَقْدِيْسًا کسی کو معنوی نجاستوں سے پاک کرنا۔ اگر اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے اس کی پاکیزگی کا اقرار کرنا۔ اس کی مثال زیرِ مطالعہ آیت ہے۔

مُقَدَّسٌ اسم المفعول ہے۔ مذکر۔ پاک کیا ہوا۔ ﴿اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝﴾ (20/طٰہٰ:12) ''بے شک آپؑ پاک میدان طویٰ میں ہیں۔''

مُقَدَّسَةٌ اسم المفعول ہے۔ مؤنث۔ پاک کی ہوئی۔ ﴿يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ (5/المآئدہ:21) ''اے میری قوم تم لوگ داخل ہو جاؤ پاک کی ہوئی زمین میں جو اللہ نے لکھ دی ہے تمہارے لئے۔''

اَعْلَمُ اور تَعْلَمُوْنَ (ع ل م): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔

ترکیب 'وَ' استئنافیہ ہے اور اِذْ ظرف زمان ہے اس سے پہلے اُذْکُرْ یا اُذْکُرُوْا محذوف ہے۔ قَالَ فعل، رَبُّكَ فاعل اور لِلْمَلٰٓئِكَةِ متعلق فعل ہے۔ اگلا جملہ مقولہ ہے یعنی وہ بات جو کہی گئی۔ اس میں اِنِّیْ میں شامل یائے متکلم کی ضمیر اِنَّ کا اسم ہے۔ جَاعِلٌ خبر ہے جبکہ فِی الْاَرْضِ متعلق خبر ہے۔ جَاعِلٌ اسم الفاعل ہونے کے ساتھ فعل کا بھی کام کر رہا ہے۔ اور خَلِیْفَةً اس کا مفعول ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔ اگلے جملے میں قَالُوْا کا فاعل هُمْ کی ضمیر ہے جو فرشتوں کے لئے ہے اور تَجْعَلُ کا فاعل اس میں شامل اَنْتَ کی ضمیر ہے جو ربّ کے لئے ہے اور مَنْ اسم موصول ہے۔ یُفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ، یہ دونوں جملے مَنْ کا صلہ ہیں۔ اور صلہ اور موصول مل کر مفعول ہیں فعل تَجْعَلُ کا۔ فِیْهَا میں هَا کی ضمیر زمین کے لئے ہے۔ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ میں 'وَ' حالیہ ہے۔ نَحْنُ مبتدا ہے۔ نُسَبِّحُ جملہ فعلیہ اس کی خبر ہے۔ اور بِحَمْدِكَ، جار مجرور متعلق ہے نُسَبِّحُ کے۔ جملہ فعلیہ کو اگر جملہ اسمیہ میں تبدیل کیا جائے تو مبتدا پر زور دینا مقصود ہوتا ہے۔ وَنُقَدِّسُ میں 'وَ' عطف کا ہے اور نُقَدِّسُ عطف ہے نُسَبِّحُ پر۔ لَكَ جار مجرور متعلق ہے نُقَدِّسُ سے۔ قَالَ کا فاعل هُوَ کی ضمیر ہے جو ربّ کے لئے ہے۔ اَعْلَمُ مضارع میں واحد متکلم کا صیغہ ہے اور اسم موصول 'مَا' اس کا مفعول ہے۔ جملہ فعلیہ لَا تَعْلَمُوْنَ اس کا صلہ ہے۔ (واللہ اعلم)

ترجمہ
البقرۃ:30

وَاِذْ قَالَ	رَبُّكَ	لِلْمَلٰٓئِكَةِ	اِنِّیْ جَاعِلٌ	فِی الْاَرْضِ
اور (وہ وقت یاد کرو) جب کہا	تیرے رب نے	فرشتوں سے	کہ میں بنانے والا ہوں	زمین میں

خَلِیْفَةً ؕ	قَالُوْٓا	اَتَجْعَلُ فِیْهَا	مَنْ	یُّفْسِدُ فِیْهَا
ایک جانشین/ نائب	ان فرشتوں نے کہا	کیا تو بناتا ہے اس میں	اس کو جو	فساد کرے گا اس میں

وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ	وَ	نَحْنُ نُسَبِّحُ	بِحَمْدِكَ
اور بہائے گا خون	حالانکہ	ہم تسبیح کرتے ہیں	تیری حمد کے ساتھ

وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ	قَالَ	اِنِّیْٓ اَعْلَمُ	مَا
اور ہم تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں	اس (اللہ تعالیٰ) نے کہا	میں جانتا ہوں	وہ جو

لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾
تم لوگ نہیں جانتے

آیت: 31

﴿وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۱﴾﴾

عَلَّمَ (ع ل م): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔

ء	د	م

(س) اَدَمًا گندمی رنگ کا ہونا۔

اُدَمُ اَفْعَلُ الوان وعیوب کے وزن پر یہ دراصل اَءْ دَمُ تھا جو قاعدہ کے مطابق تبدیل ہوکر اُدَمُ بنا۔گندمی رنگ والا۔ حضرت آدمؑ کا نام ہے۔

اَلْاَسْمَآءَ(س م و): آیت بسم اللہ دیکھیں۔ کُلٌّ(ك ل ل): البقرۃ آیت 20 دیکھیں۔

ع ر ض

(ض) عَرْضًا پیش کرنا۔سامنے لانا۔ظاہر ہونا۔لغات القرآن کے مطابق یہ لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔(لغات القرآن، ج۴،ص ۲۷۳)۔﴿ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾(33/الاحزاب:72)''بیشک ہم نے پیش کیا اس امانت کو آسمانوں اور زمین پر۔''

عَارِضٌ اسم الفاعل ہے۔سامنے آنے والی چیز۔سامنے لانے والا۔پھر یہ لفظ بادل کے لیے استعمال ہوتا ہے۔بادل کو عارض یا تو اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اُفق آسمان پر ظاہر ہوکر چھا جاتا ہے یا اس لیے کہ بادل کا وجود قائم رہنے والا نہیں ہوتا اور جلد ختم ہو جاتا ہے۔صاحبؒ مترادفات القرآن کے مطابق عارض وہ بادل ہیں جو گاڑھے اور پھیلے ہوئے ہوں اور جن سے بوندا باندی بھی شروع ہوجائے۔(واللہ اعلم)۔﴿ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ﴾(46/الاحقاف:24)''ان لوگوں نے کہا یہ بادل ہے، برسے گا ہم پر۔''

عُرْضَةٌ اسم ذات ہے۔آڑ، رکاوٹ۔نشانہ، بہانہ۔﴿ وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ ﴾(2/البقرہ:224)''اور تم لوگ مت بناؤ اللہ کو نشانہ اپنی قسموں کیلئے۔''اس آیت مبارکہ میں عُرْضَةً کی دو تفسیریں کی گئی ہیں ایک یہ کہ کسی اچھے کام کو نہ کرنے کے لیے اللہ کی قسم مت کھایا کرو یعنی جب کسی سے کوئی اچھا کام کرنے کے لیے کہا جائے تو وہ اللہ کی قسم کو آڑ بنا لے کہ میں نے تو قسم کھالی ہے اب یہ کام نہیں کرسکتا۔دوسری تفسیر کے مطابق، اپنا مطلب نکالنے کے لیے بات بات پر اللہ کی قسم نہ کھایا کرو۔اس صورت میں اللہ کا نام تمہاری قسموں کا نشانہ بن جائے گا۔اور تم ہر وقت قسم کے ذریعے سے کام نکالنے کی فکر میں لگے رہو گے۔ اس تفسیر کے مطابق عُرْضَةً کا معنی نشانہ اور بہانہ ہوگا۔ (واللہ اعلم، تلخیص از لغات القرآن، ج۴،ص۲۷۶)

(س) عَرَضًا ناپائیدار ہونا۔عارضی ہونا۔جلد فنا ہوجانا۔

عَرَضٌ ہمیشہ نہ رہنے والی چیز۔ہر وہ چیز جو جلدی فنا ہوجائے۔عارضی سامان۔لفظ عَرَضٌ، جوہر کے مقابلے پر بولا جاتا ہے۔ جب جوہر کے مقابلے پر آئے تو مطلب ہوتا ہے ناپائیدار چیز، وہ چیز جس کا اپنا کوئی مستقل وجود نہ ہو۔اسی لیے بادل کو بھی عارض کہا جاتا ہے کیونکہ اس کا وجود قائم رہنے والا نہیں، جلد ختم ہو جاتا ہے۔دنیاوی مال کو عَرَضٌ سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ دنیاوی مال کتنا ہی کیوں نہ ہو وہ عارضی اور ناپائیدار ہوتا ہے۔﴿ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۗ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ﴾(8/الانفال:67)''تم لوگ چاہتے ہو دنیا کا عارضی سامان اور اللہ چاہتا ہے آخرت۔''

(ک) عَرَاضَةً چوڑا ہونا۔

عَرْضٌ اسم ذات ہے۔چوڑائی۔وسعت۔مولانا مودودیؒ عَرْضٌ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:''عربی زبان میں لفظ عرض صرف چوڑائی ہی کے لیے نہیں بولا جاتا جو طول کا مدمقابل ہے، بلکہ اسے مجرد وسعت کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔'' (تفہیم القرآن، ج۵،ص ۳۱۹)۔﴿ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ﴾(57/الحدید:21)''بازی لے جاؤ اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور جنت کی طرف، جس کی چوڑائی یا وسعت

زمین اور آسمان کی چوڑائی یا وسعت جیسی ہے۔''

عَرِیْضٌ فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ چوڑا۔ ﴿وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِیْضٍ ۝﴾ (41/حٰمٓ السجدۃ:51) ''اور جب چھوتی ہے اس کو تکلیف تو لمبی چوڑی دعا کرنے والا بن جاتا ہے۔'' قاضی شوکانیؒ فرماتے ہیں: ''عریض کے معنی کثیر کے ہیں، عرب طول وعرض کا استعمال مجازاً کثرت کے معنی میں کیا کرتے ہیں چنانچہ محاورہ ہے اَطَالَ فُلَانٌ فِی الْکَلَامِ وَ اَعْرَضَ فِی الدُّعَاءِ۔ یعنی فلاں نے کثرت سے باتیں کیں اور خوب دعائیں کیں۔'' (لغات القرآن، ج۴، ص۲۸۸)

(افعال) اِعْرَاضًا منہ موڑ لینا۔ توجہ نہ دینا۔ بے رخی برتنا۔ درگزر کرنا۔ ان معنوں میں عام طور پر اس کے ساتھ ''عَنْ'' کا صلہ آتا ہے۔ ﴿وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا﴾ (18/الکہف:57) ''اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس کو یاد دلائی جائیں اس کے رب کی آیات تو وہ بے رخی برتے ان سے۔'' ﴿سَیَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَیْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ﴾ (9/توبۃ:95) ''اب قسمیں کھائیں گے اللہ کی تمہارے سامنے جب تم پھر کر جاؤ گے اُن کی طرف تاکہ تم اُن سے درگزر کرو سو تم درگزر کرو اُن سے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''اعراض کا مادّہ آیت میں دوبار استعمال ہوا ہے۔ اور یہ دو مختلف معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ (۱) عفو و درگزر۔ اور (۲) قطع تعلق۔ لِتُعْرِضُوْا میں پہلا معنی مطلوب ہے اور فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ میں دوسرا معنی مقصود ہے۔'' اگر اس کے ساتھ ''عَلٰی'' کا صلہ آئے تو مطلب ہوتا ہے پیش کرنا۔ اگر اس کے ساتھ ''ل'' کا صلہ آئے تو مطلب ہوتا ہے سامنے آنا۔ اَعْرَضَ لِیْ وہ میرے سامنے آیا۔

مُعْرِضٌ ج: مُعْرِضُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ منہ پھیرنے والا۔ اعراض کرنے والا۔ ﴿ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْكُمْ وَ اَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝﴾ (2/البقرۃ:83) ''پھر تم نے منہ موڑ لیا سوائے تھوڑے سے تم میں سے اور تم لوگ ہو ہی منہ پھیرنے والے۔''

اَعْرِضْ فعل امر ہے۔ تو منہ پھیر لے۔ تو بے رخی کر۔ ﴿وَ اِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ (6/الانعام:68) ''اور جب آپؐ دیکھیں ان لوگوں کو جو عیب جوئی کرتے ہیں ہماری آیات میں تو آپؐ منہ پھیر لیں ان سے۔''

(تفعیل) تَعْرِیْضًا اشارے کنائے میں بات کرنا یعنی مبہم طور پر بغیر کھولے بات کرنا۔ ﴿وَ لَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ﴾ (2/البقرہ:235) ''اور کوئی گناہ نہیں تم پر اس میں جو تم اشارے کنائے میں پیغام دو خواتین کے نکاح کا۔''

اَلْمَلٰٓئِكَةِ (م ل ك): الفاتحہ آیت 3 دیکھیں۔ قَالَ (ق و ل): البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔

ن ب ء

(ف) نَبَاءً آہستہ آواز نکالنا۔ خبر دینا۔

نَبَأٌ ج: اَنْبَاءٌ۔ اسم ذات ہے۔ عظیم خبر۔ حقیقت۔ عربی زبان میں نَبَأٌ اس خبر کو کہتے ہیں جس میں مندرجہ ذیل خصوصیات ہوں۔ (1) وہ نہایت مفید ہو۔ (2) اس سے صحیح علم اور یقین حاصل ہو۔ (3) اور وہ جھوٹ سے پاک ہو۔ یہ تین چیزیں جب کسی خبر میں ہوں، تب وہ نَبَأٌ کہلاتی ہے۔ عربی میں غیر اہم خبر کو نَبَأٌ نہیں کہتے۔ ﴿قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِیْمٌ ۝ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ۝﴾ (38/صٓ:67-68) ''آپؐ کہیے یہ ایک عظیم خبر ہے۔ تم لوگ جس سے بے رخی برتنے

والے ہو''۔ ﴿ ذٰلِكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَيۡبِ نُوۡحِيۡهِ اِلَيۡكَ ﴾(3/آل عمران 44:)''یہ غیب کی خبروں میں سے ہے، ہم وحی کرتے ہیں اسکو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔''

(افعال) اِنۡبَآءً — کسی کو خبر دینا۔ بتا دینا۔ ﴿ فَلَمَّآ اَنۡۢبَاَهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ ﴾(2/البقرہ:33)''تو جب انہوںؑ نے بتا دیا ان کو ان چیزوں کے نام۔''

اَنۡۢبِئۡ — فعل امر ہے۔ تو بتا دے۔ ﴿ قَالَ يٰۤاٰدَمُ اَنۡۢبِئۡهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ ﴾(2/البقرہ:33)''اللہ تعالیٰ نے کہا اے آدمؑ آپؑ بتا دیجئے ان کو ان چیزوں کے نام۔''

(تفعیل) تَنۡبِيۡئًا — بتا دینا۔ جتا دینا۔ ﴿ قَدۡ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنۡ اَخۡبَارِكُمۡ ﴾(9/التوبۃ:94)''ہم کو بتا دی ہیں اللہ نے تمہاری خبریں۔''

نَبِّئۡ — فعل امر ہے۔ تو بتا دے۔ ﴿ نَبِّئۡ عِبَادِيۡۤ اَنِّيۡۤ اَنَا الۡغَفُوۡرُ الرَّحِيۡمُ ﴾(15/الحجر:49)''آپ صلی اللہ علیہ وسلم بتا دیجئے میرے بندوں کو کہ میں ہی غفور و رحیم ہوں۔''

(استفعال) اِسۡتِنۡبَآءً — کسی سے خبر پوچھنا۔ ﴿ وَيَسۡتَنۡۢبِـُٔوۡنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ﴾(10/یونس:53)''اور وہ آپؐ سے پوچھتے ہیں کہ کیا عذاب واقعی سچ ہے۔''

صٰدِقِيۡنَ (ص د ق): البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔

ترکیب

'وَ' استئنافیہ ہے اور عَلَّمَ کا فاعل اس میں شامل هُوَ کی ضمیر ہے جو رب کے لئے ہے، اٰدَمَ اس کا مفعول اوّل اور اَلۡاَسۡمَآءَ مفعول ثانی ہے۔ اَسۡمَآءَ دراصل مضاف تھا لیکن اس پر لام جنس آنے کی وجہ سے اس کا مضاف الیہ اَلۡاَشۡيَآءِ محذوف ہو گیا۔ كُلَّهَا لام جنس کی وضاحت اور تاکید کے لئے آیا ہے اور اَلۡاَسۡمَآءَ کا بدل ہے، اسی لئے كُلَّ حالتِ نصب میں ہے اور اس کے ساتھ هَا کی ضمیر اَلۡاَشۡيَآءِ کے لئے ہے۔

عَرَضَ کا فاعل بھی رب ہے اور اس کا مفعول هُمۡ کی ضمیر ہے اور عَلَى الۡمَلٰٓئِكَةِ متعلق فعل ہے۔ عَرَضَهُمۡ میں ''هُمۡ''، ضمیر کے متعلق مولانا عبد الماجدؒ فرماتے ہیں: ''سوال یہ ہے کہ کیا چیز اب فرشتوں کے سامنے پیش کی جا رہی ہے؟ اگر چیزوں کے محض نام مراد ہوتے تو لفظ قرآنی عرضھا ہوتا۔ ضمیر هُمۡ ذوی العقول کے لیے ہے اور غیر ذوی العقول ضمناً و تبعاً اس میں شامل ہو جائیں گے۔ یہ دلیل ہے اس پر کہ پیش صرف نام نہیں ہو رہے تھے بلکہ اصل موجودات۔ گویا پہلے صورت مثالی سے حضرت آدمؑ کو تمام مخلوقات کے نام اور خواص سے اطلاع بخشی گئی، پھر خود ان مخلوقات و موجودات کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا گیا''۔ اَنۡۢبِـُٔوۡا فعل امر ہے اور اس میں فاعل اَنۡتُمۡ کی ضمیر ہے جو کہ اَلۡمَلٰٓئِكَةِ کے لئے ہے اور اس کا مفعول نِيۡ کی ضمیر ہے جو کہ رب کے لئے ہے۔ بِاَسۡمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ میں اَسۡمَآءِ مضاف ہے اور بِ کی وجہ سے مجرور ہے۔ جبکہ هٰۤؤُلَآءِ مضاف/ مضاف الیہ ہے اور اس کے آگے اَلۡاَشۡيَآءِ محذوف ہے۔ یعنی بِاَسۡمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ الۡاَشۡيَآءِ۔ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ جملہ شرطیہ ہے۔ اس سے پہلے کا جملہ اس کا جواب شرط ہے۔ صٰدِقِيۡنَ، كَانَ کی خبر کی وجہ سے حالت نصب میں ہے۔ (واللہ اعلم)

ترجمہ	وَعَلَّمَ	اٰدَمَ	الۡاَسۡمَآءَ كُلَّهَا	ثُمَّ عَرَضَهُمۡ
البقرۃ:31	اور اس نے تعلیم دی	آدمؑ کو	تمام (چیزوں) کے ناموں کی	پھر اس نے پیش کیا ان کو

عَلَى الۡمَلٰٓئِكَةِ	فَقَالَ	اَنۡۢبِـُٔوۡنِيۡ	بِاَسۡمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ	اِنۡ كُنۡتُمۡ
فرشتوں پر	تو کہا	تم لوگ بتاؤ مجھ کو	ان (چیزوں) کے نام	اگر تم لوگ ہو

صٰدِقِيۡنَ ﴿31﴾
سچے

نوٹ۔1 جب ہم کسی شخص کا کوئی نام رکھتے ہیں، جیسے آصف یا جمیل وغیرہ، تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس شخص کو دوسرے انسانوں سے ممتاز کیا جائے تا کہ اس کی شناخت میں آسانی ہو۔ اسی مقصد کے تحت پالتو جانوروں کے بھی نام رکھے جاتے ہیں۔ یہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ ایسے اسماء کو اسم علَم کہتے ہیں۔

اب نوٹ کریں کہ اسم علم سے کسی کی شناخت میں تو آسانی ہوتی ہے لیکن نام والے کی خصوصیات کا علم نہیں ہوتا۔ مثلاً آصف سے ہم سمجھ جاتے ہیں کہ کس انسان کی بات ہو رہی ہے لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیسا انسان ہے؟ جبکہ اسماء جنس سے نام والے کی خصوصیات ذہن میں آتی ہیں۔ مثلاً انسان، گھوڑا، طوطا، درخت، پتھر وغیرہ۔ یہ سب اسمائے جنس ہیں۔ ان میں سے جس کا نام لیا جائے گا تو اس نام کے ساتھ اس جنس کی چیزوں کی خصوصیات بھی ذہن میں آتی ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اسم جنس کے علم کے بغیر اسم علم کی نہ تو ضرورت ہے اور نہ افادیت۔ اس حوالہ سے یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اسماء جنس کی تعلیم دی گئی تھی جس میں اشیاء کی خصوصیات (PROPERTIES OF MATTER) کی تعلیم ازخود شامل ہے۔ واللہ اعلم (از لطف الرحمٰن خان صاحب)

آیت: 32

﴿ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝۳۲ ﴾

قَالُوْا (ق و ل): البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ سُبْحٰنَكَ (س ب ح): البقرۃ آیت 30 دیکھیں۔
عِلْمٌ، عَلَّمْتَ، اَلْعَلِيْمُ (ع ل م): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔

ح ك م

(ن) حُكْمًا کسی چیز کا پختہ یا مضبوط ہونا۔ اس مفہوم کے ساتھ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً پختہ فیصلہ کرنا۔ حکم دینا۔ ﴿ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ (2/البقرہ:113) ''تو اللہ فیصلہ کرے گا ان کے درمیان قیامت کے دن۔''

اُحْكُمْ فعل امر ہے۔ تو فیصلہ کر۔ تو حکم دے۔ ﴿ اِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ ﴾ (5/المآئدہ:42) ''اور اگر آپؐ فیصلہ کریں تو آپ ﷺ فیصلہ کریں ان کے درمیان انصاف سے۔''

حَاكِمٌ ج: حَاكِمُوْنَ۔ حُكَّامٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ فیصلہ کرنے والا۔ حکم دینے والا۔ ﴿ وَ هُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝۸۷ ﴾ (7/الاعراف:87) ''اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔'' ﴿ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ ﴾ (2/البقرۃ:188) ''اور نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کا آپس میں ناحق اور نہ پہنچاؤ اُن کو حاکموں تک۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

حَكَمٌ حُكْمٌ سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ ماہر حاکم۔ صحیح فیصلہ کرنے والا منصف۔ واحد اور جمع سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''حَكَمٌ (منصف) ماہر حاکم کو کہا جاتا ہے۔ اس لیے اس میں لفظ حاکم سے زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے۔'' ﴿ فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ ﴾ (4/النساء:35) ''تو تم لوگ کھڑا کرو ایک منصف مرد کے گھر والوں سے اور ایک منصف عورت کے گھر والوں سے۔'' ﴿ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا ﴾ (6/الانعام:114) ''(آپؐ اُن سے پوچھیے) کیا اللہ کے سوا میں تلاش کروں کوئی اور منصف۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''حَكَمٌ اور حاکم کا ایک ہی معنی ہے فیصلہ کرنے والا۔ لیکن فرق یہ ہے کہ حاکم ہر فیصلہ کرنے والے کو کہتے ہیں صحیح کرے یا غلط۔ لیکن حَكَمٌ صرف صحیح فیصلہ کرنے والے کو کہتے ہیں۔'' (ضیاء القرآن، ج ۱، ص ۵۹۴)

اَحْكَمُ اَفْعَلُ التَّفْضِيْل ہے۔ زیادہ پختہ فیصلہ کرنے والا۔ ﴿ وَ اَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ۝۴۵ ﴾ (11/ھود:45) ''اور تو فیصلہ کرنے والوں میں سب سے پختہ فیصلہ کرنے والا ہے۔''

حُكْمٌ اسم ذات ہے اور قرآن مجید میں مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

(1) پختہ فیصلہ، حکم۔ ﴿وَّ لَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا﴾ (18/الکہف:26) ''اور وہ شریک نہیں کرتا اپنے فیصلے میں کسی ایک کو بھی۔''

(2) حکمت۔ حُكْمٌ کا لفظ حکمت کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''ہر حکمت کو حکم کہہ سکتے ہیں لیکن ہر حکم کو حکمت نہیں۔'' قرآن مجید میں کئی آیات میں حُكْمٌ کا ترجمہ ''حکمت'' سے کیا گیا ہے مثلاً: ﴿مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ﴾ (3/آل عمران:79) ''کسی بشر سے یہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ تو اُسے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کرے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ﴾ (6/الانعام:89) ''یہ تو وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کی تھی۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ وغیرہ۔ اور حدیث میں فرمایا گیا: ''اَلصَّمْتُ حُكْمٌ وَ قَلِيْلٌ فَاعِلُهٗ'' ''خاموشی حکمت ہے لیکن تھوڑے لوگ اس پر عمل کرتے ہیں۔''

(3) دنیاوی حکومت اور اقتدار۔ ﴿وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا﴾ (12/یوسف:22) ''اور جب وہ اپنی پختگی کو پہنچے ہم نے اُنہیں حکومت اور علم عطا فرمایا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجدؒ فرماتے ہیں: ''حکم سے عام طور پر دنیوی قوت واقتدار اور علم سے مراد نبوت لی گئی ہے۔''

(4) سمجھ بوجھ، فہم، وحی، نبوت۔ ﴿يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَ اٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا﴾ (19/مریم:12) ''اے یحییٰؑ کتاب کو مضبوط پکڑو اور ہم نے اُن کو لڑکپن ہی میں سمجھ دے دی تھی۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجدؒ فرماتے ہیں: ''حکم کے معنی نبوت بھی ہو سکتے ہیں اور حکمت، شریعت، عقل وفہم بھی۔ بہرحال حکم کے تحت میں علمی و ذہنی کمالات آ گئے۔'' آگے لکھتے ہیں: ''فقیہ جلیل ابن العربی مالکیؒ نے لکھا ہے کہ حکم کے یہاں تین معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک وحی دوسرے نبوت، تیسرے اس کی معرفت اور اس پر عمل اور یہ تینوں معنی درست ہو سکتے ہیں، صغرسنی میں نزول وحی اور مکاشفہ ملائکہ جائز ہیں۔'' (احکام القرآن، بحوالہ تفسیر ماجدیؒ، ۶۵۱)

حِكْمَةٌ اسم ذات ہے۔ دانائی۔ صحیح بصیرت۔ صحیح قوتِ فیصلہ۔ حکمت کہتے ہیں عقل اور تفقُّہ کی اس پختگی کو جس سے انسان درست نتیجے یا صحیح رائے تک پہنچ جائے اور معاملات کا فیصلہ حق کے مطابق کرے۔ جس طرح معاملات کا فیصلہ حق کے مطابق کرنا، حکمت کے ثمرات میں سے ہے اسی طرح اخلاق کی پاکیزگی اور تہذیب بھی اس کے ثمرات میں سے ہے۔ چنانچہ اہل عرب حکمت کا لفظ انسان کی اس قوت وصلاحیت کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں جو عقل و رائے کی پختگی اور شرافت و اخلاق کی جامع ہوتی ہے۔ ﴿يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ﴾ (2/البقرہ:269) ''وہ عطا کرتا ہے دانائی جس کو وہ چاہتا ہے۔'' ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ ؕ﴾ (2/البقرۃ:129) ''اور اے ربّ، ان لوگوں میں خود اِنہی کی قوم سے ایک رسول اٹھائیو، جو انہیں تیری آیات سنائے، ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کو پاک صاف کرے۔'' اس آیت مبارکہ میں تعلیم حکمت کے معنی پر مولانا امین احسن اصلاحیؒ فرماتے ہیں: ''یہاں یہ امر ملحوظ رکھنا چاہیے کہ حکمت چونکہ حکیمانہ بات کو بھی کہتے ہیں اور حکیمانہ بات کہنے کی صلاحیت کو بھی، اس وجہ سے تعلیم حکمت کے معنی جس طرح کسی کو کوئی حکیمانہ بات بتا دینے کے ہیں اسی طرح اس کے معنی لوگوں کے اندر حکمت کی صفت وصلاحیت پیدا کرنے کے بھی ہیں۔'' (تدبر قرآن، ج ۱، ص ۳۴۱) اور اسی آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''حکمت کہتے ہیں وَضْعُ الْاَشْيَاءِ عَلٰى مَوَاضِعِهَا۔ ہر چیز کو اپنے محل اور موقع پر رکھنا۔

یہاں الحکمۃ کا لفظ جو مذکور ہے اس سے مراد احکامِ قرآنی کی ایسی تفصیل اور ان کا ایسا بیان ہے جسے جاننے کے بعد انسان ان احکام کی ایسی تعمیل کر سکے جیسے قرآن نازل کرنے والے خدا کا منشا ہے۔ اور نبی کے فرائض میں صرف یہی نہیں کہ قرآن سکھا دے بلکہ اس کا صحیح بیان اور تفصیل بھی سکھائے تا کہ قرآن پر اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق عمل ہو سکے اور اسی حکمت یعنی بیان قرآن کو سنت نبویؐ کہا جاتا ہے۔'' (ضیاء القرآن، ج۱،ص۹۵)۔ مفتی محمد شفیعؒ حکمت کے لفظ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں: ''حکمت کا لفظ قرآنِ پاک میں کئی مرتبہ آیا ہے اور ہر جگہ اس کی تفسیر میں مختلف معنی بیان کیے گئے ہیں۔ جو کہ سب ٹھیک ہیں صرف تعبیرات کا فرق ہے۔ تفسیر بحر محیط میں ہے وَالْحِكْمَةُ وَضْعُ الْاُمُوْرِ فِيْ مَحَلِّهَا عَلَى الصَّوَابِ وَ كَمَالُ ذٰلِكَ اِنَّمَا يَحْصُلُ بِالنُّبُوَّةِ۔ یعنی حکمت کے اصل معنی ہر شے کو اس کے صحیح محل (جگہ) میں رکھنے کے ہیں اور اس کا کمال صرف نبوت سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اس مفہوم کی تعبیریں مختلف الفاظ میں کی گئی ہیں۔ مثلاً قرآن، حدیث وسنت، نبوت، عمل صالح، صحیح علم، عقل سلیم، تفقہ فی الدین اور کہیں خشیت الٰہی۔ آخری معنوں میں تو خود حدیث شریف میں فرمایا: رَأْسُ الْحِكْمَةِ خَشْيَةُ اللهِ۔ یعنی اصل حکمت اللہ سے ڈرنا ہے۔ بہرحال حکمت سے مراد یہ سب چیزیں ہیں اور ظاہر یہی قول ہے۔ اور آیت کریمہ ﴿وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾ سے بھی اس کی طرف اشارہ نکلتا ہے۔ (واللہ اعلم)۔ (معاف القرآن، ج۱،ص۶۴۱، ملخصًا)۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حکمت بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کی گئی۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ﴾ (2/البقرۃ:231) ''اور یاد کرو اللہ کا احسان جو تم پر ہے اور اُس کو کہ جو اتاری تم پر کتاب اور علم کی باتیں کہ تم کو نصیحت کرتا ہے اُس کے ساتھ۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿وَ اَنْزَلَ اللهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ﴾ (4/النساء:113) ''اور اللہ نے اتاری تجھ پر کتاب اور حکمت۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

حَكِيْمٌ فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ دانا۔ حکمت والا۔ ﴿اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝﴾ (6/الانعام:83) ''بیشک تیرا رب دانا علم والا ہے۔''

(افعال) اِحْكَامًا کسی چیز کو یوں پختہ کرنا کہ اُس میں نقص کا گمان تک نہ رہے۔ مضبوط کرنا۔ ﴿كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ﴾ (11/ھود:1) ''یہ ایک کتاب ہے، پختہ کیا گیا اس کی آیات کو۔''

مُحْكَمٌ اسم المفعول ہے۔ مذکر۔ مضبوط یا پختہ کیا ہوا۔

مُحْكَمَةٌ ج: مُحْكَمَاتٌ۔ اسم المفعول ہے۔ مؤنث۔ مضبوط یا پختہ کی ہوئی۔ ﴿فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ﴾ (47/محمد:20) ''پھر جب کوئی صاف مطلب والی سورت نازل کی جاتی ہے۔'' ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ﴾ (3/آل عمران:7) ''وہ ہے جس نے نازل کی آپ ﷺ پر کتاب، اس میں ہیں پختہ کی ہوئی آیات۔'' اس آیت کے تحت صاحبؒ ضیاء القرآن فرماتے ہیں: ''محکم کی تعریف امام راغبؒ نے یہ کی ہے فَالْمُحْكَمُ مَا لَا يَعْرِضُ فِيْهِ شُبْهَةٌ مِّنْ حَيْثُ اللَّفْظِ وَلَا مِنْ حَيْثُ الْمَعْنٰى (مفردات) محکم آیت وہ ہے جس کا مفہوم واضح اور بیّن ہو اس کے لفظ یا معنی کے اعتبار سے اس پر کسی قسم کا شبہ نہ وارد ہو سکتا ہو۔'' (ضیاء القرآن، ج۱،ص۲۰۹)۔ اصطلاح شرع میں محکم بمقابلہ منسوخ استعمال ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

(تفعیل) تَحْكِيْمًا کسی کو حاکم تسلیم کرنا۔ ﴿فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ (4/النساء:65) ''پس نہیں! آپ ﷺ کے رب کی قسم، وہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ وہ آپ ﷺ کو حاکم تسلیم کریں اس میں جس میں جھگڑتے ہیں باہم۔''

(تفاعل) تَحَاكُمًا باہمی جھگڑے کو کسی حاکم کے پاس فیصلے کے لیے لے جانا۔ ﴿يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ﴾ (4/النساء: 60) ''وہ لوگ چاہتے ہیں کہ فیصلے کیلئے جائیں طاغوت کے پاس۔''

ترکیب قَالُوْا کا فاعل اس میں شامل هُمْ کی ضمیر ہے جو گذشتہ آیت میں اَلْمَلٰٓئِكَةِ کے لئے ہے۔ سُبْحٰنَكَ سے پہلے فعل محذوف ہے جو کہ نُسَبِّحُ ہوسکتا ہے اور سُبْحَانَ اس کا مفعول مطلق ہے اور ضمیر كَ اس کا مضاف الیہ ہے۔ لَا عِلْمَ میں 'لا' لائے نفی جنس ہے اور عِلْمَ اس کا اسم ہے۔ اسی لئے عِلْمَ تنوین کے بغیر نصب میں ہے۔ لَنَا متعلق ہے محذوف خبر کے۔ آگے اِلَّا حرف استثناء ہے اور 'مَا' اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ عَلَّمْتَنَا اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مستثنیٰ ہیں۔ ان کو لَا عِلْمَ کا بدل بھی مانا گیا ہے۔ اِنَّكَ میں ضمیر كَ اِنَّ کا اسم ہے۔ اِنَّ اپنے اسم کو نصب دیتا ہے اس لئے ضمیر مرفوعہ اَنْتَ کے بجائے ضمیر منصوبہ كَ آئی ہے۔ اَنْتَ ضمیر فاصل ہے اور تاکید کے لیے ہے۔ اَلْعَلِيْمُ خبر اوّل ہے اِنَّ کی اور اَلْحَكِيْمُ خبر ثانی ہے اِنَّ کی۔ (واللہ اعلم)۔

ترجمہ
البقرۃ:32

قَالُوْا	سُبْحٰنَكَ	لَا عِلْمَ لَنَآ	اِلَّا مَا
اُن (فرشتوں) نے کہا	تو پاک ہے (ہر عیب سے)	ہمیں کوئی علم ہے ہی نہیں	مگر جو

عَلَّمْتَنَا ؕ	اِنَّكَ اَنْتَ	الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾
تو نے سکھایا ہم کو	بیشک تو ہی	جاننے والا، دانا ہے

آیت: 33

﴿قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾﴾

قَالَ اور متعلقہ صیغے (ق و ل): البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ اٰدَمُ (ء د م): البقرۃ آیت 31 دیکھیں۔
اَنْۢبِئْ اور اَنْۢبَاَ (ن ب ء): البقرۃ آیت 31 دیکھیں۔ اَسْمَآءٌ (س م و): آیت بسم اللہ دیکھیں۔ لَمَّا: البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔
اَعْلَمُ (ع ل م): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ غَيْبَ (غ ی ب): البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ سَمٰوٰتِ (س م و): آیت بسم اللہ دیکھیں۔
اَلْاَرْضِ (ء ر ض): البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔

ب د و

(ن) بَدْوًا، بَدَاءً اور بَدَاوَةً (1) کسی چیز کا ظاہر ہونا۔ (2) صحرا میں رہنا (عمارت وغیرہ کی رکاوٹ نہ ہونے کی وجہ سے صحرا میں ہر چیز ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ صحرا میں رہنا بھی ظاہر ہونے کے مترادف ہے)۔ اس کی ضد حَضَارَة ہے ایک دیہاتی صحابی زاہرؓ کے بارے میں رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا ہے: ''هُوَ بَادِيَتُنَا وَنَحْنُ حَاضِرُوْهُ۔ زاہر ہمارا دیہاتی یا صحرائی (دوست) ہے اور ہم اس کے شہری (دوست) ہیں۔''

(1) ﴿بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ﴾ (6/الانعام:28) ''بلکہ ظاہر ہوا ان کے لئے وہ جو وہ لوگ چھپاتے تھے اس سے پہلے۔'' (2) دوسرے مفہوم میں فعل استعمال نہیں ہوا۔

بَادٍ ج: بَادُوْنَ۔ فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔صحرا میں رہنے والا۔صحرانشین ۔﴿وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِیْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ِالْعَاكِفُ فِیْهِ وَ الْبَادِ ؕ﴾(22/الحج:25)''اور مسجد حرام جس کو بنایا ہم نے لوگوں کیلئے برابر ہے اس میں رہنے والا اور باہر سے آنے والا۔''﴿وَ اِنْ یَّاْتِ الْاَحْزَابُ یَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِی الْاَعْرَابِ﴾(33/الاحزاب:20)''اور اگر آجاتے لشکر تو وہ لوگ آرزو کرتے کہ کاش وہ لوگ صحرانشین ہوتے دیہاتوں میں۔''

بَدْوٌ اسم ذات ہے۔صحرا۔ دیہات۔ ہر وہ مقام جہاں کی سب چیزیں ظاہر ہوں بَدْوٌ کہلاتا ہے۔﴿وَ جَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ﴾(12/یوسف:100)''اور وہ یعنی اللہ تعالیٰ لایا تم لوگوں کو صحرا سے۔''

(افعال) اِبْدَاءً ظاہر کرنا۔﴿قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ یَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ﴾(3/آل عمران:29)''آپ ﷺ کہیے اگر تم لوگ خفیہ رکھو اس کو جو تمہارے سینوں میں ہے یا ظاہر کرو اس کو، جانتا ہے اس کو اللہ۔''

مُبْدٍ اسم الفاعل ہے۔ظاہر کرنے والا۔﴿وَ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ﴾(33/الاحزاب:37)''اور تم خفیہ رکھتے ہو اپنے جی میں وہ جو اللہ ظاہر کرنے والا ہے۔''

كُنْتُمْ (ك و ن): البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔

ك ت م

(ن) كِتْمَانًا کوئی بات یا چیز چھپانا۔''کتمان کا اطلاق اس اخفاء (چھپانے) پر ہوتا ہے جو قصداً کیا جائے اور اس موقع پر جہاں اظہار ضروری ہو۔'' (ماجدیؒ)۔گویا حق بات کو جان بوجھ کر چھپانے کے لیے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔﴿وَ اِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝﴾(2/البقرہ:146)''اور بیشک ایک فریق ہے ان میں، وہ لوگ چھپاتے ہیں حق کو اس حال میں کہ وہ جانتے ہیں۔''

ترکیب قَالَ کا فاعل اس میں شامل هُوَ کہ ضمیر ہے جو رب کے لئے ہے۔یَا حرف ندا ہے اور اٰدَمُ ، مُنَادٰی۔ اَنْۢبِئْهُمْ میں اَنْبِئْ فعل امر ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل اَنْتَ کی ضمیر ہے جو حضرت آدمؑ کے لیے ہے۔اور هُمْ ضمیر مفعولی، فرشتوں کے لئے ہے۔آگے بِاَسْمَآىِٕهِمْ متعلق فعل ہے۔اور یہ هِمْ ضمیر اشیاء کے لئے ہے۔اشیاء میں چونکہ عاقل اور غیر عاقل تمام مخلوقات شامل تھیں۔اس لئے اشیاء کے لئے هَا کے بجائے هُمْ ضمیر عاقل مخلوقات کی رعایت سے آئی ہے۔فَلَمَّا میں لَمَّا حرف شرط ہے جو ماضی کے دو جملوں پر آتا ہے یہاں جملہ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ جملہ شرطیہ ہے اور قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ سے لے کر اخیر تک جواب شرط ہے۔ اَنْۢبَاَهُمْ میں اَنْبَاَ کی ضمیر فاعلی حضرت آدمؑ کے لیے ہے اور هُمْ ضمیر مفعولی، فرشتوں کے لیے ہے۔ بِاَسْمَآىِٕهِمْ متعلق فعل ہے۔ قَالَ کی ضمیر فاعلی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔آگے اَ۔استفہامیہ ہے اور لَمْ جوازم مضارع میں سے ہے اور اَقُلْ مضارع مجزوم ہے۔ لَكُمْ متعلق فعل ہے۔ اِنِّیْ میں یْ ضمیر اِنَّ کا اسم ہے اور اگلا جملہ اِنَّ کی خبر ہے۔اس میں اَعْلَمُ مضارع کا واحد متکلم کا صیغہ ہے اور غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اس کا مفعول ہے۔ 'و' عطف کا ہے۔ اَعْلَمُ ۔مضارع کا واحد متکلم کا صیغہ ہے۔ 'مَا' اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ تُبْدُوْنَ اس کا صلہ ہے اور صلہ اور موصول مل کر مفعول ہے اَعْلَمُ کا آگے 'و' عطف کا ہے اور 'مَا' اسم موصول ہے كُنْتُمْ میں كَانَ کا اسم اِس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ ہے اور جملہ فعلیہ تَكْتُمُوْنَ، كَانَ کی خبر ہے اور یہ جملہ صلہ ہے 'مَا' کا اور اسم موصول اور صلہ عطف ہے جملہ ماقبل پر۔(واللہ اعلم)۔

ترجمہ
البقرۃ:33

قَالَ	يٰٓاٰدَمُ	اَنْۢبِئْهُمْ	بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۚ	فَلَمَّآ	اَنْۢبَاَهُمْ
اس (اللہ تعالیٰ) نے کہا	اے آدمؑ	آپؑ بتائیں ان (فرشتوں) کو	ان (چیزوں) کے نام	تو جب	انہوںؑ نے بتایا ان (فرشتوں) کو

بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۙ	قَالَ	اَلَمْ اَقُلْ	لَّكُمْ	اِنِّيْٓ اَعْلَمُ
ان (چیزوں) کے نام	اس (اللہ تعالیٰ) نے کہا	کیا میں نے نہیں کہا تھا	تم سے	کہ یقیناً میں جانتا ہوں

غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ	وَاَعْلَمُ	مَا	تُبْدُوْنَ
آسمانوں اور زمین کے غیب کو	اور میں جانتا ہوں	وہ جو	تم لوگ ظاہر کرتے ہو

وَمَا	كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝۳۳
اور وہ جو	تم لوگ چھپایا کرتے ہو

آیت:34

﴿ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۡ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۳۴ ﴾

اِذْ: البقرۃ آیت 30 دیکھیں۔ قُلْنَا (ق و ل): البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ اَلْمَلٰٓئِكَةُ (م ل ك): الفاتحہ آیت 3 دیکھیں۔

س ج د

(ن) سُجُوْدًا

اس کے لفظی معنی ہیں جھکنا اور عاجزی اختیار کرنا۔ جھکنے کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں۔ کسی کے سامنے تعظیماً کمر کو خم دے کر سر کو جھکا دینا بھی جھکنا ہے، جیسے رکوع میں ہوتا ہے اور پیشانی اور ناک کو زمین پر رکھ دینا بھی جھکنا ہے، جسے سجدہ کہتے ہیں اور یہ جھکنے کی انتہا ہے۔ اصطلاح شرع میں اس سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی عظمت کے اعتراف میں، اس کی عبادت کی خاطر ناک اور پیشانی کو زمین پر رکھ دینا۔ سجدہ کرنا۔ نماز کا ایک اہم رکن ہے۔ ﴿ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝۳۰ ﴾ (15/الحجر:30) ''چنانچہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔'' ﴿ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ ﴾ (7/الاعراف:12) ''کس چیز نے منع کیا تجھ کو کہ تو سجدہ نہ کرے جب میں نے حکم دیا تجھ کو۔'' سجدہ کرنا کسی کی تعظیم کے لیے بھی ہوسکتا ہے، جسے سجدۂ تعظیمی کہتے ہیں اور کسی کی عبادت کرنے کے لیے بھی جسے سجدۂ عبادت کہتے ہیں۔ سجدۂ تعظیمی، پہلے انبیاء کی شریعت میں بڑوں کی تعظیم کے لیے جائز تھا۔ ہماری شریعت مطہرہ میں یہ حرام ہے (نہ صرف سجدہ تعظیمی، بلکہ غیر اللہ کے لیے رکوع اور بہیئت نماز ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کو بھی ناجائز قرار دیا گیا ہے)۔ ہماری شریعت میں صرف سجدۂ عبادت ہے اور وہ بھی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے۔ لغوی معنی کے لحاظ سے قرآن مجید میں یہ لفظ ساری مخلوق پر بھی بولا گیا ہے۔ مثلاً: ﴿ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ﴾ (22/الحج:18) ''کیا تو نے دیکھا نہیں کہ اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہیں سب، آسمانوں میں اور سب، زمین میں۔'' جس کو سجدہ کیا جائے اس پر ''لام'' کا صلہ آتا ہے۔ اس نے اللہ کو سجدہ کیا، اس جملے کی عربی سَجَدَ اللّٰهَ کرنا غلط ہے۔ صحیح عربی ہوگی سَجَدَ لِلّٰهِ (واللہ اعلم)۔

سَجْدَةٌ ج: سُجُوْدٌ۔ اسم ذات ہے۔ سجدہ۔ ﴿ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ﴾ (48/الفتح:29) ''ان کی علامت ان کے چہروں پر ہے سجدوں کے اثر سے۔''

اُسْجُدْ ج:اُسْجُدُوْا۔فعل امر ہے۔توسجدہ کو۔﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَ اسْجُدُوْا وَ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ ﴾(22/الحج:77) ''اے ایمان والوتم رکوع کرواور سجدہ کرواور بندگی کرواپنے رب کی۔''

سَاجِدٌ ج:سَاجِدُوْنَ،سُجَّدٌاورسُجُوْدٌ۔اسم الفاعل ہے۔سجدہ کرنے والا۔﴿ اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّیْلِ سَاجِدًا وَّ قَآىِٕمًا یَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَ یَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ ﴾(39/الزمر:9)''بھلا جوشخص راتوں کے اوقات سجدے اور قیام کی حالت میں عبادت میں گزارتا ہو، آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے رب کی رحمت کی اُمید رکھتا ہو۔''﴿ السّٰٓىِٕحُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾(9/التوبۃ:112)''سجدہ کرنے والے،حکم دینے والے بھلائی کا۔'' ﴿ وَ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا ﴾(2/البقرہ:58)''اورتم لوگ داخل ہودروازے میں سجدہ کرنے والوں کی حالت میں۔''﴿ وَ الْعٰكِفِیْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴾(2/البقرۃ:125)''اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لیے۔''(نوٹ:سُجُوْدٌمصدربھی ہے مطلب ہے جھکنا،یہ سِجْدَةٌ کی جمع بھی ہے مطلب ہے سجدےاور سَاجِدٌ کی جمع بھی ہے مطلب ہے سجدے کرنے والے۔واللہ اعلم)۔

مَسْجِدٌ ج:مَسَاجِدُ۔ اسم ظرف مکان بھی ہےاوراسم ظرف زمان بھی۔ چنانچہ اس کا مطلب سجدہ کرنے کی جگہ کے بھی ہیں اور سجدہ کرنے کے وقت،یعنی نماز کے وقت کے بھی ہیں۔مسجد کے معنیٰ بطورظرف مکان کےتو جانے پہچانے ہیں ہی،قرآن مجید میں یہ لفظ بطورظرف زمان بھی استعمال ہوا ہے، چنانچہ فرمایا:﴿ وَ اَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ﴾ (7/الاعراف:29)''اورتم ہرسجدہ کے وقت اپنا رخ سیدھا رکھا کرو۔''(ترجمہ ماجدیؒ) اس آیت کی حاشیے میں مولانا عبدالماجدؒفرماتے ہیں:''مسجدظرف زمان ومکان دونوں ہے۔معنی سجدہ کے وقت کے بھی ہیں اورسجدہ کی جگہ کے بھی۔ یہاں مراد اوّل الذکر یعنی سجدہ کے وقت سے لی گئی ہے۔'' ﴿ وَ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴾(72/الجن:18)''اور یہ کہ مسجدیں اللہ کے لئے ہیں پس تم لوگ مت پکارو اللہ کے ساتھ کسی ایک کو بھی۔''بعض علماء کے نزدیک مساجد اسم آلہ کی جمع ہے بمعنی سجدے کے آلہ و ذریعہ بننے والے اعضاء یعنی پیشانی، ناک، دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں، دونوں زانو۔(واللہ اعلم)۔

اٰدَمُ (ء د م):البقرۃ آیت 31 دیکھیں۔

اِلَّا مگر،سوائے۔ یہ حرف استثناء ہے۔نحو کی اصطلاح میں استثناء سے مراد ہے کہ حرف استثناء کے ماقبل کے جملے میں جوحکم ہے(نفی یا اثبات)اِس حکم سے مابعدکوخارج کردینا یعنی یہ بتلانا کہ مابعدکاحکم ماقبل کے خلاف ہے۔

کسی کلام میں جب اِلَّا کے ذریعے استثناء کیا جاتا ہےتواس کے کچھ قواعد ہیں۔انہیں سمجھنے سے پہلے دواصطلاحات سمجھ لیں۔ہم کہتے ہیں''پوری قوم آئی سوائے زید کے''۔اس میں زیدکوقوم سے الگ کیا گیا ہے۔اب نوٹ کرلیں کہ جس سے کسی کوالگ کیا جاتا ہےاسے مستثنیٰ منہ کہتے ہیں اورجس کوالگ کیا جاتا ہےاسے مستثنیٰ کہتے ہیں۔چنانچہ مذکورہ جملے میں قوم مستثنیٰ منہ ہےاورزید مستثنیٰ ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مستثنیٰ منہ اور مستثنیٰ ایک ہی جنس کے ہوں تواسے مستثنیٰ متصل کہتے ہیں۔جیسے مذکورہ جملے میں قوم اورزید کی جنس ایک ہی ہےاس لئے یہ مستثنیٰ متصل کی مثال ہے۔لیکن اگرہم کہیں تمام گھوڑے آئے سوائے گدھے کے،تواس میں مستثنیٰ منہ گھوڑے کی جنس الگ ہےاورمستثنیٰ گدھے کی جنس الگ ہے۔اسے مستثنیٰ منقطع کہتے ہیں اب قواعدنوٹ کریں۔

(۱) مستثنیٰ متصل میں اگرکلام مثبت ہو(یعنی نفی اوراستفہام نہ ہو)اورمستثنیٰ منہ (جوکہ اِلَّا سے پہلے ہوگا)مذکورہوتومستثنیٰ ہمیشہ حالت نصب میں ہوگا۔مثلاً جَاءَ الْقَوْمُ اِلَّا زَیْدًا۔ اس میں کلام مثبت ہےاورمستثنیٰ منہ ''اَلْقَوْمُ'' مذکورہےاس لئےمستثنیٰ زَیْدًا حالت نصب میں آیا ہے۔

(۲) مستثنیٰ متصل میں اگرکلام منفی ہواورمستثنیٰ منہ مذکورہوتوایسی صورت میں مستثنیٰ کوحالت نصب میں بھی لاسکتے ہیں اور جملے میں اس کی حالت کے

مطابق اعراب بھی لگا سکتے ہیں۔مثلاً مَاجَاءَ الْقَوْمُ اِلَّا زَیْدًا بھی درست ہے اور چونکہ اس جملے میں زید فاعل ہے اس لئے اِلَّا زَیْدٌ بھی درست ہے۔

(۳) مستثنیٰ متصل میں اگر کلام منفی ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو تو پھر اِلَّا کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور مستثنیٰ پر اعراب جملے میں اس کی حالت میں مطابق لگایا جاتا ہے جیسے مَاجَاءَ اِلَّا زَیْدٌ -اس میں زَیْدٌ فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور مَاضَرَبْتُ اِلَّا زَیْدًا میں زَیْدًا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

(۴) مستثنیٰ منقطع میں جس کو مستثنیٰ کیا جاتا ہے وہ حالت نصب میں آتا ہے۔غَیْرُ اور سِوٰی بھی استثناء کے لیے استعمال ہوتے ہیں لیکن ان کا مستثنیٰ مجرور ہوتا ہے۔مزید تفصیل کے لیے عربی کا معلم، حصہ سوم، صفحہ ۱۱۴ دیکھیں۔(نوٹ: کبھی اِلَّا، اِنْ شرطیہ اور لَا نافیہ کا مرکب ہوتا ہے جیسے فرمایا: ﴿وَ اِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَ تَرْحَمْنِیْۤ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝۴۷﴾ (11/ھود:47) ''اور اگر تو نے مجھے نہ بخشا اور تو نے مجھ پر رحم نہ کیا تو میں خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔'')

ب ل س

(افعال) اِبْلَاسًا سخت نا امیدی کے باعث غمگین ہونا۔مایوس ہونا۔ثلاثی مجرد سے یہ مادہ استعمال نہیں ہوتا۔تفہیم القرآن میں اِس لفظ کی وضاحت یوں کی گئی ہے: ''بَلَس اور اِبْلَاس کا لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔حیرت کی وجہ سے دنگ ہو کر رہ جانا۔خوف اور دہشت کے مارے دم بخود ہو جانا۔رنج و غم کے مارے دل شکستہ ہو جانا۔ہر طرف سے نا امید ہو کر ہمت توڑ بیٹھنا۔اور اسی کا ایک پہلو مایوسی و نامرادی کی وجہ سے برافروختہ (Desperate) ہو جانا بھی ہے جس کی بنا پر شیطان کا نام ابلیس رکھا گیا ہے۔'' (تفہیم القرآن، ج ۳، ص ۲۹۴)۔صاحبؒ تدبر قرآن فرماتے ہیں: ''اَبْلَسَ کے معنی غمگین ہونے، انکار کرنے اور مایوس ہونے کے ہیں۔'' ﴿وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۱۲﴾ (30/الروم:12) ''اور جس دن قائم ہوگی وہ گھڑی یعنی قیامت تو شدید مایوس و غمگین ہوں گے مجرم لوگ۔''

مُبْلِسٌ اسم الفاعل ہے۔مایوس و غمگین ہونے والا۔﴿اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۝۷۴ لَا یُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَ هُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ ۝۷۵﴾ (43/الزخرف:74-75) ''بیشک مجرم لوگ جہنم کے عذاب میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، وہ نرم نہیں کیا جائے گا ان سے اور وہ لوگ اس میں شدید مایوس و غمگین ہوں گے۔''

اِبْلِیْسُ اِفْعِیْلٌ کے وزن پر اسم صفت ہے۔مایوس و غمگین۔قرآن مجید میں ایک جن، شیطان کے اسم عَلَم کے طور پر استعمال ہوا ہے۔(ماجدیؒ)۔﴿یٰۤاِبْلِیْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ۝۳۲﴾ (15/الحجر:32) ''اے ابلیس تجھے کیا ہوا کہ تو نہ ہوا سجدہ کرنے والوں کے ساتھ۔''

ء ب ی

(ف) اِبَاءً سختی سے انکار کرنا۔﴿یُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ تَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ﴾ (9/التوبۃ:8) ''وہ لوگ راضی کرتے ہیں تم لوگوں کو اپنے منہ سے اور انکار کرتے ہیں ان کے دل۔'' حدیث شریف میں ہے: ''كُلُّكُمْ فِی الْجَنَّةِ اِلَّا مَنْ اَبٰی'' ''تم سب جنتی ہو مگر وہ شخص جس نے (اطاعت الٰہی سے) انکار کیا۔'' (بخاری)

ك ب ر

عربی زبان میں جس لفظ کا مادہ 'ک ب ر' ہو، اس کے مفہوم میں بڑائی کے معنی ضرور پائے جاتے ہیں۔البتہ بڑائی کی صورتیں مختلف ہو سکتی ہیں۔

(س)(ن) کِبَرًا عمر میں بڑا ہونا۔ بوڑھا ہو جانا۔﴿ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّ بِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ﴾(4/النساء:6)''اور تم لوگ مت کھاؤ یتیموں کے مال بے جا اور جلدی میں کہ کہیں وہ بڑے نہ ہو جائیں۔''

(ک) کُبَارَۃً، کِبَارَۃً، کَبَارَۃً اس کا مصدر مصباح اللغات میں کِبَارَۃً اور لغات القرآن میں کَبَارَۃً لکھا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔ معنوی لحاظ سے بڑا ہونا۔ رتبہ یا اہمیت میں بڑا ہونا۔ بھاری یا دشوار ہونا۔﴿ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ۝ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ﴾(17/بنی اسرائیل:50-51)''تم لوگ ہو جاؤ پتھر یا لوہا یا کوئی چیز جو بڑی ہے تمہارے سینوں میں یعنی تمہاری سمجھ میں۔''﴿ وَ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ ﴾(6/الانعام:35)''اور اگر آپؐ پر دشوار ہے اُن کا منہ پھیرنا۔''

کِبَرٌ اسم ذات ہے۔ بڑھاپا۔﴿ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ قَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ ﴾(3/آل عمران:40)''اس نے کہا اے میرے رب کہاں سے ہوگا میرے لئے کوئی لڑکا اس حال میں کہ پہنچ چکا ہے مجھ کو بڑھاپا۔''

کِبْرٌ اسم ذات ہے۔ بڑائی۔ بڑا۔﴿ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ﴾(40/المومن:56)''نہیں ہے ان کے سینوں میں مگر بڑائی، وہ لوگ اس تک پہنچنے والے نہیں ہیں۔''﴿ وَ الَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ ﴾(24/النور:11)''اور جس نے اٹھایا ہے اُس کا بڑا بوجھ اُس کے واسطے بڑا عذاب ہے۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)

کِبْرِيَاءُ اسم ذات ہے۔ عظمت۔ بزرگی۔ بڑائی۔ وہ ہستی جو ہر ایک کی اطاعت سے بالاتر ہو اور ایسی ہستی صرف اللہ ہی کی پاک ذات ہے۔ اسی لیے قرآنِ مجید میں فرمایا﴿ وَ لَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ﴾(45/الجاثیہ:37)''اور اُسی کے لیے بڑائی ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔'' اور حدیث قدسی میں ہے ''اَلْكِبْرِيَآءُ رِدَآئِيْ وَالْعَظْمَةُ اِزَارِيْ فَمَنْ نَازَعَنِيْ وَاحِدًا مِّنْهُمَا اَدْخَلْتُهُ النَّارَ- وَفِيْ رِوَايَةٍ قَذَفْتُهُ فِي النَّارِ- (رواہ مسلم) ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ذاتی بزرگی میری چادر ہے اور صفاتی عظمت میرا تہبند ہے پس جو ان دونوں میں سے کسی ایک میں میرے ساتھ جھگڑا کرے گا (یعنی جو تکبر کرے گا اور اس طرح وہ گویا میری ذات وصفات میں شرک کا ارتکاب کرے) تو میں اس کو آگ میں داخل کروں گا۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ''تو میں اس کو آگ میں پھینک دوں گا۔'' (مظاہر حق جدید، شرح مشکوٰۃ شریف، ج۴، ص۵۸۶)۔﴿ وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ﴾(10/یونس:78)''اور ہو جائے تم دونوں کے لئے بڑائی زمین میں۔''

كَبِيْرٌ ج: كُبَرَاءُ۔ اسم صفت ہے۔ بڑا۔ بھاری یا دشوار۔﴿ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ ﴾(35/فاطر:7)''ان کے لئے مغفرت ہے اور بڑا اجر ہے۔''۔﴿ رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ۝ ﴾(33/الاحزاب:67)''اے ہمارے رب ہم نے اطاعت کی اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑوں کی تو انہوں نے گمراہ کیا ہم کو راستے سے۔'' اَلْكَبِيْرُ اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے۔﴿ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۝ ﴾(13/الرعد:9) ''ظاہر اور پوشیدہ کا وہ عالم ہے، سب سے بڑا ہے اور سب سے بلند و بالا۔'' (نوٹ: كَبِيْرٌ کا الٹ صَغِيْرٌ ہے۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''کبیر اور صغیر اسمائے اضافیہ سے ہیں۔ جن کے معانی ایک دوسرے کے لحاظ سے متعین ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک ہی چیز دوسری کے مقابلہ میں صغیر ہوتی ہے۔ لیکن وہی شئے ایک اور کے مقابلہ میں کبیر کہلاتی ہے۔'' (مفردات القرآن، ج۲، ص۸۸۸)۔

كُبَّارٌ كَبِيْرٌ کا صیغہ مبالغہ ہے۔ بہت بڑا۔﴿ وَ مَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ۝ ﴾(71/نوح:22)''اور اُنہوں نے بڑے بڑے مکر کر ڈالے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: '' كَبِيْرٌ، كُبَّارٌ اور كَبَّارٌ ہم معنی ہیں۔''

كَبِيْرَةٌ ج: كَبَائِرُ - كَبِيْرٌ کا مونث ہے۔﴿ مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّ لَا كَبِيْرَةً ﴾ (18/الکہف:49) ''کیسی ہے یہ کتاب نہیں چھوڑتی کسی چھوٹی چیز کو اور نہ ہی بڑی چیز کو۔'' ﴿ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ﴾ (2/البقرہ:143) ''اور بیشک وہ بھاری تھی سوائے ان لوگوں کے جن کو ہدایت دی اللہ نے۔'' ﴿ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ ﴾ (42/الشوریٰ:37) ''اور وہ لوگ جو اجتناب کرتے ہیں بڑے بڑے گناہوں سے۔''

اَكْبَرُ ج: اَكَابِرُ - افعل التفضیل ہے۔ زیادہ بڑا۔ سب سے بڑا۔﴿ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ﴾ (2/البقرہ:219) ''اور ان دونوں کا گناہ زیادہ بڑا ہے ان دونوں کے نفع سے۔'' ﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا ﴾ (6/الانعام:123) ''اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے رئیسوں ہی کو جرائم کا مرتکب بنایا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

كُبْرٰى ج: كُبَرٌ - اَكْبَرُ کا مونث ہے۔﴿ الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ﴾ (87/الاعلیٰ:12) ''جو پڑے گا بڑی آگ میں۔'' ﴿ اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ﴾ (74/المدثر:35) ''یقیناً وہ جہنم بڑی چیزوں میں سے ایک ہے۔''

(افعال) اِكْبَارًا کسی کو بڑا سمجھنا۔ حیران ہونا۔﴿ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ ﴾ (12/یوسف:31) اس آیت مبارکہ کے کئی طرح سے ترجمے کیے گئے ہیں مثلاً: ''اور جب اُن لوگوں نے (یوسفؑ کو) دیکھا اس پر حیران رہ گئیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ''اُن عورتوں نے جب اُسے دیکھا تو بہت بڑا جانا۔'' (ترجمہ احسن البیان) ''پس جب (یوسفؑ آئے اور) اُنہوں نے اُس کو دیکھا تو اُس کی عظمت (حسن) کی قائل ہوگئیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ پیر کرم شاہ صاحبؒ اس آیت کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: ''اَكْبَرْنَهٗ کا معنی ہے کہ وہ حسن یوسفی کو دیکھ کر مسحور بھی ہوئیں اور مرغوب بھی۔''

(تفعیل) تَكْبِيْرًا کسی کو بڑا سمجھنا اور بڑا کہنا۔ کسی کی بڑائی بیان کرنا۔ اللہ اکبر کہہ کر اللہ کی عظمت کو ظاہر بھی کرنا اور اس کی عظمت کا احساس بھی کرنا۔﴿ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ﴾ (2/البقرہ:185) ''اور تا کہ تم لوگ پورا کرو گنتی کو اور تا کہ تم لوگ بڑائی بیان کرو اللہ کی اس پر جو اس نے ہدایت دی تم کو۔''

كَبِّرْ فعل امر ہے۔ تو بڑائی بیان کر۔﴿ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ﴾ (74/المدثر:3) ''اور پروردگار کی بڑائی بیان کیجئے۔'' ﴿ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴾ (17/بنی اسرائیل:111) ''اور اُس کی خوب بڑائیاں بیان کیجئے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) اس آیت کے حاشیہ میں مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''محققین نے کہا ہے کہ عربی زبان میں مفہوم تعظیم و اجلال کے لیے لفظ تکبیر سے بڑھ کر اور جامع تر کوئی لفظ نہیں اور جب اس فعل کا امر مصدر اور پھر صیغہ نکرہ کے ساتھ مؤکد ہو کر آئے تو زور اور وسعت کی انتہا ہی نہیں رہ جاتی۔''

(تفعّل) تَكَبُّرًا بناوٹی طور پر بڑا بننا۔ واقعی بڑا ہونا۔ صاحبؒ لغات القرآن فرماتے ہیں: ''تکبر دو طرح کا ہوتا ہے (۱) فی نفسہٖ کسی میں خوبیاں اور صفاتِ حسنہ سب سے زائد ہوں۔ (۲) واقع میں تو صفاتِ حسنہ سے خالی ہو اور مدعی ہو کمالِ صفات کا، اول محمود (قابل تعریف) ہے اور دوسرا مذموم (قابل مذمت) ہے اس لیے اول معنی کا لحاظ کرتے ہوئے متکبر اللہ کی صفت ہے اور محمود ہے اور دوسرے معنی کے لحاظ سے کافر یا مغرور انسان پر اطلاق ہوتا ہے جو مذموم اور قبیح (برا) ہے۔'' (لغات القرآن، ج۵، ص ۲۹۹)۔ صاحبؒ مترادفات القرآن فرماتے ہیں: ''تَكَبُّرٌ، یہ فخر کا سب سے آخری درجہ ہے۔ جس میں انسان عُجب میں مبتلا ہو جاتا ہے اور خود پسندی کی اِس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ دوسروں کو حقیر سمجھنے لگتا ہے اور حق بات کو قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ جیسا کہ حدیث مبارک میں فرمایا ''تکبر یہ ہے کہ تو حق بات کو ٹھکرائے اور لوگوں کو حقیر سمجھے۔'' (بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ (بخاری)۔ پوری حدیث کے لیے ملاحظہ ہو مظاہر حق جدید، شرح مشکوٰۃ شریف، ج ۴، ص ۵۸۳) ﴿ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا ﴾ (7/الاعراف:13) ''پس تو اُتر اس سے، پس تیرے لئے

نہیں ہے کہ تو بڑا بنے اس میں۔''

مُتَكَبِّرٌ ج: مُتَكَبِّرُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ بڑا بننے والا۔ ﴿ اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَ رَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ ﴾ (40/المومن:27) ''میں پناہ میں آتا ہوں اپنے رب اور تمہارے رب کی، ہر بڑا بننے والے سے۔'' مُتَكَبِّرٌ اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہو تو معنی ہوتے ہیں وہ ہستی جس کی عظمت انتہا کو پہنچی ہوئی ہو اور جس میں فی نفسہٖ سب سے زیادہ خوبیاں ہوں۔ چنانچہ فرمایا ﴿ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ﴾ (الحشر:23)۔ اس آیت میں اَلْمُتَكَبِّرُ کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''اصل میں لفظ اَلْمُتَكَبِّر استعمال ہوا ہے جس کے دو مفہوم ہیں۔ ایک وہ جو فی الحقیقت بڑا نہ ہو مگر خواہ مخواہ بڑا بنے۔ دوسرے وہ جو حقیقت میں بڑا ہو اور بڑا ہی ہو کر رہے۔ انسان ہو یا شیطان، یا کوئی اور مخلوق، چونکہ بڑائی فی الواقع اس کے لیے نہیں ہے، اس لیے اُس کا اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور دوسروں پر اپنی بڑائی جتانا ایک جھوٹا ادّعا اور بدترین عیب ہے۔ اس کے برعکس، اللہ تعالیٰ حقیقت میں بڑا ہے اور بڑائی فی الواقع اسی کے لیے ہے اور کائنات کی ہر چیز اس کے مقابلے میں حقیر و ذلیل ہے، اس لیے اس کا بڑا ہونا اور بڑا ہی ہو کر رہنا کوئی ادّعا اور تصنّع نہیں بلکہ ایک امر واقعی ہے، ایک بری صفت نہیں بلکہ ایک خوبی ہے جو اس کے سوا کسی میں نہیں پائی جاتی۔'' (تفہیم القرآن، ج۵، ص۴۱۵)

(استفعال) اِسْتِكْبَارًا بڑائی چاہنا۔ اس کا مطلب ہوتا ہے خواہ مخواہ اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوئے حق بات کا انکار کر دینا اور دوسروں کو حقیر سمجھنا۔ ﴿ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْ لَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ﴾ (34/سبا:31) ''وہ لوگ کہیں گے جن کو کمزور سمجھا گیا ان سے جنہوں نے بڑائی چاہی، اگر نہ ہوتے تم لوگ تو ہم ہوتے ایمان لانے والے۔''

مُسْتَكْبِرٌ ج: مُسْتَكْبِرُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ بڑائی چاہنے والا۔ ﴿ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّ هُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴾ (16/النحل:22) ''ان کے دل انکار کرنے والے ہیں اور وہ لوگ بڑائی چاہنے والے ہیں۔''

كَانَ (ك و ن): البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔ كٰفِرِيْنَ (ك ف ر): البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔

ترکیب ''وَ'' استئنافیہ ہے۔ اِذْ ظرف زمان ہے اور اس سے پہلے فعل اُذْكُرْ یا اُذْكُرُوْا محذوف ہے۔ قُلْنَا فعل با فاعل ہے اور اس کی ضمیر فاعلی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ لِلْمَلٰٓئِكَةِ متعلق فعل ہے۔ اُسْجُدُوْا فعل امر ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ ہے جو فرشتوں کے لیے ہے۔ لِاٰدَمَ متعلق فعل ہے۔ لِاٰدَمَ میں ''لام'' اِلٰی کے معنی میں ہے (ماجدیؒ، حقانیؒ) یعنی 'لام' کے معنی 'واسطے' کے نہیں بلکہ ''طرف'' اور ''سمت'' کے ہیں۔ فَسَجَدُوْٓا فعل ماضی ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر ہے جو فرشتوں کے لیے ہے۔ اِلَّآ حرف استثناء ہے اور ابلیس، مستثنیٰ منقطع ہے کیونکہ فرشتے اور ابلیس ایک جنس کے نہیں اس لیے حالت نصب میں ہے۔ آگے اَبٰی اور اِسْتَكْبَرَ ماضی کے صیغے ہیں اور اِس میں شامل ضمیر فاعلی ابلیس کے لیے ہے۔ درمیان میں حرف عطف ہے۔ آگے بھی 'وَ' عطف کا ہے اور كَانَ افعال ناقصہ میں سے ہے اور اس کا اسم اس میں شامل ضمیر 'هُوَ' ہے جو شیطان کے لیے ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے اور مِنَ الْكٰفِرِيْنَ متعلق خبر ہے۔ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ کے دو طرح ترجمے کیے گئے ہیں یعنی ''وہ تھا'' اور ''وہ ہو گیا''۔ مثلاً حضرت شیخ الہندؒ ترجمہ کرتے ہیں ''اور تھا وہ کافروں میں کا۔'' اس صورت میں یہ بزرگ اس کے آگے فِیْ عِلْمِ اللّٰهِ محذوف مانتے ہیں اور دوسری صورت میں ہمارے بزرگوں کی رائے یہ ہے کہ كَانَ یہاں صَارَ (ہو گیا) کے معنی میں ہے یعنی وہ پہلے کافروں میں سے نہیں تھا بلکہ اللہ کے حکم کی نافرمانی نے اسے کافروں میں داخل کر دیا۔ اس ترکیب کے لحاظ سے بھی ترجمہ کیا گیا مثلاً ''اور کافروں میں سے ہو گیا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) (واللہ اعلم)

ترجمہ
البقرۃ:34

وَاِذْ قُلْنَا	لِلْمَلٰٓئِكَةِ	اسْجُدُوْا	لِاٰدَمَ	فَسَجَدُوْٓا
اور (یاد کرو) جب ہم نے کہا	تمام فرشتوں سے	تم سجدہ کرو	آدمؑ کو	تو انہوں نے سجدہ کیا

اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ	اَبٰى	وَاسْتَكْبَرَ ۟	وَكَانَ
سوائے ابلیس کے	اس نے انکار کیا	اور اس نے بڑائی چاہی (یعنی تکبر کیا)	اور وہ تھا یا ہو گیا

مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾
انکار کرنے والوں میں سے

نوٹ:1 آیت زیرِ مطالعہ میں کلام مثبت اور مستثنیٰ منہ (ملائکہ) مذکور ہے اس لئے اِبْلِيْسَ کی نصب سے یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ یہ مستثنیٰ متصل ہے یا منقطع ہے۔ چنانچہ اس مقام سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ابلیس فرشتہ تھا یا جن تھا۔ البتہ سورہ کہف کی آیت نمبر 50 میں وضاحت کی گئی ہے کہ وہ ایک جن تھا، اسی لیے ترکیب میں اسے مستثنیٰ منقطع بتایا گیا۔

نوٹ:2 مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اس آیت مبارکہ میں فرشتوں کو سجدہ کرنے کے حکم کے متعلق فرماتے ہیں: ''سجدہ سے مراد سجدۂ اصطلاحی و سجدۂ نماز نہیں، مطلق سجدہ مراد ہے۔ سجود اور سجدہ کے لفظی معنی محض تواضع و تذلل کے ہیں۔ سجدۂ نماز کو بھی سجدہ اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ تذلل و تواضع کا بہترین مظہر ہے۔ خود محاورۂ قرآن میں سجود کا استعمال اس عام معنی میں عام ہے۔ مثلاً ﴿ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ﴾ (اے مخاطب کیا تو نہیں دیکھتا کہ آسمان و زمین میں جو بھی مخلوق ہے، سب اللہ کے آگے جھکی ہوئی ہے) اور یہاں بھی قول اصح یہی ہے کہ یہ سجدہ اپنی ہیئت معروف کے ساتھ زمین پر پیشانی رکھنے کے معنی میں تھا ہی نہیں بلکہ صرف جھکنے کے معنی میں تھا۔ لیکن جن لوگوں نے اسے سجدۂ متعارف کے معنی میں لیا ہے، انہوں نے بھی تصریح کر دی ہے کہ یہ سجدۂ تعظیمی تھا جو اگلی شریعتوں میں جائز تھا سجدۂ عبادت ہرگز نہ تھا''..... آگے لِاٰدَمَ کے متعلق لکھتے ہیں..... ''لِاٰدَمَ ۔یعنی خلیفۃ اللہ کے آگے۔ نائب سلطان حقیقی کی طرف رُخ کر کے، نہ یہ کہ اس کو۔ ل یہاں الیٰ کا مرادف ہے۔ یعنی سمت اور طرف کے معنی میں ہے۔ سجدہ صرف سمت آدم میں تھا، جیسے آج بھی سمتِ کعبہ میں ہوتا ہے۔ مسجود جس طرح آج بھی کعبہ نہیں رب کعبہ ہے۔ اسی طرح اُس وقت بھی ذاتِ باری ہی تھی۔ قرآن مجید ہی کی ایک اور آیت میں ل عند کے معنی میں آیا ہے۔ ﴿ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ ﴾۔ (تفسیر ماجدیؒ، ص ۲۰)

نوٹ:3 یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا جن بھی سجدہ کرنے کے حکم میں داخل تھے۔ تو اس کا جواب قاضی بیضاویؒ ان الفاظ میں دیتے ہیں: ''جن بھی فرشتوں کے ساتھ سجدہ کے حکم میں شامل تھے لیکن فرشتوں کے ذکر کے بعد جنات کے ذکر کی ضرورت اس وجہ سے باقی نہیں رہی کہ جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ بڑوں کو کسی کی تعظیم و تکریم کا حکم ہوا ہے تو اس سے یہ بات آپ سے آپ واضح ہو گئی کہ چھوٹے بھی اس حکم میں شامل ہیں۔ اس صورت میں فَسَجَدُوْٓا کی جو ضمیر ہے وہ دونوں گروہوں کی طرف لوٹے گی۔ (بحوالہ تدبر قرآن، ج ۱، ص ۱۶۶)۔ حضرت قاضی بیضاویؒ کے قول کی تائید قرآنِ مجید سے بھی ہوتی ہے چنانچہ فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ ﴾ (7/الاعراف:11،12) ''ہم نے تمہاری تخلیق کی ابتداء کی، پھر تمہاری صورت بنائی، پھر فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو۔ اس حکم پر سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔ پوچھا، ''تجھے کس چیز نے سجدہ کرنے سے روکا جب کہ میں نے تجھ کو حکم دیا تھا؟'' ﴿ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ ﴾ (18/الکہف:50) ''اور جب کہا ہم نے فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو تو سجدے میں گر پڑے مگر ابلیس، تھا جن کی قسم سے سو نکل بھاگا اپنے رب کے حکم سے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)